https://www.urdutubes.com/
URDU TUBE
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

صفحہ	عنوان	مصنف	تعارف
18	با اصول	ثنا شیخ	جنات کا تو یقین ہے پر کیا یہ پریاں اور جل پریاں بھی سچ میں ہوتی ہیں، حقیقی کہانی
37	آسیبی کھنڈرات	نثار فاطمہ	دل پر دہشت طاری کرتی اور رگوں میں لہو منجمد کرتی ناقابل یقین و ناقابل فراموش کہانی
45	خطرناک عمل	خلیل جبار	دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی خوف کی دنیا میں ہل چل مچاتی انوکھی ۔۔۔۔۔ داستان حیرت
49	وادی سحر	ناصر محمود فرہاد	خوف و ہراس کے افق پر جلی کہانی اور جسم طاری دل پر دہشت طاری کرتی حقیقی کہانی
62	ساڑھ ستی	عثمان غنی	کہتے ہیں کہ جادو اور عمل ناقابل یقین شکتی شالی ہوتا ہے ۔۔۔۔۔ ثبوت کہانی میں ہے
70	جان لیوا	راشد نذیر	ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ
93	خونی حسینہ	عامر شہزاد	خوف و ہراس کی پگڈنڈی پر محو پرواز اپنی نوعیت کی ہیبت ناک اور حیرت ناک کہانی
97	بیوی	ضرغام محمود	حقیقت پر مبنی ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے قلم سے نکلی ہوئی دلکش و شاہکار کہانی
102	خونی عفریت	طارق محمود	حقیقت سے چشم پوشی کرنے والے لوگ گمان میں رہتے ہیں، ثبوت کہانی میں موجود ہے
121	بند مکان	محمد رضوان قیوم	ایک نادیدہ قوت کی عجیب و غریب دیدہ دلیری جس نے لوگوں کو پریشان کر دیا تھا
126	پاگل خانے کے قیدی	شہزادہ چاند زیب عباسی	دولت کی طاقت میں اندھا ہونے والوں کیلئے عبرت ناک و اذیت ناک دل برداشتہ کہانی
146	عفریت	این اے کاوش	ایک خونی عفریت کی دل دہلاتی اور کرب و اذیت سے دو چار کرتی ۔۔۔۔۔ دلخراش کہانی
169	بھیانک منظر	ایس امتیاز احمد	ایک ظالم کی خوفناک دہشت ناک اچھوتی انوکھی اور ناقابل فراموش دل دہلاتی کہانی
175	بھیانک چیخ	گلاب خان سولنگی	ڈراؤنی کہانیاں پسند کرنے والے قارئین کے لئے حیرت ناک اور خوف ناک کہانی
183	انوکھی شرط	مریم فاطمہ	۔۔۔ لکھی ہوئی اپنی نوعیت کی عجیب و غریب دلچسپ کہانی
194	چڑیلوں کا مسکن	شہزاد خان	ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی دل کو دہلاتی اور رگوں میں خون منجمد کرتی کہانی
199	جادو کی انتقام	عائشہ سید اسرار	جسم و جاں پر سکتہ اور رگ و پے میں خون کو منجمد کرتی اور رونگٹے کھڑے کرتی دردناک کہانی
211	دہشت کی رات	فرح انیس	دل و دماغ کو شکنجے میں ڈالتی اور سوچ کے افق پر جھلمل کرتی حقیقی اور عجیب روداد
218	قوس قزح	ادارہ	قارئین کے بھیجے گئے اشعار جنہیں قارئین بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں ۔۔۔۔۔
222	خوشبوئے گلاب	ربیعہ امجد	اچھی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے دل و دماغ کو فرحت بخشتی دلکش اور دلنشین کہانی

ایڈیٹر و پبلشر آصف علی نے سٹی پریس مالپور روڈ کراچی سے چھپوا کر شائع کیا۔

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ ڈر ڈائجسٹ نورانی آرکیڈ نیو اردو بازار کراچی: 32744391

https://www.urdutubes.com/

بااصول

ثنا شیخ-لاہور

بلا کا گھپ اندھیرا، خنکی اور مکمل خاموشی تھی، بوڑھی عورت نے مڑ کر دوشیزہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زیر لب مسکراتے ہوئے کہا، مجھے اندھیرے سے ڈر نہیں لگتا، نہ ٹھنڈ لگتی ہے، مجھے صرف بھوک لگتی ہے۔

جنات کا تو یقین ہے پر کیا یہ پریاں اور چڑیلیں بھی سچ میں ہوتی ہیں، حقیقی کہانی

کچھ لوگ اچھائی اور برائی کے فرق کو واضح رکھنے کے لیے زندگی کے کچھ اصول بناتے ہیں۔ اور کچھ لوگوں میں یہ اصول پیدائشی یعنی فطری طور پہ پہلے سے موجود ہوتے ہیں۔ بے اصول لوگوں کے لیے یہ ایک قطعی غیر اہم چیز ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ بوقتِ ضرورت اپنے بنائے اصولوں میں ردوبدل کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ لیکن اصل بااصول لوگ جن میں یہ چیز پیدائشی ہوتی ہے، ہر حال میں ان پہ ڈٹے رہتے ہیں، کیونکہ ان سے انحراف ان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔

روحی کی زندگی کے بکھرے کچھ اصولوں میں سے زیادہ تر اسے قدرت نے ہی عطا کیے تھے۔ جن سے منکر ہونا اس کے بس سے باہر تھا۔ جیسے راستے میں کسی بہت ضعیف خاتون یا کسی بزرگ کو لفٹ دینا، دھوپ اور شدید گرمی یا بارش میں کھڑی کسی اکیلی طالبہ کی مجبوری میں مدد کرنا۔۔۔ ہاسپٹل یا لیبارٹری میں کسی غریب کے فیس پوچھنے پر اترتا چہرہ دیکھ کر اس کے ٹیسٹوں کے لیے رقم فراہم کر دینا۔۔۔ کسی پڑوسن کی بیماری کا سن کر اس کے گھر تب تک کھانا بھیجے رہنا، جب تک وہ مکمل صحت یاب نہ ہو جائے۔۔۔ ظاہری طور پر جب کبھی اس کے ان اصولوں نے اسے نقصان پہنچایا، تب بھی اس کا باطن کسی نہ کسی طور پہ مطمئن ہی رہا۔ شوہر کے دوسری عورتوں سے تعلقات کی بات کھلنے اور والدین کی ایک ایئر پلین کریش میں وفات کی، دونوں خبریں اسے ایک ساتھ ملی تھیں۔۔۔ ایک دھندلی سی شام تھی جب وہ شوہر کے دھوکہ دہی کے ثبوت پہ دلبرداشتہ تھی کہ ایک فون کال نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔۔۔ اس کے والدین بھی اس دنیا سے جا چکے تھے۔۔۔

اس نے خدا کی مصلحت سمجھتے ہوئے والدین کی اس اچانک حادثاتی موت پہ تو صبر کر لیا۔۔۔ پر اپنے ساتھ ہوئے دھوکے اور فریب پہ سمجھوتا نہیں کیا۔۔۔ اس نے خلع لے کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خود کو اس جھوٹے رشتے سے آزاد کرا لیا جس میں تکلیفوں، اذیتوں اور گھٹن کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگرچہ ایسا کرنا اس کے لیے آسان نہ تھا۔ کیونکہ والدین پہلے ہی جہان فانی سے کوچ کر چکے تھے اور رشتہ دار، دوست احباب، اکثر کا رویہ منفی تھا۔ لیکن اسے جھوٹ سے زیادہ جھوٹے لوگوں اور جھوٹی تسلیوں سے نفرت تھی۔ اپنی ظاہری طور پہ خوشحال شادی شدہ زندگی کو نبھانے کے لیے اب وہ پہلے کی طرح مجبور نہیں تھی۔ اس کے خاندان کے بزرگوں نے اسے اس

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

انتہائی قدم اٹھانے سے باز رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی، جس قدم کو اٹھانے کا فیصلہ وہ کئی سال پہلے کر چکی تھی پر مصلحتاً چپ تھی۔ کیونکہ اس کے پاس اپنے سلیبریٹی اسٹیٹس رکھنے والے مشہور و معروف شوہر کے خلاف کوئی ثبوت نہ تھا۔ محض افواہیں تھیں۔ جن پہ اس نے کبھی کان نہ دھرے تھے پر اب ثبوت کے ساتھ ساتھ اس کے شوہر کی زبانی اس کے اعتراف جرم کی گواہی بھی تھی اور سب سے بڑھ کر اس شخص کو اپنے کیے پہ کوئی شرمندگی، کوئی پشیمانی نہ تھی کہ اس کے مطابق کسی مشہور اداکار کے لیے ایسی باتیں بہت معمولی ہوتی ہیں۔۔۔ اس کی شہرت اچھی نہ ہو تب بھی وہ بدنام ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا کے مطابق اپنے کارناموں پہ فخر سے قائم تھا۔۔۔ اور اب روحی سمجھ چکی تھی کہ اب اس کیا کرنا ہے۔۔۔ اور اس نے وہی کیا جو اسے ٹھیک لگا۔۔۔

اور اب اس نے اپنے لیے جینے کا فیصلہ کیا۔ مثبت لوگوں، مثبت رویوں اور مثبت طرز زندگی کو اپنانے کا فیصلہ۔۔۔ اور اس سب کے لیے اسے یہ آخری حتمی قدم اٹھانا ہی تھا۔ لوگ کیا کہیں گے؟ کے برخلاف اس کا اپنے لیے بنایا گیا اصول کہ زندگی کے آخری وقت وہ خود سے کیا کہے گی؟ پہ ڈٹ گئی۔۔۔ کہ اس نے اس فانی دنیا کی فانی باتوں سے ڈر کے خود کو ایک اچھی، سچی اور خوش آئند زندگی سے محروم کیوں رکھا؟ اپنے ساتھ ہوئی زیادتیوں سے خود کو بچانے کی کوشش کیوں نہ کی؟ کیوں نہ ایسے لوگوں سے خود کو دور رکھا جو اس کی تکلیفوں اور اذیتوں کا باعث بنے؟ اور ایک بہتر زندگی کیوں نہ جی؟ لوگ چاہے کچھ بھی کہیں، اس کی اپنی زندگی پہ سب سے زیادہ حق اس کا اپنا ہے۔۔۔ اور اس سوچ پہ عمل پیرا ہونے کے لیے اس نے جی جان ایک کردی، اور بالآخر اس کی نجات کے دستاویز اس کے ہاتھ میں تھے۔

تمام رشتہ داروں کی ناپسندیدگی کے باوجود آج ایک عجیب سا سکون اس کے اندر باہر تھا۔ عدت کے دنوں میں خاندان کے بزرگوں اور احباب نے اسے آئندہ آنے والی زندگی میں کوئی ہمسفر نہ ملنے کے ڈراوے دیے تو کچھ نے اس کو دوسری شادی کے لیے منانے کی کوشش کی اور چند ایک نے تو کچھ رشتے بھی ڈھونڈھ نکالے تھے۔ مگر اس کی زندگی کا مقصد اب کچھ بھی ہو لیکن شادی ہرگز نہیں تھا۔ وہ بھلا اس بارے میں پرعزم نہ ہو کہ وہ اپنی آنے والی زندگی کے ساتھ کیا کرے گی؟ مگر اس بارے میں پر یقین ضرور تھی کہ اسے اب کیا نہیں کرنا ہے۔ تمام تر اعصاب شکن ماحول کے باوجود جو اس کے رشتہ دار اور جاننے والے بنا رہے تھے، وہ اپنے کمرے میں آتے ہی اپنے حساب سے زندگی جینے کے اس فیصلے پر دل کی گہرائیوں میں اتر جانے والی سرشاری محسوس کرتی تھی۔ اور اسی سرشاری نے اسے آنے والی زندگی کی منصوبہ بندی کرنے میں بہت مدد کی۔ اور آج وہ ہرے بھرے ہل اسٹیشن کے ایک خوبصورت سے گھر میں رہائش پزیر تھی جو اس نے اپنے حصے میں آئی وراثت کے عیوض خریدا تھا۔ اس بات پر بھی اس سے کافی لوگ نالاں تھے۔ کچھ کے خیال میں وہ شتر بے محار ہو چکی تھی جبکہ کچھ اسے ناسمجھ، اور کچھ اسے اوور کونفیڈنٹ گردان رہے تھے۔ اور [illegible] اس لیے ناراض تھے کہ اس نے ان کے بتائے ہوئے رشتوں سے انکار پر اس کے حصے میں آئی جائیداد کی نگرانی سے انہیں محروم کر دیا تھا اور اپنی زندگی اب صرف اور صرف وہ اپنی مرضی سے گزارنے لگی تھی۔ پہلے خلع پھر رشتوں سے انکار اور اب اپنے آبائی شہر سے دور دراز ایک انجان پہاڑی علاقے میں اکیلے سکونت اختیار کرنے کا فیصلہ۔۔۔ کچھ بھی شریف اور خاندانی لڑکیوں کے چلن جیسا نہ تھا۔ پر ان سب لوگوں سے اب کیریکٹر سرٹیفکیٹ لینے کی وہ مجاز نہ تھی، اسی [illegible] راست اور بلواسطہ اپنے بارے میں اڑائی ہر بات کو سنتی اور دل ہی دل میں مسکراتی تھی۔۔۔ نہ تو اب اسے کسی کے رویے کی پرواہ تھی نہ ہی لوگوں کی زبردستی کی مداخلت درکار تھی۔ الٹا اس کے دل میں ان سب سے دور، اپنی خود کی دنیا بسانے کا ارادہ اور بھی مضبوط ہوتا چلا گیا۔ سب سے قطع تعلق اس نے صرف ان چند مخصوص لوگوں

سے روابط قائم رکھے جنہوں نے اسے مخلص مسکراہٹوں اور بے لوث دعاں کے علاوہ کبھی منفی رویوں سے نہیں نوازا تھا۔ ان مثبت لوگوں کی تعداد منفی لوگوں کی نسبت کم سہی مگر تسلی بخش تھی کہ اب اس کی ترجیح احباب کی تعداد نہیں بلکہ رشتوں کا معیار تھی۔ پہلے کی بات اور تھی، جب ہر ایک سے دل کی بات کرنا، ہر کسی کو اپنا دوست اور ہمدرد سمجھنا، سب کو اپنی طرح سچا سمجھ کر دھوکہ کھا جانا، اس کے لیے نارمل تھا۔۔۔ پر اب بہت کچھ بدل چکا تھا۔ زندگی اسے بہت کچھ سکھا چکی تھی۔۔۔ بہت کچھ سمجھا چکی تھی۔۔۔ پر ابھی بہت کچھ سمجھنا اور سیکھنا باقی تھا کہ زندگی ختم ہو جاتی ہے پر سیکھنے کا عمل آخری سانس تک چلتا ہے۔

اس خوبصورت سرسبز علاقے میں آئے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے۔ گھر کے بہت سے کام باقی تھے۔ انٹرکام لگ چکا تھا، وائی فائی کا کنکشن بھی آ چکا تھا۔ ابھی یو پی ایس کی وائرنگ ہونا باقی تھی۔ سیکیورٹی کیمراز بھی دو ایک روز میں لگنے والے تھے۔ کیونکہ شہر کی نسبت ایک بہت امن پسند اور پرسکون علاقہ تھا، [illegible] اپنی سیکیورٹی پہ سمجھوتا کرنے کو تیار نہ تھی۔

چند روز میں گھر کی سبھی انسٹالیشنز اور اہم کاموں سے فراغت پا کر وہ آس پڑوس کے گھروں میں جانے اور یہاں کے مکینوں کے حال احوال کے بارے میں معلومات کا ارادہ رکھتی تھی۔ شہر میں رہتے ہوئے وہ بھی آس پڑوس سے غافل نہیں رہی۔ خاص طور پہ شادی شدہ زندگی میں یہ پڑوسی ہی تھے جو اس کے ہر اچھے برے وقت میں اس کے کام آئے تھے۔ خوش قسمتی سے اسے بہت اچھے ہمسائے ملے تھے۔ جن میں سے چند بھلی مانس خواتین سے وہ ابھی تک رابطے میں تھی۔ وہ انجان لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ پہل کرنے کی عادی تھی۔ اس لیے اس کی دوستی ہر کسی سے باآسانی ہو جاتی تھی اور ختم ہونے کی وجہ لوگوں کے جھوٹ، منافقت یا غلط بیانی ہوتی۔ اس کی جھوٹ اور منافقت سے شدید نفرت اسے ایسے لوگوں سے دور رکھنے میں مدد دیتی۔ اب وہ ہر کسی پہ آسانی سے اعتبار نہیں کرتی تھی مگر اجنبی لوگوں سے بات چیت میں پہل کی روایت اب بھی قائم تھی کہ وہ اس کی فطرت تھی۔ یوں تو آتے جاتے اس نے آس پڑوس کے گھروں کے کچھ مکینوں کو سرسری طور پر دیکھ رکھا تھا۔ جن میں زیادہ تر پہاڑی ہی تھے۔ اور ایک دو اسے شہری بھی لگے تھے۔ اس کے گھر کے پاس مکان ہی کتنے تھے؟ گنتی کے چند وہ بھی پچاس اور کچھ سو گز کی دوری پر واقع تھے۔ وجہ پہاڑی علاقے کے سرسبز جنگل اور گھروں کے آس پاس کئی کئی کنال پر محیط لان اور ہری بھری گھاس میں لپٹے میدان تھے۔

روحی کے گھر کے چاروں اطراف اسی طرز کی خالی جگہیں تھیں۔ جس کو عنقریب وہ لان اور گرین ہاؤس بنانے کا سوچ رہی تھی۔ گھر کے پچھلے طرف سرونٹ کوارٹر جو فی الحال خالی تھا، اس میں کسی علاقائی جوڑے کو ہاؤس کیپر رکھنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ یہاں کے لوگ شہر کی نسبت کم ملنسار مگر بہت سادہ مزاج تھے۔ اس کا گھر پہاڑ کی سب سے اونچی جگہ پہ تھا اور اس پہاڑ سے نیچے جاتی سڑک پہ ایک پررونق بازار تھا۔ جہاں سیاحت کے موسم میں بہت رش رہتا تھا۔ شہر سے آنے والی گاڑیوں کے شور سے اس علاقے میں چہل پہل تھی مگر اس کی رہائشی پہاڑ کی چوٹی اتنی ہی خاموش تھی۔ وہ اسی بازار سے چند روز کے کھانے پینے کا سامان ایک ساتھ لے آئی تھی اور فریز کر دیا تھا، کہ اسے روز روز کھانے کے لیے باہر نہ نکلنا پڑے کیونکہ ابھی کچن سیٹ نہیں ہوا تھا۔ اور اب وہ فیروزن کھانا بھی بس ایک دن کا ہی بچا تھا۔ اگلے دن گھر کے کاموں کے لیے کچھ لوگوں نے آنا تھا۔ یہاں بجلی بہت جاتی تھی اور کل ہر صورت وہ یو پی ایس کی وائرنگ کروانا چاہتی تھی اور ساتھ ہی سیکیورٹی کیمراز بھی کل ہی لگنے تھے۔ اس نے سوچا کہ کل تک اس کا گزارا ہو سکتا ہے پرسوں وہ بازار جائے گی اور کھانے پینے کا سامان لے آئے گی۔

عصر پڑھ کے، وہ کافی کا مگ ہاتھ میں لیے، باہر

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ٹیرس نما لان میں آ بیٹھی۔ جولائی کے مہینے میں بھی یہاں خوشگوار ٹھنڈک تھی نا اس لان سے چند گز آگے پہاڑ کی گہرائی اور اس کے نیچے کی سڑک کافی حد تک نظر آتی تھی۔ اونچے اونچے پائن کے درختوں میں گھری یہ اور اس سے منسلک آس پاس کی سب پہاڑیوں کے سبزے نے یہاں کی فضا میں دل و دماغ کو سکون دیتی بھینی بھینی سی خوشبو پھیلا رکھی تھی۔ سبزے کی ٹھنڈی ٹھنڈی خوشبو۔۔۔ مغرب سے ذرا پہلے ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی۔ پہلے تو وہ اس سے لطف اندوز ہوتی رہی اور پھر جب ذرا تیز بوندا باندی ہونے لگی تو وہ اندر چلی آئی۔ گھنے جنگل اور کالے بادلوں کی وجہ سے اندھیرا ابھی جلد ہونے لگا تھا۔ مغرب کے وقت سے شروع ہوئی اس بارش نے رات ہوتے ہوتے بہت زور پکڑ لیا تھا اور درختوں پر گرنے سے ایک شور سا برپا کر دیا تھا۔

بارش اور بجلی کڑکنے کی آوازوں نے طوفان مچا رکھا تھا۔ کھڑکی سے باہر کا جنگل پہلی بار اسے کچھ خوفناک لگا۔ وجہ شاید رات کا وقت، گھنے درخت اور اس گھر میں اس کا اکیلا پن تھا۔۔۔ اور پہلی بار اسے تنہا ہونے کے احساس نے ڈرا دیا۔۔۔ اس نے بلائنڈز نیچے کیے اور سب ٹارچ اور موم بتیاں اپنے پاس جمع کر لیں اور لائٹ آف کیے بنا ہی بستر پر دراز ہو گئی۔۔۔

نہ جانے رات کا کونسا پہر تھا جب ڈور بیل بجی، وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔ کافی کچی نیند تھی اس کی۔۔۔ اس نے سامنے وال کلاک پر نظر ڈالی، بارہ بج رہے تھے۔۔۔ کہ بیل پھر سے بج اٹھی۔ پہلی بیل پر تو وہ سمجھی تھی کہ شاید خواب میں اس نے کوئی آواز سنی ہوگی پر دوسری بیل پر اس نے سوچا کہ وال کلاک خراب ہو گئی ہو گی۔۔۔ اتنی رات کو کون آ سکتا ہے؟ یہاں تو وہ ابھی کسی کو جانتی بھی نہیں، نہ ہی اسے کوئی جانتا ہے۔ اس نے موبائل فون میں وقت دیکھا۔۔۔

رات کے بارہ ہی بج رہے تھے۔ باہر سے بارش کی آواز اب بھی آ رہی تھی۔ طرح طرح کے وسوسے اسے ستانے لگے۔۔۔ اس نے سوچا کہ اسے ڈور بیل اگنور کر دینی چاہیے۔۔۔ کہیں کوئی چور، لٹیرا یا ڈاکو نہ ہو۔۔۔ کیا اسے پولیس کو فون کرنا چاہیے؟ کیا کرے وہ؟ بیل پھر سے بجی، کاش کیمراز ہی لگ چکے ہوتے۔۔۔ اس نے اللہ کا نام لیا اور انٹر کام اٹھایا اور آواز میں رعب پیدا کرتے ہوئے بولی، کون ہے؟ کوئی جواب نہیں ملا۔ اس نے ذرا اونچی آواز میں پھر سے کہا، میں نے پوچھا ہے کون ہے دروازے پہ؟ اس بار ایک نحیف سی زنانہ آواز اسے جواب میں سنائی دی۔۔۔

کچھ کھانے کو ملے گا؟

ہیں؟؟؟ کیا؟ رات کے بارہ بجے؟ کون ہیں آپ؟ میں ابھی پولیس کو فون کرتی ہوں۔۔۔ اس نے سوچا رات کے بارہ بجے تو شہر میں کوئی بھکاری ڈور بیل بجا کے نہیں مانگتا، یہ تو پھر ویران پہاڑی علاقہ ہے۔ دن کے وقت یہاں سڑک، اور بازاروں میں بے تحاشہ علاقائی بچے آپ سے پیسے اور کھانے کی چیزیں مانگنے جمع ہو جاتے ہیں پر آدھی رات کو گھر گھر جا کر مانگنے کا رواج تو کبھی نہیں سنا۔ ہونہ ہو کوئی اور ہی۔۔۔ وہ دل میں بھی گھبرا [illegible] اکیلی عورت کا امتحان جگہ تمہارا رہنا مناسب نہیں۔۔۔ من مانی کرنے لگ گئی ہے۔۔۔ اوور اسمارٹ ہے۔۔۔ خود مختاری کے نام پہ سب خاندان والوں سے رشتہ توڑنا چاہتی ہے۔۔۔ وہاں کیا رکھا ہے؟ یہاں اپنا گھر ہے۔۔۔ اپنے لوگ ہیں۔۔۔ اچھے، برے وقت میں اپنے ہی کام آتے ہیں۔۔۔ میرے اپنے! میرے برے وقت میں کتنے کام آئیں ہیں؟ اس کا تجربہ میں کر چکی ہوں، پھر بھی تھینکس فار یور کنسرن۔۔۔ خوف کی اس گھڑی میں سب کی کہی ہوئی باتوں کا ایک ایک منظر ایک ہی پل میں اس کے سامنے سے گزرنے لگا۔۔۔ کیا میں نے یہاں آ کے کوئی غلطی کی ہے؟ پر میں اس شہر میں، ان بے حس لوگوں میں اپنی باقی کی زندگی نہیں گزارنا چاہتی تھی اور کون سا میں نے دنیا سے جوگ لے لیا ہے؟ یا ہر ایک سے تعلق توڑ دیا ہے؟ ابھی بھی میرے بہت سے سچے اور ہمدرد ساتھی میری زندگی میں پہلے کی طرح آج بھی

Digitized by Google

شامل ہیں۔ بس صرف انہی لوگوں سے دور آ کے بسی ہوں جنہیں نہ چاہتے ہوئے بھی برداشت کرنا پڑتا تھا۔ پر وہ لوگ جن سے مل کے روح سرشار ہو جاتی تھی۔ زندگی مثبت، خوش کن، خوبصورت اور بہتر لگتی تھی، وہ بھی تو یہاں نہیں ہیں۔ میں ہر اعتبار سے تنہا ہوں۔۔۔ جیسے سب جاننے والوں کے شہر میں، سب اچھے برے لوگوں میں رہتے ہوئے بھی تنہا تھی۔ جب بھی کبھی کسی سے اپنی تکلیف، اپنے دکھ، اپنے اندر کی تنہائی نہیں بانٹی تھی تو اب بھی تو سب ویسا ہی ہے۔۔۔ مگر نہیں، پہلے یہ خوف نہیں تھا جو آج اکیلے ہونے پر محسوس ہو رہا ہے۔۔۔ اب کیا ہو گا؟ کیا مجھے اپنے معاشرتی رسم و رواج سے بغاوت کی قیمت چکانی پڑے گی؟ وہ ایک پل میں نہ جانے کیا کچھ سوچتی چلی گئی۔۔۔

بیل پھر سے بجی۔۔۔ تو گویا بیل بجانے والے پر اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ انٹر کام اس کے ہاتھ میں ہی تھا۔ وہ اپنی سوچوں سے باہر نکل آئی۔۔۔ وہ جھنجھلا کر گرجنے ہی والی تھی کہ اس کے ذہن میں آیا کہ [illegible] عورت ہی ہوئی یا باہر بارش [illegible] ہے اور آواز سے عمر رسیدہ بھی لگ رہی ہے۔۔۔ اگر اس کی مدد نہ کی تو میں نیکی کا موقع گنوا دوں گی۔۔۔ بہت عرصہ ہوا کسی بھوکے کو کھانا کھلائے۔۔۔ پچھلے کچھ مہینوں سے تو مجھے کچھ بھی اچھا کرنے کا موقع نہیں ملا بلکہ بہت سے لوگوں کو ناراض ہی کیا ہے۔۔۔ تین دن پہلے بازار میں اس کے پاس جتنے بچے پیسے مانگنے آتے رہے وہ سب کو کچھ نہ کچھ دیتی رہی یہاں تک کہ سب کھلے پیسے ختم ہو گئے اور واپس آتے ہوئے اس نے ایک دکاندار سے دو سو روپے کا چینج لیا کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اور اس سے مانگنے آئے اور اس کے پاس کسی کو دینے کے لیے کچھ نہ ہو۔۔۔ وہ اپنی کسی ایسی خوبی سے واقف نہ تھی جس سے وہ اپنے ساتھ رہنے والے لوگوں کو کوئی خوشی دے سکی ہو اور نہ ہی ان لوگوں کا ساتھ اسے ہی کبھی خوش کر سکا تھا۔ اس کے سچ سے سب کو ہمیشہ تکلیف ہی پہنچتی تھی۔ یہ حقیقت جان لینے کے بعد اس نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی تھی اور اپنی دل کی بات کسی کے سامنے نہ لاتی تھی۔ اس کی ہر سوالی کی کچھ نہ کچھ مدد کرنے کی عادت سے بھی اس کے ساتھ رہنے والے عاجز تھے۔ چاہے وہ سگنلز پر بھیک مانگنے والے بھکاری ہوں، بھیس بدلے نقلی خواجہ سرا ہوں یا پارکنگز میں موجود چیزیں بیچنے والے ہوں، اسے انہیں دیکھ کر ہمیشہ ترس آتا۔

وہ خدا کا شکر ادا کرتی کہ اللہ نے اسے دولت، صحت، تعلیم، اور معاشرے میں بہتر مقام عطا کیا ہے۔ وہ خود کو ان لوگوں کی جگہ رکھ کر سوچتی تو کانپ اٹھتی اور خدا سے دعا کرتی۔ ”اے میرے اللہ! مجھے ہمیشہ صدقہ و خیرات کرنے کی توفیق دے۔۔۔ سب تیرا ہی دیا ہوا ہے۔۔۔ مجھے اس پیسے اور صحت کے غرور میں کبھی مبتلا نہ کر۔۔۔“

تمہارے دس بیس روپے سے اس بوڑھے نے بڑا امیر ہو جانا ہے نا؟ اس کے سابقہ شوہر کی بات اسے نہ جانے کہاں سے یاد آ گئی؟ پر میرے ان تھوڑے سے پیسوں سے میں نے غریب نہیں ہو جانا! وہ جواب دیتی اور بھکاری کو بھیک بھی۔۔۔ تمہیں پتہ ہے کہ یہ پیٹو ہیں؟ ہم سے زیادہ کماتے ہیں، ایموشنل بلیک میلر ہیں، یہ ایرے غیرے، چالاک لوگ تم جیسے بیوقوفوں کو ٹھگتے ہیں۔۔۔ اس فریبی کے الفاظ سنائی دیے۔۔۔ ایموشنل بلیک میلر تو تم بھی ہو۔۔۔ تمہارا جب کوئی نیا قصہ منظر عام پر آتا ہے تو تم میری ناراضگی کی پرواہ کرنے کی بجائے مجھے یہ کہہ کر روکے رکھتے ہو کہ لوگ صرف تمہارے نام اور سٹیٹس کی وجہ سے میری عزت کرتے ہیں کیونکہ میں تمہاری بیوی ہوں، تم سے الگ ہو کے معاشرے میں میرا کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔۔۔ اور تمہارے افیئرز پہ تم سے سوال کرنے کی بجائے خاموشی سے ایک جگہ پڑی رہوں ورنہ طلاق کا داغ لیے کہاں جاؤں گی؟ تم بھی تو میرے اپنے ہوتے ہوئے ہمیشہ سے مجھے بہت چالاکی کے ساتھ ایموشنلی بلیک میل کرتے آئے ہو، ان غریب غیروں نے بھی کر لیا تو کیا ہوا؟ وہ جواب دیتی۔۔۔

https://www.urdutubes.com/

اس وقت بھی وہ بس یہی سوچ رہی تھی کہ اگر سچ میں کسی کو مدد کی ضرورت ہوئی تو؟ کل کو اگر میرے ساتھ ایسے کوئی حالات پیش آ گئے اور آدھی رات کو مجھے کسی کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا اور میری مدد کو بھی کوئی نہ آ سکا کیونکہ آج میں اپنے خوف کے ہاتھوں مجبور ہو کے کسی کی مدد کرنے کو تیار نہیں ہوں۔۔۔ ایک تو تم سوچتی بہت ہو! اگر تم اس ٹرانس جینڈر کی مدد نہیں کرو گی تو اس کے پاس پیسے کمانے کے اور بہت سے طریقے ہیں، وہ بھوکے نہیں رہتے۔۔۔ اس کا سابقہ شوہر پھر سے اس کے منظر میں تھا۔ اور وہ رات کے ایک فنکشن سے واپسی پر ایک معروف شاہراہ کے سگنل پر رکی گاڑی میں اس کے ساتھ بیٹھی جواب دے رہی تھی۔۔۔ ہم اسے مجبور ہی کیوں کریں وہ ناجائز طریقے اپنانے کے لیے؟ جبکہ سوال کرنا ناجائز نہیں۔۔۔ نہ ان کو روزگار ملتے ہیں نہ ہی عزت۔۔۔ کم سے کم ہم انہیں کچھ نہ کچھ تو دے ہی سکتے ہیں اور وہ دعائیں دیتے، مسکراتے خواجہ سرا کو سو کا نوٹ تھما کہ دل ہی دل میں خود بھی مسکرا اٹھی۔۔۔ اتنے سارے قصے اس ایک پل میں اس پہ وارد ہو گئے تھے۔۔۔ اب خوف پہ اس کے اندر کا احساسِ ہمدردی غالب آئے جا رہا تھا۔ مگر وہ دماغ میں آتی دلیلوں سے غافل نہیں ہوئی تھی۔ کسی سوالی کو خالی ہاتھ نہ لوٹانے کا یہ اصول اسے بھاری بھی پڑ سکتا تھا۔۔۔

اف وہ کیا کرے؟ اسی کشمکش میں تھی کہ اسے لگا کہ دروازے پہ کھڑی وہ عورت شاید جا چکی ہے پر ساتھ ہی اب کی بار دروازہ پہ دستک کی دھیمی مگر صاف آواز سنائی دی۔۔۔ اس کا سوچنا غلط تھا۔ وہ تو باہر موجود تھی۔ بارش میں کھڑی ایک بوڑھی عورت۔۔۔ اس نے کنفرم کرنے کے لیے پھر سے اسے مخاطب کیا۔۔۔ آپ جو کوئی بھی ہیں مہربانی کر کے صبح تشریف لائیے گا۔۔۔

بیٹی! کچھ تو مدد کر دو۔۔۔ تم کہاں ہو تمہاری آواز تو سنائی دے رہی ہے پر تم کسی کھڑکی سے مجھے دکھائی نہیں دے رہی۔۔۔ اس بوڑھی عورت نے حیرت سے پوچھا تو روحی کو لگا کہ وہ یقیناً کوریڈور میں موجود کھڑکیوں کے بلائنڈز نیچے کرنا بھول گئی ہو گی جو کہ مین دروازے کے دائیں اور بائیں موجود تھیں اور جس سے باہر کھڑے ہوئے، دروازے کے پیچھے کا کوریڈور با آسانی دیکھا جا سکتا تھا۔۔۔ اور تبھی وہ عورت اندر جھانک کر کسی کو موجود نہ پا کر حیران ہو رہی تھی کہ روحی کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔۔۔ روحی کو اپنی اس لاپرواہی پر بہت غصہ آیا اور ساتھ ہی اس عورت کی معصومیت اور سادگی پر ترس بھی۔۔۔ اسے بلائنڈز بند کرنے اب ہر حال میں دروازے تک تو جانا ہی تھا۔ وہ اٹھی اور لاؤنج میں قدم رکھتے ہی سب سے پہلے اس نے اپنے کمرے کے باہر لگے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھا کر لائٹ آف کی اور پھر دبے قدموں چلتی دروازے میں بنے چھوٹے سے سیکیورٹی گلاس پہ اپنی ایک آنکھ لگا دی۔۔۔

باہر ایک عورت کو کالی چادر اوڑھے دروازے کے سامنے بیٹھے پایا۔ وہ پوری طرح تو اسے نہیں دیکھ پا رہی تھی مگر کوئی جنگلی لکڑی نما ڈنڈا جو شاید وہ بوڑھی عورت لاٹھی کے طور پر استعمال کرتی ہو گی اور سر پر موجود کالی چادر واضح طور پر دیکھی جا سکتی تھی۔ پھر روحی نے [illegible] جنگل کی طرف [illegible] چاروں اور پھیلا اندھیرا دکھائی دیا۔۔۔ اس نے پھر بھی دائیں بائیں نظریں دوڑائیں کہ کہیں یہ کسی گینگ کا حصہ تو نہیں اور اس کے ساتھی اِدھر اُدھر چھپے نہ بیٹھے ہوں۔۔۔ روحی نے دروازے کے پیچھے کھڑے ہاتھ بڑھا کر دروازے کے ساتھ موجود کھڑکی کے بلائنڈز نیچے کیے اور کوریڈور میں موجود لائٹ بھی آف کر دی۔۔۔ اب گھر کے اندر بالکل اندھیرا تھا اور پھر اس نے ہر کھڑکی کے پاس جا کر بلائنڈز میں سے باہر جھانکا کہ کہیں اور کوئی موجود ہے یا نہیں؟ [illegible] کے بعد وہ واپس اپنے کمرے میں آئی اور دروازہ بند کر کے اپنی الماری کی دراز سے ایک بہت چھوٹی سی ڈبیا نکالی۔ اسے کھولا تو اس میں پاکستانی دو روپے کا ایک سلور سکہ موجود تھا جو اسطرح چمک رہا تھا جیسے ابھی ابھی بن کے تیار ہوا ہو۔۔۔

بہت سے انسانوں کے اپنی ذات سے جڑے کچھ خاص واہمے ہوتے ہیں جو ان کے لیے رازدارانہ انداز میں کام کرتے ہیں۔ جو وہ عام طور پر کسی سے شیئر نہیں کرتے کہ لوگ انکی ان بچکانہ سوچ کا مذاق نہ اڑا سکیں۔۔۔ ایسا ہی ایک بچکانہ سا راز اس سکے سے بھی جڑا تھا۔ روحی کی زندگی میں مخلص دوستوں اور گائیڈز کی کمی رہی تھی اور بوقت ضرورت اسے کبھی لوگوں سے صحیح مشورہ نہیں مل سکا تو وہ اپنے چھوٹے بڑے فیصلوں میں ڈبل مائنڈ ہو جایا کرتی تھی جس کا حل اس نے خود سے اس سکے کی شکل میں نکال لیا تھا۔

ایک دن اس نے اپنی کوئن کولیکشن میں سے دو روپے کا سب سے چمکدار سکہ چنا۔ دو اس کی پیدائش کے لحاظ سے لکی نمبر اور سلور لکی رنگ تھا۔ اس نے سکے کو اپنے انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے ساتھ لگایا اور بولی یا اللہ اگر فلاں چیز میرے لیے اچھی ہے تو مسجد والی سائیڈ آئے اور اگر فلاں چیز میرے حق میں اچھی نہیں تو دوسری سائیڈ آئے اور اللہ کا نام لے کے اس نے وہ سکہ ہوا میں اچھال دیا اور ہتھیلی سے ہوا میں نیچے آتے سکے کو تھام [illegible] کیا۔ کام کا نتیجہ اس کے حق میں اچھا رہا۔۔۔ اور بس اس نے تب سے یہ عادت اپنا لی۔۔۔ اور تب سے آج تک کسی بھی فوری فیصلے میں کنفیوژن کی صورت میں وہ اس سکے کو استعمال کرتی اور شکر الحمدللہ کہہ کر اس سکے کو واپس اس ڈبیا میں محفوظ کر دیتی۔۔۔ زندگی میں دو بار اس نے کچھ اہم کاموں کے شروع کے لیے استخارہ بھی کیا تھا اور تسلی بخش جواب پانے میں کامیاب رہی تھی مگر ان روزمرہ چھوٹی چھوٹی کنفیوژنز کو فوری طور پہ وہ اسی سکے کی مدد سے دور کرتی تھی۔ وہ اسے لکی چارم کی طرح استعمال کرتی تھی۔

روحی نے وہ سکہ اٹھایا اور کہا یا اللہ کیا مجھے اس عورت کے لیے دروازہ کھولنا چاہیے؟ اگر ہاں تو مسجد آئے اور نہ تو دوسری سائیڈ۔۔۔ اور سکہ ہوا میں اچھال کر دونوں ہتھیلیوں سے تھام لیا اور اوپر والا ہاتھ اٹھا کر سکے کا رخ دیکھا۔۔۔ مسجد اس کے سامنے تھی۔۔۔ اس نے ایک لمحے کی بھی تاخیر کیے بنا سکہ واپس رکھا اور تیز تیز قدم اٹھاتی فریج کی طرف لپکی۔۔۔ چکن تکوں کی آخری پلیٹ جو اس نے کل کے لیے سنبھال رکھی تھی، ڈی فراسٹ کی اور دروازے کی طرف لپکی۔ باہر وہ عورت اسی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی، اور بارش مسلسل برس رہی تھی۔ روحی نے احتیاط کے ساتھ صرف اتنا دروازہ کھولا جس میں سے پلیٹ باہر جا سکے۔۔۔ پر جیسے ہی اس نے ہاتھ باہر نکالا ! طوفانی بارش کی بوچھاڑ تیز ہوا کے ساتھ اس پہ اس زور سے پڑی کہ وہ ایک ہی پل میں بھیگ گئی۔ اس نے گھبرا کے پلیٹ سمیت ہاتھ واپس کھینچ لیا اور دوسرے ہاتھ سے اپنے کپڑوں پر سے بارش کا پانی جھاڑنے لگی اسے اندازہ نہیں تھا کہ بارش کا رخ اس کے گھر کی طرف ہے۔ اوہ ! وہ عورت تو کب سے باہر بیٹھی ہے۔۔۔ وہ تو مکمل بھیگ چکی ہو گی۔۔۔ باہر تو میدانی علاقوں کے موسم سرما جیسی کپکپاتی ٹھنڈ ہے۔۔۔ تو کیا اسے اندر بلا لوں؟ کوئی فراڈ ہوئی تو؟ اس کے پاس کوئی ریوالور ہوا تو؟ وہ ماتھے پہ ہاتھ رکھے صورتحال پہ غور کرنے لگی اور پھر سوچا کہ اس کے لیے دروازہ کھولنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تو انشاءاللہ اسے گھر کے اندر بلانے میں بھی کوئی مذائقہ نہیں۔۔۔ یا اللہ میری حفاظت کرنا۔۔۔ اس نے آدھا دروازہ کھولا کہ کسی ان چاہی صورتحال کے پیشِ نظر اسے دروازہ اچانک بند کرنا پڑے تو اسے دیر نہ لگے اور اب کی بار بارش سے بچنے کے لیے خود وہ دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو کر اس سے مخاطب ہوئی۔۔۔

"السلام علیکم ! اماں جی ! اندر آ جائیں۔۔۔" اور اس عورت نے سر اٹھا کے روحی کی طرف دیکھا۔۔۔ بہت بڑی بڑی اور چمکدار آنکھیں تھیں اس کی۔۔۔

روحی خوف سے جھنجھلا اٹھی۔۔۔ جی میں آیا کہ فوراً دروازہ بند کرے اور بھاگ کے کمرے میں چھپ جائے پر جیسے اس کے پیر منوں بھاری ہو گئے تھے اور ہاتھ حرکت سے معذور۔۔۔ اتنے میں اس عورت کے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

خشک نیلے پڑتے ہونٹوں نے حرکت کی۔۔۔اندر؟ اس کی آنکھیں جتنی بڑی اور خوفناک تھیں اس کی آواز اتنی ہی دھیمی اور شائستہ تھی۔۔۔اس کے سوالیہ لہجے میں بے پناہ حیرت تھی۔۔۔جیسے اس نے اندر بلائے جانے کی توقع ہی نہ کی ہو۔۔۔نہ جانے اس کے نرم اور معصوم انداز میں کیا تھا کہ روحی کا خوف پل میں ہوا ہو گیا اور پھر سے اس کے دل میں انسانی ہمدردی کے جذبات امڈ آئے۔۔۔وہ بولی، جی! باہر بہت تیز بارش اور ٹھنڈ ہے۔۔۔اس بوڑھی عورت کی بڑی بڑی چمکدار آنکھیں جھپکیں اور پیشانی کی لکیروں میں اور اضافہ ہو گیا۔۔۔جیسے وہ کسی تذبذب کا شکار ہو۔۔۔اس نے نظریں اٹھائیں اور پھر پوچھا۔۔۔کیا میں واقعی اندر آ جاں؟ جی اماں جی! جلدی سے آئیں اور روحی نے اس کی مدد کو ہاتھ آگے بڑھایا۔۔۔پر بوڑھی عورت نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔۔۔

روحی کی نظر اس کے غیر معمولی لمبے ہاتھ پہ پڑی۔۔۔اور وہ فرمانبردار انداز میں پیچھے ہٹتی چلی گئی۔۔۔اور نہ جانے کب اور کیسے دروازہ بھی پورا کھول دیا۔۔۔اسے کچھ خبر نہ ہوئی وہ عورت کب کی اٹھ کے اندر آ چکی تھی۔ وہ تو بارش سے بھرے تیز ہوا کے تھپیڑے نے اسے ہوش میں لانے کا کام کیا اور وہ جیسے کسی نیند سے جاگی۔۔۔اور باہر اس بوڑھی عورت کو دیکھنے لگی۔۔۔تبھی اس کے عقب سے آواز آئی۔۔۔میں یہاں ہوں۔۔۔

اور روحی اچانک اس آواز پر ڈر کے پلٹی۔۔۔وہ عورت کوریڈور میں موجود تھی۔۔۔روحی نے اپنے ذہن پہ زور دیتے ہوئے دروازہ بند کیا۔۔۔اسے اس عورت کے اندر آنے کا لمحہ کسی طور یاد نہ آیا۔ سب کچھ اتنا آناً فاناً ہوا کہ اسے کچھ سمجھ ہی نہ آیا۔ وہ دروازہ لاک کر کے پلٹی تو بوڑھی عورت لاؤنج کی طرف رخ کیے کھڑی تھی۔ روحی نے کوریڈور کی لائٹ آن کی۔ تب پہلی بار روحی نے غور کیا کہ وہ بوڑھی عورت قد میں بہت چھوٹی تھی۔ شاید چار فٹ کے آس پاس اور کچھ اس کے بڑھاپے سے جھکی اس کی کمر نے اسے مزید پست قامت بنا دیا تھا۔

ایک اور بات جو غور طلب تھی وہ یہ کہ اس عورت کے لمبے کالے کپڑے پورے خشک تھے جب کہ وہ کتنی دیر سے باہر بارش میں بیٹھی ہوئی تھی اور نہ جانے کتنی دور سے اس تیز موسلا دھار بارش میں چلتی ہوئی بھی آئی ہو گی۔۔۔

روحی نے ایک نظر اپنے کپڑوں پر ڈالی جو کچھ سیکنڈز میں ہی کافی بھیگ چکے تھے تو بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ اس بوڑھی عورت کے کپڑوں سے پانی کی ایک بوند نہیں ٹپکی؟ روحی نے سوچا کہ کوریڈور میں تو ضرور کیچ ہو رہی ہو گی اور اس کی نظریں فرش کا جائزہ لینے لگیں۔۔۔وہ بوڑھی عورت روحی سے کوئی دس بارہ قدم آگے تھی پر یہاں سے وہاں تک پانی کی ایک بوند نہیں تھی۔ اس کی نظر عورت کے سر سے پیر تک لمبے کالے چوغے پر پڑی جس میں سے اس کے پیروں کی ایڑیاں جھانک رہی تھیں۔۔۔وہ ننگے پیر تھی۔۔۔یہ انکشاف روحی کو مزید حیران کر گیا۔۔۔لیکن گیلے پیروں کے نشان بھی کہیں نہیں تھے۔۔۔[illegible] ذرا پیچھے رک کر پلٹی اور اپنے جوتوں کے نشان دیکھنے لگی جو دروازے سے اندر آتی بارش سے گیلے ہو گئے تھے۔ پر یہ معمہ حل نہ کر سکی کہ اس کے گیلے جوتوں کے نشان تو زمین پر دیکھے جا سکتے ہیں پر وہیں اس بوڑھی عورت کے گیلے پیروں کے کیوں نہیں؟ اس طرف آ جائیں۔۔۔ اس نے لاؤنج میں آتے ہی ہاتھ میں پکڑی پلیٹ سینٹر ٹیبل پر رکھی اور سب لائٹس پھر سے آن کر کے اس سے مخاطب ہوئی۔۔۔

سردی بہت ہے آپ بیٹھیں میں آگ جلاتی ہوں۔۔۔نہیں مجھے سردی نہیں بھوک لگی ہے۔۔۔وہ عورت اپنی چمکدار آنکھوں کو روحی کے چہرے پہ گاڑے نرم سے لہجے میں بولی۔۔۔اوہ! معاف کیجئے گا، اس نے وہ پلیٹ اٹھائی اور اس بوڑھی عورت کو تھما دی اور خود آگ جلانے لگی۔ وہ بوڑھی عورت جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ کر جلدی جلدی نگٹس کھانے لگی اور ایک سے ڈیڑھ

منٹ میں ہی پوری پلیٹ خالی کر دی۔ ان نگٹس کی تعداد اتنی تھی کہ جسے ختم کرنے کے لیے روحی کو انہیں دو وقت لنچ اور ڈنر میں تقسیم کرنا پڑتا تو ختم ہوتے۔ پہلے تو روحی حیران ہوئی، پھر سوچا! یہ غریب نہ جانے کب سے بھوکی ہو گی؟ کہ اس کے کانوں میں پھر سے وہی ملائم سی آواز گونجی۔۔۔کھانے کو کچھ ہے؟

روحی نے مزید حیرت سے اسے دیکھا اور کچن کی جانب پلٹ گئی۔۔۔فریج کھول کے آخری آٹھ دس اسٹرابیریز کو دیکھا جو اس نے صبح کے ناشتے کے لیے رکھ چھوڑی تھیں۔۔۔اس نے وہ باکس نکالا اور لاؤنج میں آ کر اس بوڑھی عورت کو تھما دیا۔ اس نے جھٹ سے روحی کے ہاتھ سے وہ ڈسپوزیبل باکس پکڑا اور جلدی جلدی اسٹرابیریز کھانے لگی۔۔۔اور کچھ ہی سیکنڈز میں ختم کر کے اپنی چمکدار آنکھوں کو روحی کی طرف اٹھاتے ہوئے پھر سے بولی۔۔۔کھانے کو کچھ ہے؟

روحی بنا کچھ بولے حیرت میں غرق واپس پلٹی۔۔۔اس کے پاس مشروم کا ایک واحد اور آخری کین تھا جو اس نے یہ سوچ کر کیبنٹ میں رکھا ہوا تھا کہ [illegible] مشروم آملیٹ، کریم آف مشروم سوپ یا کوئی بھی مشروم ڈش بنائے گی کہ یہ اس کی پسندیدہ سبزی تھی مگر ابھی تو اس نے دودھ، انڈے، بریڈ، مصالحہ جات یا کسی بھی قسم کی کوئی بھی گروسری نہیں کی تھی۔ وہ دو تین دن سے بھی نگٹس، اسٹرابیریز اور تھری ان ون کافی کے پیکٹس پر ہی گزارا کر رہی تھی۔

اس نے کین اوپنر نکالا اور کین کھولنے لگی۔۔۔ ایسے کیسے کھائیں گی؟ کوکنگ آئل، نمک، مرچ کچھ بھی نہیں کہ انہیں ایسے ہی پکا دوں۔۔۔وہ پلٹی اور بولی اماں جی! کھانے کے لیے میرے پاس ان مشروم کے سوا اور کچھ نہیں مگر یہ کچے ہیں انہیں ابال تو دوں پر یوں خالی ابلے مشروم۔۔۔ابھی اس کی بات ادھوری تھی کہ وہ بوڑھی عورت اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے اپنا ہاتھ بڑھائے بول پڑی۔۔۔بس! دے دو۔۔۔جی؟

روحی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔۔۔اس نے پھر سے کین کھولنا شروع کر دیا اور ایک پیالے میں سارا کین انڈیل دیا۔۔۔اور واپس آ کے جھجکتے ہوئے، کشمکش کے عالم میں پیالہ اس کے سامنے کر دیا۔۔۔بوڑھی عورت تیسری بار پھر سے کھانے میں مصروف ہو گئی۔۔۔روحی حیرت سے اسے کچے مشروم کھاتے دیکھنے لگی۔۔۔اف! کیا یہ بیچاری اس قدر بھوکی ہے کہ اسے کچے پکے کھانے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا؟ ایک منٹ کے اندر اندر تمام مشروم ختم کر کے وہ جیسے ہی روحی کی طرف متوجہ ہوئی۔

روحی بول اٹھی۔۔۔اماں جی یقین جانیئے! کھانے کے لیے میرے پاس یہ آخری شے تھی۔۔۔اب صرف میرے پاس کافی بچی ہے۔۔۔

کافی؟ بوڑھی عورت نے بمشکل لفظ دہرایا۔۔۔

جی! کافی۔۔۔مگر اسے کھا نہیں سکتے۔۔۔اسے پیتے ہیں۔۔۔روحی اس کی لاعلمی کو سمجھتے ہوئے اسے وضاحت دینے لگی۔ وہ بوڑھی عورت یہ سن خاموش ہو گئی کہ اب کھانے کے لیے کچھ نہیں ہے، پینے کے لیے ہے۔ اور شاید وہ کچھ پینے کے موڈ میں نہیں تھی۔ روحی نے اس کی اداسی بھانپتے ہوئے کہا، آپ پی کے دیکھیں! ونیلا فلیور ہے۔۔۔آپ کو ان شاء اللہ اچھی لگے گی۔۔۔بہت ڈھونڈنا پڑتا ہے مجھے یہ فلیور! اکثر آؤٹ آف اسٹاک رہتا ہے۔۔۔آپ لکی ہیں کہ میرے پاس آخری دو ساشے بچے ہیں۔۔۔وہ لاؤنج سے منسلک اسٹوڈیو کچن کی جانب پلٹتے اور کافی کا باکس نکالتے ہوئے اپنے ہی دھیان میں بولتی چلی گئی۔۔۔اس بات سے بے خبر کہ اس بوڑھی عورت کو اس کی باتیں سمجھ آ بھی رہی ہیں یا نہیں؟ جب اسے یہ احساس ہوا کہ اس بوڑھی عورت کو اس کی باتیں سمجھنے میں مشکل ہو رہی ہیں اور اس کی خوفناک نگاہیں اب کسی قدر حیرانگی سے اسے ایک ٹک تکے جا رہی ہیں تو وہ بات کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئی۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

بوڑھی عورت کی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ اس کے سامنے سے ہٹ گئی اور کافی بنانے میں مصروف ہوگئی۔۔۔ کچھ ہی دیر میں وہ ہاتھ میں دو مگ لیے اس کے پاس آئی۔۔۔ یہ لیجیے ! گرما گرم انسٹنٹ کافی ! ونیلا فلیور۔۔۔ اور بوڑھی عورت کی چمکدار آنکھوں میں پھر سے حیرت دیکھ کر ذرا پل کو رکی اور بولی، مطلب۔۔۔ چلیں چھوڑیں۔۔۔ جانے دیں ! سردی بہت ہے۔۔۔ بس اسے پی لیں، شاید سردی کا اثر تھوڑا زائل ہوجائے۔۔۔ اس نے ایک مگ بوڑھی عورت کو پکڑا دیا اور دوسرا مگ ہاتھ میں لیے اس کے سامنے پڑے صوفے پہ بیٹھ گئی۔ اس نے دیکھا کہ اس بوڑھی کے ہاتھوں کی انگلیوں کی لمبائی کسی صورت اس کی جسامت سے میل نہیں کھاتی۔۔۔ ابھی وہ اس بات پر غور کر ہی رہی تھی کہ بوڑھی عورت نے ساری کافی غٹاغٹ ایک ہی سانس میں پی ڈالی۔

اتنی گرم کافی۔۔۔ کیسے؟ اس نے اپنے مگ کو ہینڈل سے پکڑ رکھا تھا اور یہ دیکھنے کے لیے کہ کہیں اس سے ہی کافی ٹھنڈی تو نہیں بنی؟ اس نے دوسرے ہاتھ سے مگ کو چھوا اور گرماہٹ کو محسوس کرتے ہی ہاتھ کھینچ لیا۔۔۔ اس عورت کو نہ تو سردی لگتی ہے نہ ہی کوئی گرم چیز اس پر اثر کرتی ہے۔۔۔ یہ کوئی نارمل بات نہیں۔۔۔ آخر یہ ہے کون؟ اور روحی کو پھر سے خوف نے آ گھیرا۔۔۔

بوڑھی عورت نے اپنی کافی ختم کرتے ہی روحی کے مگ کی طرف دیکھا۔۔۔

اف ! کچھ تو ہے اس کی ان غیر معمولی بڑی بڑی آنکھوں میں۔۔۔ روحی نے اپنا مگ اس کی طرف بڑھا دیا اور توقع کے مطابق بوڑھی عورت اسے بھی ایک ہی سانس میں پی گئی۔ اس بوڑھی عورت نے روحی کو ایک مستقل حیرت میں ڈال رکھا تھا۔۔۔ روحی نے دونوں مگ میز پر رکھے اور سہمے ہوئے انداز سے اس کا جائزہ لینے لگی۔

روحی نے خود پر طاری خوف سے دھیان بٹانے کے لیے اس بوڑھی عورت سے بات چیت کرنے کا ارادہ کیا۔۔۔ یوں تو وہ چاہ رہی تھی کہ وہ چلی جائے مگر خود سے اسے یہ بات کہنا مناسب نہ لگا۔ یوں بھی باہر بارش، ٹھنڈ اور اندھیرا تھا۔ یہ بوڑھی عورت رات کے اس پہر کہاں بھٹکتی پھرے گی؟ نہیں! یہ نہایت غیر مناسب بات ہے۔ اس نے اگر جانے کا ارادہ بھی کیا تو میں صبح تک اسے یہیں رکنے کو کہہ دوں گی۔۔۔ اس نے محسوس کیا کہ بوڑھی عورت اسے بنا پلک جھپکائے دیکھے جارہی ہے۔۔۔

اف! اس کی نظریں! کتنی خوفناک ہیں۔۔۔

روحی نے ایک بار پھر سے اپنے اعصاب سمیٹے اور بولی۔۔۔ آپ کی بھوک کچھ کم ہوئی؟

تم یہاں اکیلی رہتی ہو؟ بوڑھی عورت نے جواب کی جگہ سوال کر دیا۔۔۔ روحی اس سوال کا جواب سچ میں نہیں دینا چاہتی تھی اور جھوٹ بولنا بھی اس کے اصولوں کے خلاف تھا پر مصلحتاً تو بول ہی سکتی تھی۔۔۔ جی میں آیا کہ کوئی جھوٹی کہانی گھڑ کے سنا دے کہ، شوہر کسی بھی وقت لوٹنے والا ہے یا اندر دوسرے کمروں میں میرے خاندان والے سو رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔۔۔ پر اس کی زبان سے کوئی جھوٹ نکل ہی نہیں پا رہا تھا۔ اسے لگا کہ وہ جھوٹ بولے گی تو پکڑی جائے گی۔ صاف لگے گا کہ وہ بہانہ بنا رہی ہے۔۔۔ اور اگر سچ بولا تو کہیں وہ کسی مشکل میں نہ پھنس جائے۔۔۔ آخر کو وہ نہیں جانتی تھی اس عورت کو ! کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا کسی گینگ کا حصہ ہے یا سچ میں کوئی مصیبت کی ماری ہے؟ روحی کو جواب دینے میں وقت لگ رہا تھا۔ اس نے بوڑھی عورت کی طرف دیکھا۔۔۔ اف !اف !اس کے وجود کے اندر اترتی وہ خوفناک نگاہیں !! پر اس کے ہونٹوں پہ روحی نے ہلکی سی مسکراہٹ محسوس کی۔۔۔ روحی کو لگا جیسے اس عورت نے اس کے دماغ میں چل رہی سب باتیں سن لی ہیں اور اسے جواب مل گیا ہے۔۔۔ روحی اس احساس سے اور بھی خوفزدہ ہو گئی۔۔۔ مگر اسے اس بات کا جیسے یقین سا ہو گیا تھا کہ اب اسے بوڑھی عورت کو جواب دینے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔۔۔ جیسے وہ سچ جان گئی ہے۔۔۔ یہ بات اس کے لیے خطرناک بھی ثابت ہو سکتی تھی۔۔۔ پر چلو شکر ہے کہ اسے جھوٹ نہیں بولنا پڑا۔۔۔ پر اب کیا ہو گا؟ وہ اس بوڑھی عورت کے ارادوں سے بے خبر تھی۔

آپ یہیں کہیں آس پاس کے پہاڑوں پہ رہتی ہیں؟ روحی نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا سوچا۔۔۔ نہیں ! بہت دور سے آئی ہوں۔۔۔ اس نے گھورتی نظروں کے ساتھ میٹھے لہجے میں جواب دیا۔ اکیلی؟ روحی نے پوچھا۔۔۔ ہاں ! بالکل اکیلی۔۔۔ وہ بنا پلکیں جھپکائے بولی۔۔۔ کسی سے ملنے آئی تھیں؟ روحی کا اگلا سوال۔۔۔ ہاں ! ملنے آئی تھی، اس کا مختصر جواب آیا۔۔۔ مل لیا؟ واپس جا رہی تھیں؟ روحی نے ایک اور سوال کیا۔۔۔ ہاں ! مل لیا، واپس بھی چلی ہی جاؤں گی۔۔۔ اس نے عجیب سے انداز میں روحی کو جواب دیا۔۔۔

روحی گھبرا گئی۔ بوڑھی عورت بےحد پراسرار تھی [illegible] تھی۔۔۔ روحی کو اسے مزید کریدنا بیکار لگا۔۔۔ وہ کیا تھا؟ جو ابھی۔۔۔؟؟؟ بوڑھی عورت نے خالی مگ کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ اوہ ! اچھی لگی آپ کو؟ اس نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا۔ بوڑھی عورت نے ہاں میں سر ہلایا پر پلکیں ابھی بھی نہیں جھپکیں۔

اسے ونیلا کافی کہتے ہیں۔۔۔ ونیلا؟ عورت نے لفظ دوہرانے کی کوشش کی۔۔۔ جی ! ونیلا ایک پودے کا نام ہے۔ اس پہ سفید رنگ کے پھول اور سبز مطلب ہری ہری پھلیاں اگتی ہیں جن کو توڑ کے، سکھا کے، ان کا سارا ذائقہ محفوظ کر لیا جاتا ہے اور پھر آپ اسے جس طرح مرضی کھانے اور پینے میں استعمال کر سکتے ہیں۔۔۔ روحی نے آسان لفظوں میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔۔۔

تمہیں پسند ہے؟ اب کی بار بھی سوال بوڑھی عورت نے کیا۔۔۔

کیا؟ ونیلا؟ یا کافی؟

بوڑھی عورت نے ہاں میں سر ہلایا۔۔۔ جی ! مجھے دونوں ہی بہت پسند ہیں۔۔۔ دراصل مجھے اصلی ونیلا اسٹکس ! میرا مطلب ہے کہ خشک کی ہوئی پھلیاں پسند ہیں کیونکہ اس میں سے آپ خالص ونیلا سیڈز۔۔۔ یعنی باریک باریک کالے بیج نکال سکتے ہیں جس کی خوشبو اور ذائقہ سب سے بہتر ہوتا ہے۔۔۔ پر یہاں نہیں ملتا۔۔۔ ایک بار میں کسی دوسرے ملک سے لائی تھی بہت سال پہلے۔۔۔ روحی بولتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔۔۔ اسے محسوس ہوا کہ بوڑھی عورت زیرِ لب مسکرا رہی ہے یا پھر اس کے ہونٹوں کی بناوٹ ہی ایسی ہے۔۔۔ کہ اتنے میں دیوار کے ساتھ کھڑی لکڑی کی شاخ نما چھڑی گر پڑی۔۔۔ روحی بولتے بولتے رک گئی اور بوڑھی عورت اس چھڑی کو اپنے پاس کھسکانے کے لیے آگے کو ہوئی تو اس کے ننگے پاؤں دیکھ کر روحی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اور جب واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں گرم جرابیں تھیں۔ جسے اس نے عورت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا، یہ پہن لیں ! بہت ٹھنڈ ہے۔۔۔ آپ کو کوئی جوتے؟

نہیں مجھے سردی نہیں لگتی۔۔۔ کچھ نہیں چاہیے۔۔۔ اس نے پھر سے روحی کی بات مکمل ہونے سے پہلے جواب دے دیا۔۔۔

تو روحی اس کے پیروں کی طرف بےچارگی اور حیرت سے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی کہ یہ عورت کیسے بنا جوتوں کے پھر رہی ہے؟ وہ بھی اتنی ٹھنڈ میں اور اتنے مشکل راستوں پہ؟ روحی نے محسوس کیا کہ بوڑھی عورت کے پیروں میں کوئی ڈس آرڈر بھی تھا۔ شاید پاؤں کی انگلیوں میں کچھ ردوبدل تھا۔۔۔ ابھی وہ اس بات پر غور کر رہی تھی کہ پیروں کی لمبائی نے اسے مزید حیران کر دیا۔۔۔ اس کے پیر بھی اس کے ہاتھوں کی لمبائی کی طرح حیرت انگیز طور پر لمبے تھے۔۔۔ اس نے خوف سے جھرجھری لی اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

پورے وجود پہ غور کرنے لگی۔۔۔ اتنی دیر میں بوڑھی عورت اپنی چھتری اپنے پاس زمین پر ہی لٹا چکی تھی۔۔۔ اب وہ صوفے پہ بیٹھی روحی کو دوبارہ دیکھنے لگ گئی تھی۔۔۔ انہیں خوفناک نگاہوں سے۔۔۔ بنا پلک جھپکائے۔۔۔ اس کی غیر معمولی بڑی بڑی آنکھیں اور پھر اس کے یہ لمبے لمبے ہاتھ، پیر۔۔۔ بوڑھی عورت کا دھیما اور شائستہ لہجہ بھی اس کے عجیب و غریب وجود کی دہشت کو کم نہیں کر پایا تھا۔ روحی سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ وہ اس کی نظروں سے کیسے محفوظ رہے؟ کہ ایک دم لائٹ چلی گئی۔۔۔

اور روحی کو اپنی تیز دھڑکن کو قابو کرنا مشکل ہو گیا۔ وہ تو انگیٹھی میں آگ جل رہی تھی تو اتنی روشنی تھی کہ کمرے کا منظر دیکھا جا سکے۔۔۔ اس نے سوچا شکر ہے! شاید اسی طرح اس بوڑھی عورت کا وجود کچھ تو غیر واضح ہو سکے گا۔۔۔ مگر اس کی یہ سوچ غلط تھی اس بوڑھی عورت کی آنکھیں تو اندھیرے میں اور بھی زیادہ چمکنے لگی تھیں۔۔۔ روحی نے اپنی نگاہیں انگیٹھی میں جلتی آگ کی طرف پھیر دیں اور دل ہی دل میں دعا کرنے لگی کہ جلد از جلد صبح ہو جائے اور اس خوفناک رات سے نجات ملے جس کے خوف کو وہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود کم نہیں کر پائی تھی۔ باتیں کر کے ماحول کے بھاری پن کو کم کرنے کی کوشش کرتی تو اس بوڑھی عورت کی غیر معمولی اور خوفناک نظروں کا سامنا کرنا پڑتا جو اسے اپنی روح میں اترتی محسوس ہوتیں اور اس کا خون خشک کر دیتیں۔۔۔ حالانکہ ابھی تک اس بوڑھی عورت نے اسے کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچایا تھا اور نہ ہی اسے اپنے کسی عمل سے ڈرانے کی کوشش کی تھی پر اس کا بنا پلک جھپکائے روحی کو مسلسل دیکھتے رہنا ہی روحی کی جان پہ بنائے ہوئے تھا۔

پھر کہیں دور سے دھیمی سی آذان کی آواز سنائی دی۔ روحی نے وقت دیکھا۔۔۔ ابھی فجر ہونے میں کافی وقت تھا تو پھر یہ آذان کیسی تھی؟

بوڑھی عورت ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی صبح ہونے والی ہے۔۔۔ نہیں اماں جی! ابھی بہت دیر ہے۔۔۔ ابھی تو فجر بھی نہیں ہوئی۔۔۔ کچھ مساجد میں تہجد کی آذان بھی ہوتی ہے۔۔۔ یہ لازمی تہجد کی آذان ہی ہوگی۔۔۔ روحی نے توجیہہ پیش کی۔۔۔

میں چلتی ہوں۔۔۔ وہ اس کی بات ان سنی کر کے بولی۔۔۔ تو روحی نے کہا، ابھی تو بارش بھی نہیں رکی اور باہر اندھیرا ابھی ہے۔۔۔ پہاڑی راستہ، پھسلن، اور کافی ٹھنڈ بھی ہے۔۔۔ روشنی ہونے کا انتظار کر لیں۔۔۔ بوڑھی عورت کی وجہ سے گھر میں پہلے خوف کے باوجود روحی کے اندر کی انسانی ہمدردی کسی طور چپ رہنے کا نام نہ لیتی تھی۔۔۔ جبکہ وہ تو خود بھی کب سے اس کے چلے جانے کی منتظر تھی مگر اس خراب موسم اور رات کے اندھیرے میں اسے باہر نکال دینا بھی انسانیت کے خلاف تھا۔۔۔ اس کے اندر چلتی کشمکش میں اس کی مثبت سوچ اس کے منفی خیالات پر ہمیشہ حاوی رہتی تھی۔۔۔ اور اس بار بھی یہی ہوا۔۔۔ ایک پل کو اس نے سوچا بھی کہ کہیں اس کی ضرورت سے زیادہ اچھائی اسے [illegible] خیال کو فوراً ہی جھٹک دیا۔۔۔ انشاء اللہ خیر ہی ہوگی۔۔۔ اس کا ضمیر اسے تسلی دینے لگا۔۔۔

بارش رک گئی ہے۔۔۔ بوڑھی عورت نے اپنے لمبے ہاتھ کی لمبی سی انگلی سے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔۔۔ اور روحی نے ابھی چند سیکنڈ پہلے آتی بارش کی آواز پہ غور کیا جو کہ اب نہیں آ رہی تھی۔۔۔ ارے! ابھی تو بارش کے شور میں آذان کی آواز بھی دھیمے سنائی دے رہی تھی جو کہ اب قدرے واضح ہو گئی تھی۔۔۔ اور ان آخری واضح کلمات کے ساتھ ہی بوڑھی عورت دروازے کی طرف چل دی۔۔۔ روحی نے بنا مزید اسرار کیے دروازہ ان لاک کر دیا۔۔۔ اور پھر ہینڈل پہ ہاتھ رکھ کے دروازہ کھول دیا۔۔۔ باہر گھپ اندھیرا، خنکی اور مکمل خاموشی تھی۔۔۔ وہ عورت باہر قدم رکھنے سے پہلے ذرا سا مڑی اور روحی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زیر لب بہت ہلکا سا مسکراتے ہوئے اپنے مخصوص نرم لہجے میں بولی۔۔۔ "اور مجھے اندھیرے سے ڈر نہیں لگتا، نہ ٹھنڈ لگتی ہے۔۔۔ اور پھر قدرے قریب ہو کر وقفے سے بہت سنجیدہ لہجے میں بولی۔۔۔ صرف بھوک لگتی ہے۔۔۔"

اور یہ بات اس نے کچھ اس انداز میں کہی کہ روحی کے ہاتھ پاؤں ایک بار پھر سے جواب دے گئے۔۔۔ اور وہ بت بنی وہیں کھڑی رہی۔۔۔ یہاں تک کہ اسے کچھ پتا نہ چلا کہ وہ بوڑھی عورت کب پلٹی؟ کب قدم باہر نکالا؟ اور کب نظروں سے اوجھل ہو گئی؟ اور اچانک ایک بار پھر سے بارش نے شور مچانا شروع کر دیا تو روحی چونکی! بوڑھی عورت کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس نے جھٹ سے دروازہ لاک کیا دروازہ بند ہوتے ہی پورا گھر یکدم روشن ہو گیا۔ بجلی آ چکی تھی۔ اس نے فالتو لائٹس آف کرنے کے لیے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر خوف نے اسے یہ ارادہ ملتوی کرنے پہ مجبور کر دیا۔ وہ کوریڈور اور لاؤنج کی تمام لائٹس آن ہی چھوڑ کے اپنے کمرے میں آ کر بستر میں دبک گئی۔ وہ روشنی سے اپنے ڈر کی شدت کو کم کرنا چاہتی تھی۔۔۔ اس نے [illegible] بوڑھی عورت کی خوفناک نظریں تھیں کہ اس کے خیالوں سے نکل ہی نہیں رہی تھیں۔۔۔ وہ لیٹے ہوئے پورے قصے کی ایک ایک تفصیل پر غور کرتی رہی، یہاں تک کہ فجر کی آذانیں شروع ہو گئیں وہ اٹھی، وضو کیا، نماز ادا کی اور کچھ دیر قرآن کی تلاوت کی۔۔۔ خوف ختم ہو گیا تھا اور اب وہ بہتر محسوس کر رہی تھی سو بستر میں گھس گئی۔۔۔ اس کا دماغ تھک گیا اور نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔۔۔

صبح دیر تک سوتی رہی، وہ تو ڈور بیل کی مسلسل آواز نے اسے اٹھا دیا۔۔۔ وال کلاک پر نظر پڑی۔۔۔ گیارہ بج رہے تھے۔۔۔ اوہ! ضرور ٹیکنیشنز ہوں گے۔۔۔ وہ دروازے کی طرف تقریباً دوڑی۔۔۔

سیکیورٹی کیمراز لگائے جا رہے تھے۔ یو پی ایس کی وائرنگ ہو رہی تھی۔ اسے بھوک ستانے لگی۔۔۔ وہ فریج کی طرف بڑھی کہ اسٹرابیریز کھا سکے۔۔۔ دروازہ کھولتے ہی اسے یاد آیا کہ اسٹرابیریز تو ختم ہو چکی ہیں اور اس نے ادھ کھلے دروازے کو بند کر دیا۔ رات والا قصہ جو اس کے ذہن سے بالکل ماؤف ہو چکا تھا، ایک دم سے تازہ ہو گیا۔ وہ واپس پلٹتے ہوئے دوبارہ فریج کی طرف مڑی اور جلدی سے فریج کھولا کیونکہ اسے لگا تھا کہ۔۔۔ اور اسے صحیح لگا تھا۔۔۔ وہاں سچ میں تازہ تازہ گہری سرخ اسٹرابیریز کے دو بڑے بڑے ٹرانسپیرنٹ پیکٹس پڑے تھے۔۔۔ اسے اپنی آنکھوں پہ یقین نہ آیا۔۔۔ یہ تو اس نے نہیں خریدے تھے۔۔۔ ٹیکنیشنز میں سے بھی کوئی ابھی کچن کی طرف نہیں آیا تھا۔۔۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا، بھلا یہ کسطرح ممکن ہے؟

رات وہ آخری اسٹرابیریز تھیں جو اس نے بوڑھی عورت کو کھلا دی تھیں۔ کہیں رات اس نے کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ نہیں! وہ کوئی خواب نہیں تھا۔ صبح جب وہ دروازہ کھولنے کے لیے اٹھی، تو پورے گھر کی لائٹس اسی طرح جل رہی تھیں جیسے اس نے رات جلتی چھوڑ دی تھیں۔ اس نے فریز کیے ہوئے تِکّوں کو دیکھنے کے لیے فریزر کھولا۔۔۔ وہاں بھی ان آخری تِکّوں کے ایک باکس کی بجائے تِکّوں کے دو باکسز پڑے تھے۔۔۔ اس نے ایک کیبنٹ کھولا جہاں وہ کافی کے ساشے کا پورا پیک رکھتی تھی۔ وہاں وہ پیک نہیں تھا۔۔۔ بلکہ ٹھیک اسی جگہ شیشے کے دو عدد خوبصورت سے جار رکھے تھے جن میں کسی بران پاؤڈر اور سفید پاؤڈر کے ملے جلے ذرات دیکھے جا سکتے تھے۔۔۔

روحی نے حیرت سے ایک جار کو اٹھایا۔۔۔ اس کا ڈھکن کھولا۔۔۔ تو کافی کی بہت سٹرونگ اور زبردست سی خوشبو آئی۔۔۔ اس نے جار کو پاس لا کے سونگھا۔۔۔ وہ یقیناً کافی تھی۔۔۔ جس میں وہ سفید ذرات شاید کافی وائٹنر اور کاسٹر شوگر کے تھے۔۔۔ مگر ان دونوں طرح کے سفید ذرات کے کافی میں شامل ہونے کے باوجود اس کافی کی خوشبو اتنی تیز تھی جتنی اکیلی کافی کے جار کو کھول کے بھی نہیں آتی۔۔۔ اور اتنی تازہ

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

تھی جیسے ابھی ابھی پیس کر اس جار میں ڈالی گئی ہو۔۔۔ اس نے دوسرے جار کو اٹھا کر اس کا ڈھکن کھول کر اس کا بھی جائزہ لیا۔۔۔ وہ دونوں جار تازہ تازہ باریک ترین پسی ہوئی کافی سے بھرے ہوئے تھے۔۔۔

روحی نے حیرت کے عالم میں ڈھکن بند کر دیے اور انہیں واپس رکھنے لگی۔۔۔ جار اندر رکھتے ہوئے وہ پھر سے چونکی کافی کی خوشبو کے علاوہ کوئی اور بھی جانی پہچانی سی خوشبو اسے محسوس ہوئی۔۔۔ اسے پہلے تو سمجھ نہیں آیا کہ یہ کیا خوشبو ہے؟ ونیلا؟ وہ بڑبڑائی اور اس نے دیکھا کیبنٹ کے دوسرے سرے پر کچھ پیکٹس پڑے ہیں۔۔۔ اس نے انہیں باہر نکالا۔۔۔ اسے یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت محسوس ہوئی کہ وہ ڈرائیڈ ونیلا بینز تھے۔۔۔ یہ بھی ٹرانسپیرنٹ پیکنگ میں تھے۔۔۔ اس نے جلدی جلدی ایک پیکٹ کھولا اور تقریباً ایک فٹ لمبی ایک اسٹک نکال کر سونگھنے لگی۔۔۔ عام ونیلا ایکسٹریکٹ سے کہیں زیادہ تیز اور دلفریب خوشبو تھی اس کی۔۔۔ اس نے زندگی میں پہلی اور آخری بار جو ونیلا اسٹکس کسی غیر ملکی سیاحت کے دوران خریدیں تھیں، یہ ان ہائی کوالٹی اور مہنگی ترین ونیلا اسٹکس سے بھی کہیں زیادہ اعلیٰ معیار کی تھیں۔۔۔ روحی کتنی ہی دیر انہیں حیرت سے دیکھتی اور سونگھتی رہی اور پھر اسے واپس پیک کر کے کیبنٹ میں رکھ دیا۔۔۔ وہ کبھی کافی جارز کو دیکھتی، کبھی فریج میں رکھی ان تازہ اور خوبصورت سرخ اسٹرابیریز کو تو کبھی فریزر میں رکھے تِکوں کے بڑے بڑے باکسز کو۔۔۔ اور جب اسے ان کے ہونے کا یقین آ گیا تو حیران اور پریشان سی کچن سے باہر نکل آئی۔۔۔ لاؤنج میں اس کی نظر میز پر پڑے دو عدد مگو پر پڑی۔۔۔ تو اس نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔۔۔ وہ دونوں مگ ہاتھ میں لیے کچن کے سنک کی طرف آئی تو وہاں رات کے برتن موجود تھے۔۔۔ اس نے ایک پیر ڈسٹ بن کے پیڈل پر رکھا۔۔۔ کھلی بن میں رات کو استعمال ہوئے کافی کے ساشے، انکا خالی پیک، مشرومز کا خالی کین اور اسٹرابیریز کا خالی ڈسپوزیبل باکس پڑا تھا۔ یہ سب چیزیں اسے یہ یقین دلانے کے لیے کافی تھیں کہ اس نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا۔ تو کیا اب جو کچھ دیکھ رہی ہے وہ خواب ہے؟ اس نے کچن کے ایک اور کیبنٹ کی طرف رخ کیا جہاں اس نے مشروم کین رکھا ہوا تھا۔ وہ کیبنٹ کھولتے ہی اسے سامنے دو عدد مشروم کینز نظر آئے۔۔۔ ایک کو ہاتھ میں لے کر اس نے کمپنی کا نام پڑھنا چاہا۔۔۔ مگر مشروم کی تصویر کے سوا اس پہ کسی قسم کی لکھائی یا کوئی ایکسپائری ڈیٹ درج نہ تھی۔۔۔

روحی مسکرائی۔۔۔ اسے یقین تھا کہ وہ جب بھی انہیں استعمال کرنے کے لیے کھولے گی تو یہ مشرومز بھی تازہ اور ذائقہ اور معیار میں اب تک کے اس کے کھائے گئے سب مشرومز میں سے سب سے بہترین ہوں گے۔۔۔ پر کیا اسے یہ سب کھانا چاہیے؟ اس کے چہرے پہ مسکراہٹ کی جگہ سنجیدگی نے لے لی۔۔۔ نہ جانے یہ سب کہاں سے آیا ہے؟ کون لایا ہے؟ یہ بہت ہی غیر معمولی اور پراسرار بات ہے۔۔۔ کھڑکیاں، دروازے سب لاک تھے۔

اس عورت کے جانے کے بعد سے کوئی نہیں آیا۔۔۔ تو پھر یہ سب راتوں رات اس کے کچن میں کہاں سے آ گیا؟ اسے قدرے خوف بھی محسوس ہو رہا تھا اس انہونی پر اور بھوک بھی بہت لگ رہی تھی۔ آج وہ کسی صورت گھر سے باہر نہیں جا سکتی تھی۔۔۔ گھر پہ کام ہو رہے تھے جو نہ جانے کب تک ختم ہونے تھے۔۔۔ وہ کیا کرے؟ اگر یہ کھانا استعمال کرنا ٹھیک نہیں تو پھر کیا اسے یہ سب پھینک دینا چاہیے؟ مگر کھانے کو اس طرح پھینک دینا بھی تو ٹھیک نہیں۔۔۔ یہ رزق کی بے حرمتی ہوگی۔۔۔ کیوں نہ کسی اور کو دے دے؟ مگر کسے؟؟؟

میڈم ذرا چیک کر لیں۔۔۔ ایک ٹیکنیشن جیسے ہی ایک کمرے کا کام ختم کر کے اسے بلانے آیا تو روحی نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔۔۔ آپ لوگ کچھ کھائیں گے؟ لنچ ٹائم ہونے والا ہے۔۔۔ نہیں میڈم ہم باہر جا کر کھا لیں گے۔۔۔ ٹیکنیشن نے جواب دیا۔ آپ کو آنے جانے میں کافی ٹائم لگ جائے

Digitized by Google

https://www.urdutubes.com/

گا۔۔۔ میں چاہتی ہوں شام ہونے سے پہلے پہلے آپ لوگوں کا کام ختم ہو جائے۔۔۔ آپ کام جاری رکھیں۔۔۔ میں آپ کے کھانے کے لیے کچھ لاتی ہوں۔۔۔ وہ جو اسے بلانے آیا تھا لنچ کا سن کر خوشی خوشی واپس مڑ گیا۔۔۔ اور روحی نے چکن تِکوں کے دونوں باکسز ان پیک کر کے دو بڑی بڑی سرونگ ڈشز میں منتقل کیے۔۔۔ تِکوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس نے انہیں گرم کیا تو ان کی مزیدار خوشبو پورے کچن اور لاؤنج میں پھیل گئی۔۔۔ وہ ہمیشہ سے اس بات پہ عمل کرتی آئی تھی کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرو وہی دوسروں کے لیے پسند کرو اور جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ دوسروں کے لیے بھی پسند مت کرو۔۔۔ اسے ان چیزوں سے کوئی منفی وائبز نہیں آ رہی تھیں پھر بھی نہ جانے کیوں وہ یہ سب استعمال کرنے سے ڈر رہی تھی؟ اگر وہ یہ خود نہیں کھانا چاہ رہی تھی تو کیا یہ ان ورکرز کو کھلانا ٹھیک تھا؟ پر میں کون سا یہ ٹیسٹ کرنے کے لیے انہیں کھلا رہی ہوں کہ ان میں زہر ہے یا نہیں؟ میں تو بس ان [illegible] ورکرز [illegible] رہی ہوں۔۔۔ میری نیت صاف ہے۔۔۔ وہ پھر سے اپنے ضمیر سے [illegible] تھی۔۔۔

خدا جانتا ہے کہ مجھے اس کھانے سے نقصان پہنچنے کا ڈر نہیں مگر ان کے ذرائع سے لاعلمی کے باعث میں انہیں استعمال نہیں کرنا چاہ رہی۔۔۔ تو پھر دوسروں کو بھی مت کھلا۔۔۔ اس کے ضمیر نے اسے ٹوکا۔۔۔

ٹھیک ہے تو پھر فیصلہ ہو جائے۔۔۔ وہ اپنے بیڈ روم میں آئی، اور الماری سے وہی سکہ نکال کے ٹاس کیا اور اللہ کا نام لے کے سکہ اچھال دیا۔۔۔ ہتھیلی پہ مسجد چمک رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ یہ کھانے کی اشیا دوسروں کو کھلا سکتی ہے۔۔۔ وہ مسکرائی۔۔۔ بس اب سکون ہے؟ وہ دل ہی دل میں اپنے ضمیر سے مخاطب تھی۔۔۔ جو کہ اب واقعی پرسکون ہو کر اسے کھانا گھر سے باہر لان میں لے جاتا دیکھ رہا تھا۔۔۔ وہ جیسے ہی لان میں پڑی میز پہ یہ تِکے رکھ کے مڑی تو ایک ٹیکنیشن جو باہر لگائے کیمرہ کی پوزیشن اسے چیک کروانے کے انتظار میں کھڑا تھا۔۔۔ اتنے سارے تِکے دیکھ کے بولا۔۔۔ میڈم! یہ دوسری ڈش لے جائیں۔۔۔ یہ ایک بھی بہت زیادہ ہے۔۔۔ اور پلیز اس کیمرے کی ڈائریکشن چیک کر لیں۔۔۔

ہاں ٹھیک ہے! آپ لوگ پہلے کھانا کھا لیں۔۔۔ اس نے پہلے کیمرہ کو اور پھر میز کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔۔۔ اور ایک ڈش اٹھا کر اندر چلی آئی۔

کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں اسٹرابیریز کا ایک بڑا باؤل تھا۔ ورکرز کھانے سے فارغ ہو کر دوبارہ کام میں مصروف ہو چکے تھے۔ سرونگ ڈش میں ابھی بھی کافی تِکے پڑے تھے۔۔۔ یہ آپ نے ختم نہیں کیے؟ روحی نے سوچا کہ شاید کچھ دیر میں واپس کھانے کا ارادہ ہو ان کا۔۔۔ نہیں میڈم! ہم نے بہت زیادہ کھایا ہے۔۔۔ بہت ہی مزے کے تھے۔۔۔ آپ کا بہت شکریہ! آپ یہ باقی لے جائیں۔۔۔ ایک ورکر نے جواب دیا۔۔۔ ٹھیک ہے! یہ اسٹرابیریز رکھ رہی ہوں، کھا لیجیے گا۔۔۔ نہیں میڈم! ہم بہت فل ہو گئے ہیں اور گنجائش نہیں۔۔۔ وہ منہ لٹکائے واپس آ گئی۔۔۔ ایسے تو یہ سب ختم ہی نہیں ہوگا۔۔۔ اس نے کچن میں رکھے تِکوں اور اسٹرابیریز کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔۔۔ تِکوں سے اٹھتی مزیدار خوشبوں اور تازہ ترین لال لال اسٹرابیریز۔۔۔ اسے بھوک پہ قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔۔۔ وہ کمرے کی طرف بھاگی اپنا ایڈوائزر کوئین یعنی دو روپے کا وہی نیا نظر آنے والا پرانا سکہ نکالا اور دل میں کہا۔۔۔ یا اللہ! آئی ایم سوری۔۔۔ وہ مشورہ ذرا ادھورا رہ گیا۔۔۔ کیا مجھے بھی یہ چیزیں کھا لینی چاہیے؟۔۔۔ میں نہیں جانتی یہ کہاں سے آئی ہیں؟ ان کا ذرائع کیا ہے؟ ان کو اپنے لیے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ یا اللہ میری مدد کر! اس نے سکہ ہوا میں اچھال کر جیسے ہی ہتھیلیوں کے درمیان تھاما تو اسے ایک مدھم سی نسوانی آواز سنائی دی۔۔۔

یہ تمہارے اچھے اصولوں پہ قائم رہنے کا تحفہ

ہے۔۔۔اور تحفہ جائز ہوتا ہے۔۔۔ وہ گھبرا گئی۔۔۔ اسے لگا یہ آواز اس کے عقب سے آئی ہے۔۔۔ وہ پلٹی پر وہاں کوئی نہ تھا۔۔۔ آواز جانی پہچانی لگی۔۔۔ اوہ! یہ تو رات والی بوڑھی عورت کی آواز تھی۔۔۔ پر وہاں کوئی بھی نہ تھا۔۔۔ اس نے سوچا کچھ بھی ہو وہ کرے گی وہی جو سکہ میں آئے گا۔۔۔ اس نے اپنی اوپر والی ہتھیلی اٹھائی۔۔۔ جواب میں بادشاہی مسجد اس کی ہتھیلی پر تھی۔۔۔ اس نے ایک عجیب سی تسلی محسوس کی جیسے جھٹ سے کوئی بوجھ اس کے دل و دماغ سے اتر گیا ہو۔۔۔ وہ مسکراتی ہوئی کچن میں آئی اور اپنے لیے اسٹرابیریز نکالنے لگی۔۔۔

دن ڈھلنے والا تھا۔۔۔ کیمراز انسٹالیشن اور یو-پی-ایس وائرنگ کے سب کام مکمل ہو گئے تھے۔ ورکرز جا چکے تھے۔ وہ بھی تھک چکی تھی، اس لیئے جلدی سو گئی۔ اگلے دن وہ سو کر اٹھی تو اس نے بازار جا کر کھانے پینے کی چیزیں لانے کا ارادہ کیا۔۔۔ کھانے کا وہ سامان آج کل میں ختم ہو جانا تھا۔۔۔ اس نے فریج کا دروازہ کھولا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ پھر سے بنکوں کے ایک کی بجائے دو باکسز پڑے ہیں اور اسٹرابیریز کے بھی دو مکمل پیکٹس موجود ہیں جبکہ کل بنکوں کا ایک پورا ڈبا اور اسٹرابیریز کا ایک آدھا پیک کھایا جا چکا تھا۔۔۔ پر یہ سب تو اسی طرح پڑا تھا جیسے یہ چیزیں کبھی کھولی ہی نہ گئی ہوں۔۔۔ اس کا دماغ گھوم گیا۔۔۔ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ سارا دن حیران رہی کہ یہ چیزیں کھائے جانے کے بعد بھی اتنی کہ اتنی کیسے تھیں؟ اور اس دن کے بعد سے کھانے کی یہ چیزیں کبھی ختم نہیں ہوئیں۔

اس عجیب سلسلے کے شروع ہونے کے چند دن کے اندر ہی اس کی پڑوس میں اچھی خاصی علیک سلیک ہو گئی تھی۔ ایک بار اسے کسی کام سے شہر جانا پڑا اور واپسی ہوتے ہوتے شام ڈھلنے لگی۔ پڑوس میں رہنے والی ایک مقامی فیملی کی بزرگ خاتون نے اسے اکیلے دن ڈھلے آتے دیکھا تو اگلے دن اس کے گھر آن پہنچیں اور اسے سمجھانے بجھانے لگیں۔۔۔ "بیٹی! یہاں اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے اپنے گھر آ جایا کرو، رات کو باہر نہ نکلا کرو۔۔۔"

روحی ادب سے بولی۔ "جی مجھے اندازہ ہے یہاں جنگلی جانور ہوتے ہیں۔۔۔ بس ذرا دیر ہو گئی۔۔۔ انشاءاللہ آئندہ احتیاط کروں گی۔۔۔"

"بیٹی! جنگلی جانور ہی نہیں ان جنگلوں میں تو اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے۔۔۔ خیال رکھنا! کبھی رات کے بعد بنا جانے پہچانے کسی کے لیے دروازہ مت کھولنا، چور ڈاکو تو یہاں کیا ہی خطرہ ہوں گے پر اور بڑی مخلوقات ہوتی ہیں۔۔۔" وہ خاتون اپنے ہی دھیان میں بولے جا رہی تھیں۔۔۔ ان کا مقصد روحی کو ڈرانا نہیں تھا پر اس وقت اس کے دماغ میں اس رات والا قصہ تازہ ہونے لگا۔۔۔ "آنٹی! اگر کوئی ضرورت مند ہو تو؟ بھوکا؟ مصیبت کا مارا؟ بھولا بھٹکا؟ مجبور ہو تو؟" روحی نے سوال کیا۔۔۔ "بیٹی! اس پہاڑ پہ گنتی کے چند مکانات تو ہیں اور ان میں رہنے والے سب ہی ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ آس پاس کی پہاڑیوں پر بھی جو رہتے ہیں، سب [illegible] برسوں سے اس علاقے کی روایت ہے کہ مغرب کے بعد کھانا کھایا اور عشاء پڑھ کر سو گئے۔ نہ تو اندھیرا ہونے کے بعد کوئی گھر سے باہر نکلتا ہے، نا ہی کوئی کسی کے گھر جاتا ہے۔۔۔ سوائے نیچے بازار میں رات تک کام کرنے والے دکانداروں کے۔۔۔ اور اس پہاڑ پہ کونسا کوئی ہوٹل ہے جو کوئی مسافر یہاں آئے گا۔۔۔ اس پہاڑ پر صرف وہی لوگ آتے ہیں جن کا ادھر گھر ہے۔ نہ یہاں کے لوگ بلا وجہ کسی دوسرے پہاڑ پر گھومتے ہیں نہ ہی دوسرے پہاڑوں کے لوگ یہاں آتے ہیں۔۔۔ اس پہاڑی کا تو راستہ ہی الگ ہے۔۔۔"

اور روحی سر ہلا کر اتفاق کرنے لگی کہ واقعی یہ رہائشی پہاڑ کسی دوسرے پہاڑ کے لیے منسلک راستہ نہیں۔۔۔ انتہائی پرائیویٹ اور الگ تھلگ ہے۔۔۔

اور اگر کوئی انجان! دیر رات کو آ جائے؟ اور اس کے لیے دروازہ کھول دیا جائے تو؟ کیا آپ کے ساتھ کبھی

ایسا کچھ ہوا ہے؟" روحی نے وضاحت چاہی۔۔۔

"دیکھو بیٹی! پہلی بات تو یہ کہ یہاں ایسا کم ہی ہوتا ہے کہ رات کو کوئی کسی جاننے والے کے گھر آ جائے۔۔۔ اور دوسرا یہ کہ کسی اجنبی کو کسی کے گھر اتنی رات کو جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اتنی رات کو تو بس ہوائی چیزیں ہی جنگل میں گھومتی پھرتی ہیں اور دیر رات باہر پھرنے والے مسافروں کو تنگ کرتی ہیں۔۔۔" خاتون نے بڑے ہی آرام سے یہ بات کہہ ڈالی۔۔۔

"ہوائی چیزیں کیا ہوتی ہیں؟" روحی نے دلچسپی ظاہر کی۔۔۔

"بیٹی! ہوائی چیزیں مطلب۔۔۔ جن، بھوت پریاں اور چھل پیریاں وغیرہ۔۔۔"

"جنات کا تو یقین ہے پر کیا یہ پریاں اور چھل پیریاں سچ میں ہوتی ہیں؟ آپ نے کبھی دیکھی ہیں؟" روحی نے پوچھا۔۔۔

"بیٹی! میں نے کبھی دیکھی تو نہیں پر میری نانی کہا کرتی تھیں کہ رات کو اکیلے نہیں نکلنا چاہیے نہ ہی آدھی رات کو دروازہ کھٹکنے پر کھولنا چاہیے۔۔۔ جنگل [illegible] ہیں [illegible] بڑی بڑی آنکھیں، لمبے لمبے دانت، لمبے لمبے بال، لمبے لمبے ہاتھ، لمبے لمبے پیر وہ بھی الٹے یعنی پیروں کی انگلیاں پیچھے کی جانب اور ایڑیاں آگے کی طرف ہوتی ہیں۔۔۔ جیسے جیسے پڑوسی خاتون چھل پیری کا حلیہ بیان کرتی گئیں، روحی کی نظروں میں اس رات والی عورت کا سراپا گھومنے لگا۔۔۔ لمبے دانت اور لمبے بال تو نہیں پر اس کے لمبے لمبے ہاتھ، لمبے لمبے پیر اور بڑی بڑی آنکھیں سچ میں غیر معمولی تھیں۔۔۔ مگر اس کے پیر الٹے نہیں تھے۔۔۔ اس کی انگلیاں تو آگے ہی تھیں۔۔۔ مگر۔۔۔ روحی چونکی! اس کے پیروں میں لمبائی کے علاوہ کچھ اور بھی غیر معمولی تھا۔۔۔ پر کیا؟ اس نے ذہن پر زور دینے کی کوشش کی اور اسے یاد آ گیا۔۔۔ اس کے پیروں کے انگوٹھے اندر کی طرف نہیں باہر کی طرف تھے اور اس کے پیروں کی سب سے چھوٹی انگلیاں اندر کی طرف تھیں۔۔۔

جیسے اگر ہم اپنی ٹانگیں لمبی کر کے بیٹھیں اور ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پہ رکھ کے پیروں کو ملائیں تو پیروں کے انگوٹھے دائیں اور بائیں بیرونی طرف ہوں گے اور سب سے چھوٹی انگلیاں اندرونی طرف، بالکل درمیان میں نظر آئیں گی۔۔۔ اس کے پیر بھی بالکل ایسے ہی تھے۔۔۔ جسے اس دن روحی کوئی میڈیکل ڈِس آرڈر یعنی طبی طور پہ جسمانی ساخت کی کوئی خرابی سمجھی تھی۔۔۔ پر آج انکشاف ہو رہا تھا کہ اس کے پیر الٹے تھے۔۔۔ اور الٹے پیروں کا ایک مطلب یہ بھی نکلتا ہے۔۔۔ شاید الٹے پیروں والی ایسی ہی ہوتی ہوں گی اور پرانے لوگوں نے الٹے پیروں کا یہ مطلب نکالا ہو کہ ایڑیاں آگے اور پنجے پیچھے۔۔۔ اور اسی لیے وہ چھل پیری کے نام سے مشہور ہوگئی ہوں۔۔۔

پر چھل پیری کا مطلب تو یہ بنتا ہے کہ جس کے پیر پیچھے کی طرف ہوں۔۔۔ یعنی ایک چھل پیری ہوتی ہے اور ایک الٹے پیروں والی ہوتی ہے۔۔۔ کیا معلوم؟ کیا سچ ہے؟ کیا نہیں؟ روحی کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔۔۔ "آنٹی! کیا الٹے پیروں کا مطلب یہ ہو سکتا ہے؟" اور اس نے اپنی ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پہ رکھ کے پیر ملا دیے۔۔۔ یعنی پاؤں کے انگوٹھے باہر کی طرف ہوں اور سب سے چھوٹی انگلیاں اندر کی طرف؟ یعنی پیروں کی بناوٹ ہی ایسی ہو تو یہ بھی تو الٹے پیر ہوئے ناں؟

اور پڑوسی خاتون روحی کے اس سوال پہ کچھ تذبذب کا شکار ہو گئی۔۔۔ ان کے پاس اس بات کا کوئی یقینی جواب نہ تھا۔۔۔ سو وہ کندھے اچکا کے جانے کے لیے اٹھیں اور جانے سے پہلے روحی کو بولیں۔۔۔ "بیٹی! جس نے جو نہیں دیکھا اس کے لیے وہی ناممکن اور جس نے جو دیکھا اس کے لیے وہی ممکن ہے پر سچ یا جھوٹ کا تعلق دیکھے جانے سے نہیں ہوتا۔۔۔ نظریں دھوکا بھی کھاتی ہیں اور جو دیکھتی ہیں جھوٹ بھی ہو سکتا ہے اور جو نہیں دیکھ پاتی ہو سکتا ہے وہی سچ ہو۔۔۔ اپنی اپنی سمجھ کی بات ہے۔۔۔ وہ اس کے سر پہ پیار دے کے، اللہ حافظ

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

بول کے جا چکی تھیں پر اس نے اور کچھ نہیں سنا۔۔۔ وہ تو ان کے آخری جملوں میں ہی اٹکی ہوئی تھی۔۔۔ ابھی تو وہ اس رات خود پہ گزری ساری روداد ان پڑوسی خاتون کو بتانا چاہتی تھی اور اپنی سچائی کا ثبوت بھی دکھانا چاہتی تھی۔۔۔ پر نہ جانے کیوں وہ ایسا نہیں کر سکی؟ جیسے اس کے ہونٹ سِل چکے تھے۔ الفاظ اور زبان اس کا ساتھ دینے سے انکاری تھے۔۔۔

کچھ ہی عرصے میں اس نے وہ گھر چھوڑ دیا۔ مگر اس کے ان عجیب تحائف نے اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔۔۔ اس نے کئی جگہیں اور شہر بدلے، ملک سے باہر رہی۔۔۔ پر وہ دنیا کے جس کونے میں بھی جاتی، ان تحائف کا تسلسل کبھی نہ ٹوٹتا۔۔۔ شروع شروع میں وہ اس سب سے خوف زدہ رہی۔۔۔ اس نے کافی عرصہ ان چیزوں کو ہاتھ نہ لگایا۔۔۔ اور کئی بار رہائش بدلتے ہوئے اس نے ان چیزوں کو ساتھ نہ لے کے جانے کا عمل بھی دہرایا۔۔۔ پر ہر جگہ وہ اشیا موجود ہوتیں اور پھر آخرکار اس نے یہ کوشش چھوڑ دی۔ اس رات والے قصے اور ان چیزوں کی روز کی موجودگی کا ڈر بھی آہستہ آہستہ دل سے جاتا رہا۔۔۔ اور بہت بار مجبوراً اسے یہ سب استعمال میں بھی لانا پڑا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اس غیر معمولی باقاعدگی سے مانوس ہوگئی۔۔۔

سالوں بیت گئے تھے لیکن نہ تو کبھی ان چیزوں کی تازگی اور ذائقہ میں کوئی فرق آیا اور نہ ہی ان کے استعمال سے کبھی اوازاری ہوئی۔۔۔ دل نہ کرتا تو وہ ہفتوں ان میں سے کسی چیز کو استعمال نہ کرتی اور جب کرتی تو سب پہلے دن کی طرح فریش اور مزیدار ہوتا۔۔۔ اب اسے کسی قسم کا ڈر محسوس نہ ہوتا تھا۔ وہ یہ سب خود بھی کھاتی اور دوسروں کو بھی کھلاتی تھی۔۔۔ اگر وہ کبھی یہ سوچتی کہ کسی دن اس کے مہمانوں کی تعداد زیادہ ہے اور کھانوں میں مشروم زیادہ استعمال ہونے کی ضرورت محسوس ہونے پر جب وہ بازار سے اور خرید لانے کا ارادہ کرتی تو اس دن اسے کیبنٹ میں زیادہ کھمبز پڑے ہوئے ملتے۔۔۔ یہی صورت حال بِنکوں، اسٹرابیریز، ونیلا اسٹکس اور کافی کے ساتھ بھی تھی۔ وہ اب اپنی کافی، سویٹ ڈشز، بیکنگ اور کھانوں میں تازہ ونیلا استعمال کرتی تھی جو کبھی ختم نہیں ہوتے تھے۔ کافی کے جار زاب بھی اتنے ہی بھرے ملتے جتنے پہلے دن تھے۔۔۔

جب لوگ اس کی کافی کی تعریف کرتے تو وہ انہیں وہ کافی اور ونیلا پھلیاں تحفتاً دے دیتی اور اگلے دن اپنے جار کو اسی طرح بھرے ہوئے پاتی۔۔۔ اس کے دروازے پہ آیا کوئی بھی سوالی آج تک بھی بھوکا نہیں لوٹا تھا۔۔۔ اس بات کا خیال تو وہ پہلے بھی رکھتی تھی مگر اب اسے یہ فکر نہ تھی کہ اگر کوئی وقت بے وقت آ جائے تو اسے کیا کھلائے گی؟۔۔۔ کتنے ہی بھوکے لوگ آئے پر وہ بوڑھی عورت دوبارہ کبھی نہیں لوٹی نہ ہی کبھی اس کی آواز اسے پھر سنائی دی۔۔۔ پر اس کے تحائف روحی کو اسے کبھی بھولنے نہ دیتے تھے۔۔۔

روحی کو یقین تھا کہ یہ سب اسی عجیب و غریب بوڑھی عورت کے تحائف ہیں جو اس رات اس کے لیے دروازہ کھولنے اور اسے گھر کے اندر لا کر کھانا کھلانے جیسے پرخطر کام کے عیوض ملے تھے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ دلی ہمدردی کے بدلے کچھ اصول کبھی کبھی انسان کو ڈوبتے ہیں مگر جو لوگ ہمارے اپنے اصولوں پہ کھڑے رہتے ہیں قدرت کسی نہ کسی شکل میں انہیں انعام بھی دیتی ہے جیسے روحی کے ساتھ ہوا۔۔۔ اس نے بنا کسی غرض کے، اپنے تمام تر ڈر اور خطرے کے باوجود نیک نیتی کے باعث کسی انجان کی مدد کی، تو نہ صرف کسی نقصان سے محفوظ رہی بلکہ انعام کی حقدار بھی رہی۔ کسی اچھائی کو کسی صلہ کی امید کے بنا کرنا بھی کمال بات ہے۔۔۔ کوئی ظاہری اور مادی انعام نہ بھی ملے تو بھی نیکی کا جذبہ اپنے آپ میں ایک انعام ہے۔۔۔ اور خدا کا خاص کرم اور عنایت ہے اپنے ان بندوں کے لیے جن کے اصول ان کی خودغرضی، ہٹ دھرمی یا کسی دکھاوے کی وجہ سے نہیں بلکہ خدمت خلق، نیکی اور خدا کے ڈر کی وجہ سے عمل پذیر ہوتے ہیں۔۔۔ اللہ ہم سب کو نیکی کی توفیق دے۔ آمین۔

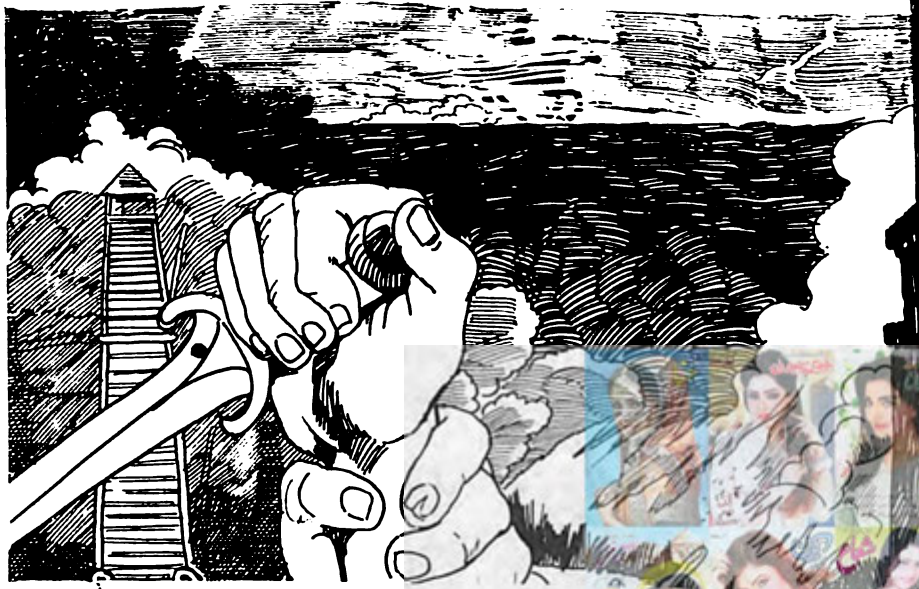

آسیبی کھنڈرات

شارہ فاطمہ۔ بہلول پور

https://www.urdutubes.com/
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

گاؤں کے لوگ پریشان تھے وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ دوسری اور تیسری رات ایسا کون آتا ہے جو کہ ان کے کسی بچے کو لے کر غائب ہوجاتا ہے اور پھر ایک وقت آیا تو غضب ہوگیا کیونکہ

دل پر دہشت طاری کرتی اور رگوں میں لہو منجمد کرتی ناقابل یقین و ناقابل فراموش کہانی

آج پھر وہی خواب یہ کہتے ہوئے میں اٹھ گیا، میں ایک ہی خواب پچھلی کئی راتوں سے لگاتار دیکھتا آ رہا تھا اور اس عجیب و غریب خواب کی وجہ سے میں بہت پریشان تھا لیکن میں نے اس خواب کا ذکر گھر میں کسی سے نہیں کیا تھا، میں اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں، میرا نام میری امی نے حاتم رکھا ویسے میں بھی اپنے امی ابو اور گھر والوں کے لئے شہزادے حاتم سے کم نہیں ہوں لیکن پچھلے کئی دنوں سے آنے والے ایک ہی خواب کو لگاتار دیکھ کر اب میں پریشان رہنے لگا تھا۔ امی نے جب مجھے پریشان دیکھا تو مجھ سے پریشانی کی وجہ پوچھی میں امی کو ایسی کوئی بھی بات بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا میں یہ تو بتانا بھول ہی گیا کہ مجھے کس قسم کا خواب آ رہا تھا تو میں یہ بتا دوں کہ مجھے خواب میں عجیب قسم کے کھنڈرات نظر آتے تھے اور وہاں سے کسی کے چلانے کی آوازیں جیسے

مجھے کوئی پکار رہا ہو۔

اور پھر ایک خوفناک چہرہ سامنے آتا جس سے میری آنکھ کھل جاتی اور میں اٹھ کر بیٹھ جاتا اس خواب کی وجہ سے میں بہت پریشان اور کھویا کھویا رہنے لگا، ٹھیک سے کھانا بھی نہ کھا پاتا تھا جس کی وجہ سے امی نے مجھ سے پوچھا کہ میں انہیں بتاؤں کہ آخر وہ کیا وجہ ہے جس نے مجھے پریشان کیا ہے تو میں نے امی کو بس یہ بتایا۔

امی رات کو مجھے ڈر لگتا ہے عجیب سے خواب آتے ہیں تو امی نے ایک بزرگ سے جو کہ بہت پہنچے ہوئے تھے ایک تعویذ لا کر میرے گلے میں ڈال دیا اور روزانہ رات کو سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھ کر مجھ پر دم کر دیتیں۔

کچھ دنوں تک خواب آنے بند ہو گئے اور میں بہت پرسکون ہو گیا۔

ایک دن جب کالج سے واپس آیا تو امی نے مجھے بتایا کہ کل گاؤں جانا ہے۔ وہاں میری پھوپھو کی بیٹی کی شادی ہے، میں یہ سن کر بہت خوش ہوا، میں کبھی بھی اپنے گاؤں نہیں گیا تھا، میرا گاؤں شہر گجرات میں واقع ہے وہاں پر میرے تمام رشتے دار پھوپھو، چاچا، تایا، دادی، دادا اور کزن سب رہتے ہیں لیکن نہ ہی کبھی ابو وہاں گئے اور نہ ہی مجھے لے کر گئے، امی اور ابو ایک ہی گاؤں سے تھے، دادا اور سب سے فون پر بات ہو جایا کرتی تھی لیکن گاؤں آنے کا کبھی انہوں نے بھی نہ کہا، اکثر میں گرمی کی چھٹیوں میں جانے کی ضد کرتا تو ابو مجھے ڈانٹ دیتے اس لئے میں حیران تھا کہ کس طرح اب امی، ابو گاؤں جانے کے لئے راضی ہو گئے ابو کے چہرے سے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ پریشان ہوں، امی بھی پریشان تھیں لیکن وہ مجھ پر ایسا کچھ ظاہر نہیں کر رہی تھیں فی الحال جو بھی تھا میں بہت خوش تھا کیونکہ میں پہلی مرتبہ اپنے گاؤں جا رہا تھا۔

میں نے اپنے کالج Friend کو بتایا اور کالج سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لی وہ دن سارا میں نے گاؤں جانے کی تیاری میں گزارا، گاؤں میں کزنز سے کبھی بھی نہیں ملا لیکن ان سے میری بات ہوتی رہتی تھی پھوپھو کی بڑی بیٹی آئزہ آپی مجھ سے بہت پیار کرتی تھیں اور انہی کی ضد پر ہم گاؤں جا رہے تھے کیونکہ انہوں نے کہا کہ اگر میرا چھوٹا بھائی حاتم نہ آیا تو میں شادی نہیں کروں گی یہ بات بعد میں امی نے مجھے بتائی۔

ہم گجرات سے چیچہ وطنی آ کر آباد ہوئے تھے۔

اس رات میں اپنے خوابوں میں گاؤں کا سفر کرتا رہا، اللہ اللہ کر کے فجر کی اذان ہوئی فجر کی نماز ادا کر کے قرآن مجید کی تلاوت کر کے میں لیٹا ہی تھا کہ امی نے مجھے اٹھا دیا کہ ہمیں ٹائم سے نکلنا ہے سفر بہت لمبا ہے میری امی Teaching کے Profeesion میں تھیں اور ابو ڈرائیونگ کے پیشے سے منسلک تھے تمام ضروری سامان لیا جو سفر میں کام آ سکتا ہم نے اللہ کا نام لے کر شروع کیا۔

میں سفر کے دوران تمام قدرتی مناظر کو بہت غور سے دیکھتا رہا اور اپنے گاؤں کے بارے میں سوچتا رہا کہ میرا گاؤں کیسے ہوگا گجرات کی حدود میں داخل ہوئے، میں اپنے شہر گجرات میں واقع گاؤں کو دیکھنا چاہتا جن کو دیکھ کر مجھے ایک سکون مل رہا تھا۔

آخر میرا گاؤں بہلول پور آ ہی گیا میرا گاؤں دریائے چناب کے کنارے پر واقع بہت ہی خوبصورت ہے جس کے تین اطراف پر سرسبز لہلہاتے کھیت جو آنکھوں کو ٹھنڈک بخشتے ہیں اور میرے گاؤں کے آخر میں بہت بڑا جنگل اور قبرستان واقع ہے میرے گاؤں سے ضرورت کی ہر چیز با آسانی مل جاتی ہے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ میرا گاؤں ایک قصبے میں تبدیل ہو چکا ہے۔ بس اسٹاپ پر ہمیں لینے چاچو، تایا اور کزن آئے ہوئے تھے سب ہمیں بہت گرم جوشی سے ملے اور پھر ہم سب گھر کی طرف چل پڑے۔

گھر میں دادا، دادی، پھوپھو اور باقی سب سے ملاقات ہوئی، میرے ننھیال والے بھی سب موجود تھے نانی نانا، خالہ اور ماموں سب سے ملا دادی اور نانی اماں ملتے ہوئے رونے لگیں اور باقی سب کی آنکھوں میں بھی

پانی آ گیا۔ آخر روتے بھی کیوں نہ آج 20 سال بعد وہ اپنے بیٹے، بیٹی اور پوتے کو دیکھ رہی تھیں۔

گھر میں سب کزن سے ملا وہاب، رضوان، چاند، علی، ریحان، انتظار، عالیہ، ثمن، نور، کنول اور آئمہ سب میرے کزنز تھے۔ آخر میں عائزہ آپی سے ملا جنہوں نے مجھ سے بہت پیار کیا اور آنے پر بہت خوش ہیں۔ ریحان، رضوان، چاند، انتظار اور میں ہم پانچوں بڑے کزنز میں تھے۔ لڑکوں میں سے آئزہ آپی نے ہمیں شادی کی تمام ذمہ داریاں دیں، لڑکیوں میں بھی بہت سی کزنز بڑی تھیں لیکن لڑکوں میں ہم تھے آج رات مہندی کی رات تھی مہندی کے لئے گھر کو خوب سجایا گیا ہمارا بہت ہی وسیع صحن تھا جس میں کرسیاں اور میز Guests کے لئے لگے اور سامنے ایک بڑا Stage بنایا جس پر دلہن کو مہندی لگانے کی رسم ادا کرنی تھی۔ مہندی بہت دھوم دھام سے ہوئی لڑکوں اور لڑکیوں نے خوب گانے گائے، گاؤں کی بڑی بوڑھی عورتوں نے گیت گائے۔ رات کے 2 بجے مہندی کا فنکشن ختم ہوا اور ہم سب اپنے اپنے بستر پر ڈھیر ہو گئے [illegible] میں ایک دم چونک کر بیٹھ گیا ٹائم دیکھا تو 3 بج رہے تھے، مجھے پھر وہی خواب دکھائی دیا تو میں بہت پریشان ہو گیا اور پسینے سے شرابور تھا اور حیران بھی کہ اس دفعہ خواب کچھ اور آیا تھا سب کچھ وہی تھا وہی کھنڈرات، وہی چلانے کی آوازیں، ڈراونا چہرہ لیکن ایک آواز جس نے مجھے چونکا دیا وہ یہ تھی۔ "تم آ گئے حاتم...... تم آ گئے میں برسوں سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

میں یہ سوچ رہا تھا کہ آخر یہ آواز کس کی تھی وہ کون ہے جو میرا انتظار کر رہی ہے اسے سوچتے ہوئے میری آنکھ لگ گئی فجر کی اذان پر آنکھ کھلی نماز پڑھی قرآن کی تلاوت کی آج آپی کی بارات آنی تھی سب اس کام میں لگ گئے اور میں بھی کاموں میں خواب کو بھول گیا بارات آنے کے بعد رخصتی تک کی تمام رسمیں ادا ہو گئی اور آئزہ آپی اپنے گھر چلی گئیں دن بھر کام کی تھکاوٹ کی وجہ سے رات کو سب جلدی سو گئے۔

رات کو تقریباً ایک بجے پھر اس خواب کی وجہ سے میری آنکھ کھل گئی اب کی بار پریشان ہونے کے بجائے یہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر یہ عورت کون ہے جو میرا انتظار کر رہی تھی لیکن میں گھر میں کسی کو اس کے متعلق بتا کر پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے میں نے خود سے فیصلہ کیا کہ میں اس خواب کی حقیقت جان کر رہوں گا، یہ تو میں جان ہی گیا تھا کہ اس خواب، کھنڈرت اور عورت کا تعلق میرے گاؤں کے ساتھ ہے جو یہاں پر آ کر ہی وہ عورت بول رہی ہے کہ "حاتم تم آ گئے، میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔"

دوسرے دن صبح ہم نے ناشتہ کیا اور پھر کزنز کے ساتھ مل کر گاؤں کی سیر کا پروگرام بنایا میرے ساتھ رضوان، ریحان، علی اور چاند تھے ہم پانچوں گاؤں کی سیر کے لئے نکل گئے پہلے گرمی کی وجہ سے ہم سب دریا پر گئے وہاں بہت سکون ملا پھر لہلہاتی فصلوں کی سیر کی اس کے بعد میں نے رضوان سے کہا کہ مجھے جنگل کی سیر کرنی ہے کیا یہاں جنگل مین کوئی ایسی جگہ نہیں جسے ہمیں دیکھنا چاہئے اور وہیں جانا چاہئے تو علی نے جھٹ سے مجھے منع کر دیا کہ جنگل نہیں جانا تو چاند بولا کہ ہاں جنگل میں بہت قدیم کھنڈرات ہیں جسے گاؤں کے لوگ آسیبی کھنڈرات بھی کہتے ہیں، بولتے ہیں کہ وہ کھنڈرات خطرناک آسیب اور چڑیلوں کا ٹھکانہ ہے اور کوئی بھی وہاں پر کبھی نہیں گیا۔

تو میں نے سوچا کہ کیوں نا ان کھنڈرات کی سیر کی جائے کیا پتہ یہ وہی کھنڈرات ہوں جن کو میں اپنے خواب میں مسلسل دیکھتا آ رہا ہوں اور یہاں پر کیا پتہ مجھے میرے خواب کی حقیقت بھی مل جائے تو میں نے کہا کہ ہمیں وہاں جانا چاہئے اور کھنڈرات کو دیکھنا چاہئے اور علی سے میں نے کہا کہ یار تم کس دور میں رہتے ہو جن، بھوت، چڑیلوں کی باتیں کر رہے ہو ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا لیکن پھر بھی علی نہ مانا تو ہم سب نے مل کر کہا کہ ہم جلدی آ جائیں گے اور گھر والوں کو اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتائیں گے کہ ہم ان آسیبی کھنڈرات کے پاس گئے تھے تو

https://www.urdutubes.com/

علی مان گیا اور ہم جنگل کی طرف چل پڑے۔

تقریباً جنگل میں ایک گھنٹہ چلنے کے بعد وہ کھنڈرات نظر آنے لگے جنگل بہت ہی گھنا، وسیع اور خوفناک دکھائی دے رہا تھا، دوپہر کے 2 بجے کا وقت تھا کسی چرند، پرند کی کوئی آواز نہیں آرہی تھی، جنگل میں ہر طرف ایک خوفناک خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے ہی ہم ان آسیبی کھنڈرات کے پاس پہنچے تو میرا دل چاہا کہ میں یہاں سے واپس دوڑ لگالوں اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھوں لیکن میرے پاؤں ایسے جیسے کسی نے پکڑ لئے ہوں۔

یہ وہی کھنڈرات تھے جنہیں میں اپنے خواب میں دیکھ رہا تھا بالکل وہی تھے مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ سچ میں ایسا ہوسکتا ہے۔

تبھی چاند بولا کہ ”ہمیں اب واپس چلنا چاہئے“

ہم سب بہت ڈر گئے تھے کیونکہ کھنڈرات قدیم ہونے کی وجہ سے بہت خوفناک لگ رہے تھے۔

جیسے ہی ہم آگے بڑھے تو وہی آواز آئی اس عورت کی جو مجھے خواب میں پکارتی تھی وہ بول رہی تھی۔

”حاتم تم جارہے ہو واپس یہاں آکر مجھے آزاد کیے بغیر میں نے برسوں سے تمہارا انتظار کیا تمہیں تمہارے خوابوں میں آکر اپنی موجودگی کا بتانے کی کوشش کی لیکن ہر بار تم ڈر جاتے تھے اور آج ادھر ادھر آکر مجھے یہاں سے آزاد کیے بغیر تم واپس جارہے ہو۔“

یہ آواز سن کر سب ڈر گئے۔

رضوان پوچھنے لگا کہ ”حاتم یہ سب کیا ہے کون ہے یہ اور کیسے خواب“ تو میں نے اپنے پہلے دن کے خواب سے آخری تک کی تمام داستان سنادی ریحان نے کہا کہ ”تم نے پہلے ہمیں کیوں نہیں بتایا۔“ تو میں نے کہا کہ ”اس لئے نہیں بتایا کہ کہیں تم لوگ یہ نہ سمجھو کہ میں پاگل ہوں اور کیسی باتیں کررہا ہوں اور میرا مذاق نہ اڑاؤ۔“ پھر آوازیں آنے لگیں تو علی بولا کہ ”بھاگو یہاں سے۔“

لیکن میں نے کہا کہ ”میں واپس نہیں جاؤں گا وہ جو کوئی بھی ہے میرا انتظار کررہی تھی پتہ نہیں کب سے قید میں ہے میں اسے آزاد کیے بغیر نہیں جاؤں گا۔“

تو ریحان بولا۔ ”ہوسکتا ہے وہ کوئی چڑیل یا کوئی بدروح جو ہمیں نقصان پہنچائے اس لئے واپس جانا چاہئے۔“

لیکن میں نہیں مانا اور جانے کی ضد کی تبھی میں کھنڈرات کی طرف بڑھ گیا اور رضوان لوگ بھی مجبور ہو کر میرے پیچھے آگئے۔

جب ہم ان آسیبی کھنڈرات کے قریب گئے عجیب سا خوف محسوس ہونے لگا۔ جب ہم ان کے اندر داخل ہوئے تو وہاں پر ہر طرف ٹوٹی ہوئی دیواریں کھڑی ہوئی تھیں اور بہت ہی عجیب سی بدبو اندر سے آرہی تھی وہاں سامنے ایسی کوئی بھی جگہ نہ تھی جہاں کسی کو قید کرکے رکھا ہو تبھی مجھے آواز آئی کہ ”حاتم یہاں سے سیدھے چلے آؤ۔“

ہم وہاں سے سیدھے چلے گئے تو وہاں ایک راہداری موجود تھی اس کا دروازہ کھولا تو نیچے کو سیڑھیاں جارہی تھیں، تبھی پتہ چلا کہ یہ کوئی راہداری کا دروازہ نہیں بلکہ نیچے کو جانے کا راستہ ہے جب ہم سیڑھیوں کے نیچے گئے تو وہاں سے آنے والی بدبو سے ہمارا سانس بند ہونے لگا تبھی میرا دھیان ایک سامنے [illegible] مقفل کیا ہوا تھا اس دروازے کو بہت ساری زنجیروں اور تالوں سے بند کیا ہوا تھا۔

پھر آواز آئی۔ ”حاتم یہی دروازہ ہے ان تالوں کو کھولو اور صرف تم ہی کھول سکتے ہو اسے اور مجھے آزاد کراسکتے ہو، اسے جلدی کھولو ورنہ میں فنا ہوجاؤں گی میں زیادہ دیر تک یہاں زندہ نہیں رہ سکتی۔“

میں جیسے ہی دروازے کے قریب گیا اور اسے ہاتھ لگانے ہی والا تھا کہ مجھے ایک آواز آئی کہ ”رک جاؤ حاتم اس دروازے کو نہ کھولنا اگر کھول دیا تو یہ جادوگرنی تمہیں ہی نہیں بلکہ تمہارے گھر والوں کو بھی مار ڈالے گی اور سب کچھ تباہ کردے گی۔“

تو میں نے پوچھا کہ ”آپ کون ہیں۔“

تو ایک باریش بزرگ جن کی سفید داڑھی تھی سفید چغہ پہنے ہوئے تھے اور ہاتھ میں تسبیح پکڑی ہوئی میرے سامنے آگئے جن کو دیکھ کر ہم حیران رہ گئے۔

ان کے چہرے پر نور ہی نور تھا جس سے وہاں کی ہر چیز چکا چوند ہوگئی۔ ہم سب نے باباجی کو سلام کیا اور پھر انہوں نے کہا کہ ”بیٹا میں سب جانتا ہوں تمہارے خوابوں سے لے کر اسے یہاں قید ہونے تک کا واقعہ اسے یہاں سے آزاد کرنے کی غلطی کبھی مت کرنا ویسے بھی اس کا وقت ختم ہوگیا ہے آج اسے ہمیشہ کے لئے اس کمرے اور قید سے چھٹکارا مل جائے گا تم لوگوں کو یہاں لانے والی یہ خود ہے تم لوگ یہاں خود نہیں آئے بلکہ یہ لائی ہے اور پھر یہ پچھلے 20 سالوں سے یہاں قید ہے۔“

باباجی ابھی بات کرہی رہے تھے کہ کمرے سے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ جیسے کوئی بری طرح سے اذیت دے رہا ہو۔ چیخوں کی وجہ سے ہمیں اپنے کانوں کے پردے پھٹتے ہوئے محسوس ہونے لگے اور ایک دم سے وہاں آگ لگ گئی تو ہم سب جلدی سے باباجی کے ساتھ وہاں سے باہر نکلے تو دیکھتے ہی دیکھتے وہاں آگ پھیلتی گئی اور شعلے بلند سے بلند تر ہوتے گئے۔

تھوڑی ہی دیر بعد چیخوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور آگ بھی بجھ گئی اب ہمارے سامنے وہ کھنڈرات سیاہ [illegible] جادوگرنی اپنے انجام کو پہنچ گئی اب کبھی کسی کو اس کے آنے کا ڈر نہیں رہے گا۔“

میں نے باباجی سے پوچھا۔ ”باباجی اس کا مجھ سے اور میرے خاندان کے ساتھ کیا تعلق ہے اور یہ کون ہے اور کیوں میرے خواب میں آتی تھی اور مجھے پکارتی تھی۔“

تو باباجی نے کہا۔ ”بیٹا میں تم لوگوں کو حقیقت بتاتا ہوں اس کے لئے تم لوگ میرے ساتھ چلو۔“ باباجی ہمیں جنگل میں ایک جھونپڑی کے پاس لے گئے باباجی اسی جھونپڑی میں رہتے تھے وہاں جاکر ہمیں باباجی نے مٹکے سے ٹھنڈا پانی دیا اور جھونپڑی کے اندر لے گئے، پھر باباجی نے ہمیں بتانا شروع کیا۔

”یہ ان دنوں کی بات ہے جب ہندو مسلمان اور سکھ سب مل کر رہتے تھے، ابھی برصغیر پاک و ہند کی تقسیم نہیں ہوئی تھی، اس گاؤں میں سکھ اور ہندو بھی رہا کرتے تھے، سب آپس میں مل جل کر پیار سے رہتے تھے، اسی گاؤں مین من موہن نامی ایک غریب لکڑہارا بھی رہتا تھا جس کی ایک بیٹی جس کا نام اس نے بڑے پیار سے راکھی رکھا تھا۔

من موہن خود سارا دن جنگل میں لکڑیاں کاٹتا اور پھر انہیں فروخت کرتا اور اس کی بیوی گھروں میں چھوٹا موٹا لوگوں کا کام کردیتی اور ایسے وہ دونوں اپنی زندگی گزار رہے تھے اور اپنی بیٹی کی ہر خواہش جو پوری کرسکتے تھے کرتے۔

لیکن راکھی اپنی اس غریبی کی زندگی سے نفرت کرتی تھی اور ہمیشہ عیش وعشرت اور آسائشوں مین زندگی گزارنے کے خواب دیکھتی اور یہی سوچتی رہتی کہ وہ کب اور کیسے امیر ہوگی، وہ اپنے اردگرد دیکھتی وہاں سب ان ہی کی طرح زندگی گزار رہے تھے لیکن کچھ لوگ امیر بھی تھے وہ جب ان کی لڑکیوں کو دیکھتی تو اس کے دل میں بھی ان کی طرح رہنے کی خواہش ہوتی اور سوچتی کہ کاش میں بھی ان کی طرح کسی امیر گھر میں پیدا ہوتی وہ سارا دن انہی سوچوں میں رہتی اور کوئی کام نہ کرتی، اس کی ماں گھر کے کاموں کا کہتی تو وہ یہ کہہ دیتی کہ ”میں ان کاموں کے لئے نہیں بنی۔“ تو اس کی ماں چپ ہوجاتی۔

ایک دن اس کی ماں کو گھر آتے دیر ہوگئی من موہن نے اپنی بیٹی سے کہا کہ جاؤ جاکے ماں کو بلا لاؤ آج اسے آنے میں دیر ہوگئی ہے۔

وہ ماں کو بلانے چل پڑی اور اپنی سوچوں میں گم چلتی گئی راستے میں اسے ایک آواز آئی۔ ”تو امیر ہونا چاہتی ہے۔“

اس نے مڑ کر دیکھا تو برگد کے درخت کے نیچے ایک نہایت ہی خوفناک بوڑھی عورت بیٹھی نظر آئی جس کے چہرے پر جھریاں تھیں اور اس کے بکھرے ہوئے بال تھے۔

راکھی نے کہا کہ اس نے مجھے پکارا ہے تو اس نے کہا کہ ”ہاں میں نے تجھے ہی بلایا ہے میں جانتی ہوں کہ تو امیر ہونا چاہتی ہے عیش سے زندگی گزارنا چاہتی ہے اور

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

میں یہ تیری خواہش پوری کرسکتی ہوں۔"
راکھی خوشی سے پاگل ہوگئی کہ میری خواہش پوری ہوگئی لیکن اگلے ہی لمحے اسے یہ خیال آیا کہ جس عورت کی خود اتنی خستہ حالت ہو وہ مجھے کیا امیر بنائے گی۔
اس عورت نے کہا کہ وہ خود اس حالت میں رہتی ہے اپنی اصل پہچان چھپا کر۔
راکھی حیران ہوگئی کہ اس نے اس کی دل کی بات کیسے جان لی اور پھر یقین ہوگیا کہ ضرور اس کے پاس کوئی علم ہے، جو مجھے سکھائے گی اور میں امیر ہو جاؤں گی۔
وہ عورت اس زمانے کی خطرناک کالے جادو کی ماہر تھی۔
راکھی نے اس سے پوچھا کہ بتاؤ میں کیسے امیر ہوں گی تو اس نے راکھی کو کہا کہ کل میرے پاس آ جانا۔
دوسرے دن رکھی اس کے بتائے ہوئے راستے پر چل پڑی اور جنگل کے بیچوں بیچ ایک غار کے پاس جا نکلی، تبھی اسے آواز آئی کہ اندر آ جاؤ وہ جب غار کے اندر داخل ہوئی تو اسے گندی بدبو آنے لگی اسے وہاں سڑتے ہوئے گوشت، خون کی بدبو آئی جس سے اسے ابکائیاں آنے لگیں، راکھی نے دیکھا کہ سامنے بہت بڑا بت استھان پر پڑا ہوا ہے اور وہ عورت اس کے سامنے سجدہ ریز تھی وہ اٹھی اور راکھی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔
راکھی یہ سب دیکھ کر پریشان ہوگئی اور کچھ بولنے والی تھی کہ وہ عورت بولی۔ "کچھ نہ بولنا میں جانتی ہوں کہ تو کیا کہنا چاہتی ہے لیکن ایک بات یاد رکھ اگر تجھے امیر بننا ہے تو وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو میں کہوں اس سے تیرے پاس بہت سی طاقتیں آ جائیں گی پھر تو جو چاہے گی وہ کر سکے گی۔"
تو راکھی نے پوچھا کہ اس کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا۔
عورت نے اسے کالے جادو کے بارے میں بتایا اور اس کے سارے غلیظ عملیات جو وہ خود کرتی تھی جسے سن کر پہلے تو راکھی نے منع کیا لیکن پھر اس کو امیر بننے کے لئے کوئی اور راستہ نظر نہ آیا۔
عورت نے راکھی کی آنکھوں میں دولت کی ہوس پہلے ہی دیکھ لی تھی وہ جانتی تھی کہ راکھی وہ سب کرے گی جو وہ چاہتی ہے اور پھر راکھی مان گئی اور وہ اسے اپنے ساتھ وہ سارے عملیات کرانے لگی جو وہ خود کرتی تھی اور اسے بھی شیطان دیوتا کا پجاری بنا دیا۔
راکھی کے ماں باپ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کر رہی ہے وہ بس یہ کہہ کر گھر سے آ جاتی کہ میں کسی گیانی بابا سے گیان سیکھ رہی ہوں۔
راکھی جلد ہی کالے علم کی ماہرہ بن گئی اور ہر جائز ناجائز کام کرنے لگی اور اس کی خوراک انسانی گوشت اور خون بن گیا جس کے لئے اس نے اپنے ماں باپ کو بھی نہ چھوڑا۔
راکھی نے عورت کے بہت سے کالے کاموں میں اس کی مدد کی یہ کھنڈرات جو تم کو نظر آتے ہیں یہ اس نے طاقتیں ملنے کے بعد اس زمانے میں بنائے تھے جس میں اپنی زندگی کی ہر آرام اور آسائش کی چیز رکھیں لیکن پھر اسے اپنی زندگی ختم ہونے اور خوب صورتی ختم ہونے کا خدشہ ہوگیا جس کا ذکر اس نے عورت سے کیا تو عورت [illegible] امر کردے گی اور خوب صورت بھی لیکن اس کے لئے اسے اکیس جوان لڑکے اور لڑکیوں کی ضرورت تھی جس کی بلی وہ اپنے شیطان دیوتا کے سامنے دیتی اور سب سے آخری بلی اس کی رہتی ہے جو اماوس کی رات کو پیدا ہوا ہو اس کا خون پینے کے بعد اور اس کے خون سے غسل کرنے کے بعد وہ امر ہو جائے گی۔ یہ سب اس عورت نے اس کو بتایا تو وہ مان گئی۔
رکھی ہر رات ایک لڑکا یا لڑکی بہلا پھسلا کر لے آتی، ابھی دس دن ہی ہوئے تھے کہ اس نے کالی (عورت کا نام کالی تھا) کو اپنے کسی چیلے سے یہ کہتے سنا وہ کہہ رہا تھا "اگر آپ نے راکھی کو بھی یہ سب سکھا دیا تو وہ آپ پر حاوی ہو جائے گی۔" تو کالی نے اسے کہا "وہ کام ختم ہونے کے بعد راکھی کو مار دے گی۔"
راکھی نے جب یہ سنا تو غصے سے پاگل ہوگئی اور کالی کو مارنے کا سوچنے لگی بالآخر اسے وہ ترکیب آ گئی

جس سے وہ کالی کو ختم کر سکتی تھی اس رات وہ لڑکی کو لائی جیسے ہی کالی نے جاپ شروع کیا اور منتر پڑھنے لگی تو راکھی نے یہ موقع غنیمت جانا اور کالی کو مار دیا، اس کے بعد اس نے کالی کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اس کا خون پینے سے اس کی طرح طاقتور ہوگئی، کالی کا تمام نظام اس کے ہاتھوں میں آ گیا اور ایسے ہی وقت گزرتا چلا گیا۔
تقسیم پاک و ہند کے بعد ہندو اور سکھ یہاں سے چلے گئے مسلمان آ کر آباد ہوگئے اور راکھی انہی کھنڈرات میں مقیم رہی اور اپنے آپ خوب صورت اور عمر طویل کرنے کے لئے خوب صورت لڑکوں کو اپنا شکار بناتی تھی۔
لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اسے اپنی کمزوری اور بڑھاپا محسوس ہونے لگا جس سے وہ پریشان رہنے لگی تو پھر اس نے امر ہونے کے لئے کالی کی منتروں والی کتاب سے امر ہونے کا جاپ کرنے کی ٹھان لی، تو اس کے لئے شیطان دیوتا سے اس کی اجازت لی اور اس کے کہنے کے مطابق کالی والا جاپ شروع کر دیا، اس کے لئے اس نے اپنے ایک چیلے کو اس کام پر مقرر کر دیا وہ ہر رات گاؤں سے ایک لڑکا یا ایک لڑکی اٹھا لاتا۔
[illegible] پریشان [illegible] بھی راکھی کے بارے میں نہ جانتا تھا تبھی ایک رات اپنے جاپ اور بلی سے فارغ ہو کر راکھی باہر نکل گئی اور چلتے چلتے قبرستان میں نکل آئی کافی دیر وہاں بیٹھی رہی اور اسے بھوک محسوس ہونے لگی اور پھر سوچنے لگی ابھی وہ کیسے شکار کر سکتی ہے کوئی بھی باہر نہیں ہوگا، تبھی اس کا دھیان ایک بچے کی قبر پر پڑا، قبر تازی تھی، اس نے اپنی بھوک اس بچے سے مٹانے کا فیصلہ کیا اور اس کی قبر کھودنا شروع کر دی وہ اپنے کام میں مصروف تھی اسے وہاں کسی کے آنے کی کوئی خبر نہ ہوئی۔
تبھی گاؤں کے دو تین لڑکوں کا گزر قبرستان سے ہوا جب انہوں نے قبر کھودنے کی آواز سنی تو ان کا دھیان راکھی پر گیا جو قبر کھود رہی تھی۔ ان میں تمہارے والد عفان بھی موجود تھے، وہ تینوں چھپ گئے اور راکھی کو دیکھنے لگے اس نے بچے کو نکالا اور کھانے ہی لگی تھی کہ تمہارے والد عفان بول پڑے۔ "یہ تم کیا کر رہی ہو کون ہو تم۔"
راکھی نے جب یہ آواز سنی تو وہ غصے میں آ گئی اور عفان کی طرف دیکھنے لگی جب اس نے ان تینوں کو دیکھا تو عفان کو یہ کہہ کر غائب ہوگئی کہ "وہ تم سے اس کا بدلہ ضرور لے گی۔"
وہ تینوں ڈرتے ڈرتے گھر آئے اور صبح سارے گاؤں کو واقعہ بتایا تو کسی کو یقین نہ آیا پھر وہ قبر دیکھ کر سب کو یقین آ گیا اور لڑکیوں اور لڑکوں کے لاپتہ ہونے کی وجہ بھی سمجھ آ گئی۔
سب لوگ مسجد کے امام صاحب کے پاس گئے۔
سارا واقعہ بتایا اور بچے کی تدفین کے بعد گھر لوٹ آئے۔
امام مسجد محمد بخش میرا شاگرد تھا اس نے گاؤں والوں کو میرا بتایا تو گاؤں والے سب میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بتایا، میں نے تمہارے والد یعنی عفان سے پوچھا تو اس نے مجھے سب کچھ بتایا میں نے کہا کہ "بیٹا وہ تو کوئی چڑیل نہیں بلکہ کالے جادو کی ماہر راکھی ہے۔ جو ادھر مقیم ہے گاؤں والوں کو اس کا سارا واقعہ بتایا اور یہ بھی بتایا کہ کیسے وہ لڑکے اور جوان لڑکیوں کو غائب کر رہی ہے۔
میں نے ایک رات کا چلہ کاٹا جس سے مجھے اس کے عمل کے پیچھے کی وجہ پتہ چلی میں نے گاؤں والوں کو بتایا کہ وہ تبھی اس عمل میں کامیاب ہوگی جب اسے آخری بلی اس انسان کی ملے جو خاص اماوس کی رات کو پیدا ہوا ہو وہی انسان اسے مار سکتا ہے اور کوئی نہیں پھر مجھے پتہ چلا کہ عفان اماوس کی رات کو پیدا ہوا تھا، میں نے عفان سے پوچھا کہ کیا وہ اسے مارے گا تو عفان نے کہا کہ وہ یہ نیک کام ضرور کرے گا اور اپنے گاؤں والوں کو اس جادوگرنی کے غلیظ عمل سے پاک کرے گا اس کے لئے عفان کو میں نے ایک رات کا چلہ بتایا جو قبرستان میں کرنا تھا۔
لیکن عفان نے کہا کہ "باباجی میں اسے ماروں گا نہیں اسی کمرے میں قید کروں گا جہاں یہ گندے عمل کرتی ہے وہ وہیں تڑپ تڑپ کر فنا ہو جائے گی۔
تو میں نے کہا۔ "بیٹا وہ نہیں مرے گی جب تک

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

اسے کوئی وہی انسان ختم کر سکتا تھا جو اماوس کی رات کو پیدا ہوا ہو یا پھر اسے آزاد کرنے سے منع کر دے تو فنا ہو جائے گی ویسے یہ سزا بھی اس کے لئے دردناک ثابت ہوگی۔

عفان نے ایک رات کا مخصوص چلہ کیا اور پھر دوسرے دن جب وہ اپنے جاپ میں معروف تھی تو ہم نے اسے اللہ کے پاک کلام سے اسی کمرے میں بند کردیا، 20 سال سے وہ یہاں قید تھی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ عمارت کھنڈرات میں تبدیل ہوگئی۔ لیکن راکھی اسی کمرے میں بند رہی اور وہ کسی ایسے انسان کا انتظار کرنے لگی جو اماوس کی رات کو پیدا ہوا ہو، اور اس کے بالغ ہوتے ہی وہ اس کے خوابوں کے ذریعے اسے اپنے تک لائے۔

اور پھر ہم نے عفان کو اس کی بیوی کے ساتھ یہاں سے دور جانے کا کہا کیونکہ یہاں اسے خطرہ ہوسکتا تھا اور پھر وہ ہمیشہ کے لئے اس گاؤں کو خیرآباد کہہ کر چلا گیا۔

کچھ ہی سال بعد ہمیں تمہاری پیدائش کا بھی پتہ چلا اور ہم نے ہی تمہاری ماں سے کہا کہ اپنے بیٹے کا نام حاتم رکھے وہ اپنے باپ کی طرح بہادر اور نڈر ہوگا لیکن اللہ کی کرنی تم بھی اماوس کی رات کو پیدا ہوئے جو بات تمام خاندان کے لئے پریشانی کا سبب بنی لیکن ہوتا تو وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ پھر اس کے بعد عفان کبھی بھی اپنے گاؤں واپس نہ آیا اور پھر تم بالغ ہوئے تو راکھی نے تمہارے خوابوں میں آنا شروع کردیا اور تمہیں ڈرانے لگی اور پھر تم لوگوں کو یہاں شادی پر آنا پڑا کیونکہ گھر کے بڑے بچوں کو یہ سب نہیں بتانا چاہتے تھے۔

لیکن یہاں آ کر تمہیں پھر وہی خواب آئے جس میں راکھی نے تمہیں کہا۔ "تم آ گئے ہو اور مجھے آزاد کراؤ۔" آج بھی تم لوگوں کو وہاں راکھی لے کر آئی، اپنے جادو سے وہاں سے آزاد ہونے میں کامیاب ہو بھی جاتی اگر میں وہاں نہ آتا اور پھر وہ وہاں سے باہر آتے ہی سب سے پہلے تمہیں اور پھر تمہارے خاندان کو ختم کر دیتی اور اپنا بدلہ پورا کرتی اور ہمیشہ کے لئے امر ہو جاتی۔"

ہم نے جب یہ سب سنا تو بابا جی کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے ہمیں بہت بڑی آفت سے بچالیا، میری ایک غلطی میرے سارے خاندان کو چکانی پڑتی، لیکن بابا جی نے کہا کہ "اب کوئی خطرہ نہیں ہے راکھی جہنم واصل ہوچکی ہے۔"

"میرے ابو نے اسے قید کیا اور میں نے اسے آزاد نہ کر کے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔"

بابا جی نے کہا "اب جب چاہے ہم گاؤں آسکتے ہیں اور اگر چاہیں تو ہم یہیں رہ سکتے ہیں۔" میں یہ سن کر بہت خوش ہوا بابا جی کا ہاتھ چوما اور اجازت لے کر گھر آ گئے۔

جب ہم گھر آئے تو سارے گھر والے بہت پریشان تھے کیونکہ ہم صبح کے نکلے رات کے 8 بجے واپس آرہے تھے گھر آتے ہی گھر والوں نے ڈانٹنا شروع کردیا لیکن پھر ہم نے انہیں ساری داستان سنائی جسے سن کر امی، دادی بہت پریشان ہوئیں اور پھر سب نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ نے ہمیں اور ہمارے گاؤں والوں کو اس جادوگرنی سے پاک کردیا اور پھر سارے گاؤں کو یہ بات بتائی گئی سب نے بابا جی کا شکریہ ادا کیا اور بابا جی نے کہا "یہ سب ... اب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فنا ہو گئی ہے۔"

سب گاؤں والوں نے مجھے بہت پیار کیا اور ہمیں واپس بھی نہ آنے دیا، اب ہم اپنے گاؤں میں رہنے لگے، سب مل کر ہنسی خوشی رہتے ہیں اب مجھے میرے گھر والوں اور گاؤں والوں کو کسی راکھی کا کوئی خطرہ نہیں وہ آسیبی کھنڈرات آج بھی موجود ہیں اور وہاں آسیبوں کا ڈیرہ ہے۔ اب وہاں کوئی بھی نہیں جاتا، اب میں ڈاکٹر کے شعبے سے منسلک ہوں۔

بابا جی اب فوت ہو چکے ہیں۔ مجھے ان کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی ہے میں ان کی قبر پر اکثر جاتا ہوں اور جا کر دعا کرتا ہوں اور اپنی زندگی کے معاملات آج بھی بابا جی کو بتاتا ہوں۔

خطرناک عمل

https://www.urdutubes.com/

عقیل جبار

رات کا اندھیرا ہر سو مسلط تھا کہ اچانک نوجوان کی آنکھ کھل گئی نوجوان کے کان میں سرگوشی سنائی دی، تم سیدھے چلتے ہوئے مندر میں پہنچ جاؤ اور پھر نوجوان آنکھیں بند کرکے مندر کی طرف چلنے لگا کہ ....

دل ودماغ پر سکتہ طاری کرتی خوف کی دنیا میں ہلچل مچاتی انوکھی.....داستان حیرت

رات کا وہ نہ جانے کون سا پہر تھا۔ عبدالکریم کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے صحن میں زاہد کی بچھی چارپائی کی طرف دیکھا اور سوچا کہ شاید وہ باتھ روم میں گیا ہے۔ مگر جب اس کی نظر باتھ روم کے دروازے پر پڑی تو وہ حیران رہ گیا باتھ روم کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا، اسے زاہد کی فکر ہوگئی تھی۔

گاؤں میں کچھ بچے اور بچیاں غائب ہوچکے تھے۔ ان کا کچھ بھی پتہ نہیں چلا تھا کہ وہ کہاں چلے گئے۔ عبدالکریم کو بے چینی ہوگئی تھی وہ اندر کمرے میں گیا وہاں بھی زاہد نہیں تھا۔ اچانک اسے چھت کا خیال آیا وہ چھت پر چلا گیا۔ چھت پر کوئی بھی نہیں تھا۔ عبدالکریم نے چھت سے گاؤں کا نظارہ کرنا شروع کردیا۔ وہ دور دور تک آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں چھت سے دور تک دیکھا جاسکتا تھا اس لئے وہ غور

سے دیکھ رہا تھا کہ شاید زاہد اسے کہیں جاتا نظر آجائے۔

زاہد صحن میں سویا ہوا تھا کہ اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے کسی نے اسے جگایا ہے۔ زاہد نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ ایک سادھو اس کی چارپائی کے پاس کھڑا اسے گھور رہا ہے۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا تو زاہد روبوٹ کی طرح اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے اٹھتے ہی وہ سادھو الو بن کر اڑ گیا۔

زاہد اسکول سے چھٹی ہونے پر گھر آرہا تھا کہ وہ سادھو اسے راستے میں ملا تھا زاہد کی جیسے ہی سادھو پر نظر پڑی سادھو نے زاہد کو گھور کر دیکھا۔ اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں زاہد پر ہپناٹزم کردیا تھا۔

''میں رات کو آؤں گا تم چلنے کو تیار رہنا۔'' یہ کہتے ہوئے سادھو آگے بڑھ گیا۔ اور زاہد گھر کو روانہ ہوگیا۔

سادھو کرشن پرانے مندر کے کھنڈرات میں ایک خاص عمل کررہا تھا اس عمل سے اس کی شکتی میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا تھا۔ اسے ایک سال تک مختلف بچوں کی ہر ماہ چودھویں رات میں بلی دے کر کالی ماتا کی بھینٹ چڑھا کر اسے خوش کرتا تھا۔ اپنے عمل کو کامیاب بنانے کے لئے چودھویں کی رات آنے سے ایک ہفتہ قبل ہی ایک بچے کو اغوا کرکے پرانے مندر کے کھنڈرات کے تہہ خانے میں لے جاکر قید کردیتا تھا اور اس بچے کو چودھویں کی رات میں قید خانے میں سے نکالتا تھا۔ قید خانے میں قید بچے کے چیخنے چلانے کی آواز باہر نہیں جاتی تھی۔ اس بنا پر وہ کئی بچے تہہ خانے میں قید کرکے ان کی بلی دینے میں کامیاب ہوچکا تھا۔

ابھی چودھویں کی رات میں ایک ہفتہ باقی تھا۔ اس بار بلی کے لئے اس کی نظر زاہد پر پڑی تھی۔ اس نے رات میں زاہد کو بلانے کی خاطر اس پر ہپناٹزم کردیا تھا۔ اب اسے سادھو کرشن کے اشاروں پر چلنا تھا۔

زاہد نے سادھو کرشن کے سوتے سے اٹھا دینے پر وہ چارپائی سے اترا اور گھر کا دروازہ کھول کر پرانے مندر کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ سادھو کرشن کے ہپناٹزم کرنے پر وہ خاموشی سے آگے کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ ورنہ عام طور پر وہ رات میں باہر نہیں نکلتا تھا۔ زاہد کو رات میں باہر نکلنے پر بہت ڈر لگتا تھا اس لئے کبھی رات میں باہر نکلنے پر وہ اپنے ساتھ کسی دوست کو ضرور رکھتا تھا۔

وہ جیسے ہی پرانے مندر میں داخل ہوا۔ سادھو اسے دیکھ کر خوش ہوگیا۔

''تم آگئے! تمہیں راستے میں کسی قسم کی کوئی پریشانی تو نہیں ہوئی۔'' سادھو نے پوچھا۔

''نہیں مجھے کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوئی، اب میرے لئے کیا حکم ہے۔'' زاہد نے پوچھا۔

''تم سیدھے مندر کے تہہ خانے میں چلے جاؤ۔'' سادھو کرشن نے کہا۔

زاہد کسی روبوٹ کی طرح تہہ خانے کے اندر چلا گیا۔ تہہ خانے میں بستر لگا ہوا تھا وہ وہاں جاکر لیٹ گیا۔ بستر پر لیٹتے ہی زاہد کو نیند آگئی۔

سادھو کرشن کے چہرے پر زاہد کو پرانے مندر میں دیکھ کر ایک خاصی چمک آگئی تھی۔ وہ بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اب اسے اپنا عمل کامیاب ہوتا لگ رہا تھا۔

عبدالکریم کو چاروں طرف دیکھنے پر سخت مایوسی ہوئی تھی۔ زاہد کو نہ پاکر وہ تیزی سے نیچے آیا۔ باہر جانے والا دروازہ کھلا پڑا تھا اس سے ظاہر ہورہا تھا کہ زاہد دروازے کے راستے سے باہر گیا ہے۔ عبدالکریم تیزی سے بدحواسی کے عالم میں باہر کو بھاگا۔ باہر ہر طرف تاریکی کا راج تھا۔ وہ زاہد کو ڈھونڈنے کی غرض سے ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ زاہد وہاں ہوتا تو نظر بھی آتا۔ زاہد کو ڈھونڈنے میں ناکامی پر وہ واپس گھر آگیا۔ وہ گہری سوچ میں غرق تھا کہ آخر زاہد کہاں چلا گیا۔ وہ ڈرپوک واقع ہوا تھا۔ کبھی رات میں اکیلا باہر نہیں جاتا تھا۔ پھر آج اندھیری رات میں وہ کدھر نکل گیا ہے۔

زاہد کو تلاش کرنے پر وہ مایوس ہوکر لوٹ آیا۔ اس کی پوری رات آنکھوں میں کٹی۔ صبح ہونے پر سب گھر والوں کو زاہد کے رات میں گھر سے غائب ہونے کی خبر مل

چکی تھی۔ دادا جان سمیت سب نے زاہد کی تلاش شروع کردی تھی۔ سب کو ہی ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔

دوسرے دن عبدالکریم زاہد کی گمشدگی کے متعلق سوچتا ہوا بازار سے گزر رہا تھا کہ اسے ایک بزرگ ملے۔ وہ عبدالکریم کو دیکھ کر بولے۔

''بیٹے کے لئے پریشان ہے۔''

''ہاں بابا میرا بیٹا زاہد اچھا بھلا گھر کے صحن میں سویا تھا۔ آدھی رات کو وہ گھر سے غائب ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے حالانکہ وہ بہت ڈرپوک ہے۔ کبھی اکیلے رات میں گھر سے باہر نہیں نکلتا ہے۔ پھر نہ جانے وہ کیسے رات میں گھر سے غائب ہوگیا۔'' عبدالکریم نے بتایا۔

''میں گاؤں سے گیا ہوا تھا۔ اور گاؤں میں بچوں کے اغوا ہونے کی وارداتوں میں اضافہ ہوگیا۔ یہ سب کام سادھو کرشن کررہا ہے۔'' بزرگ نے کہا۔

''وہ کیوں ایسا کرے گا۔'' عبدالکریم چونکا۔

''سادھو کرشن ایک خاص عمل کررہا ہے اس عمل سے اس کی شکتی میں بے پناہ اضافہ ہوجائے گا۔ اس عمل کو کامیاب بنانے کو سادھو کرشن کو ایک سال تک ہر ماہ [illegible] ہوتی ہے۔ اس نے تمہارے بچے کو اغوا کرکے مندر کے تہہ خانے میں قید کر رکھا ہے۔ تمہارے بیٹے کو اس کی قید سے آزاد کرانے اور سادھو کرشن کو سبق سکھانے کو تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں تمہیں کہوں۔'' بزرگ نے کہا۔

''بابا جیسا کہیں گے میں ویسا ہی کروں گا۔ بس میرا بیٹا مجھے مل جائے۔'' عبدالکریم نے کہا۔

''میں تمہیں جو وظیفہ پڑھنے کو بتاؤں وہ تمہیں پڑھتے ہوئے پرانے مندر کی طرف جانا ہے۔ تمہارے سامنے جو بھی چیز آئے اس سے گھبرانا نہیں بلکہ وظیفہ پڑھتے ہوئے اس پر پھونک دینا وہ چیز غائب ہوجائے گی کیونکہ وہ سب جادو کی وجہ سے نظر کا دھوکہ ہوگی۔ جب تم مندر کے اندر داخل ہوجاؤ اور سادھو کرشن نظر آئے تم ذرا بھی تاخیر نہ کرنا کلہاڑی کے وار سے اسے

نصیحت

''حجاج بن یوسف نے اپنے دور کے مشہور طبیب شیب بن زید سے فرمائش کی کہ ''مجھے طب کی کچھ اہم باتیں بتاؤ طبیب نے کہا:

1- ''گوشت صرف جوان جانور کا کھاؤ۔

2- جب دوپہر کا کھانا کھاؤ تو تھوڑی دیر سو جاؤ اور شام کا کھانا کھا کر کچھ دیر چلو، چاہے تمہیں کانٹوں پر چلنا پڑے۔

3- جب تک پیٹ کی پہلی غذا ہضم نہ کرلو، دوسرا کھانا نہ کھاؤ چاہے تمہیں تین دن انتظار کرنا پڑے۔

4- جب تک بیت الخلاء نہ جاؤ، سونے کیلئے بستر پر نہ جاؤ۔

5- پھلوں کے نئے موسم میں پھل کھاؤ، موسم جانے لگے تو پھل کھانا چھوڑ دو۔

6- کھانا کھا کر پانی پینے سے بہتر ہے زہر پی لو، ورنہ کھانا ہی نہ کھاؤ۔

(ایس حبیب خان۔ کراچی)

ہلاک کردینا۔ اس کا بچنا گاؤں والوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔'' بزرگ نے کہا۔

''ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا لیکن میرا بیٹا۔

''سادھو کرشن کے ہلاک ہوجانے پر تم وظیفہ پڑھ کر پھونک مارنا تہہ خانہ تم پر ظاہر ہوجائے گا۔'' عبدالکریم نے کہا۔

بزرگ نے عبدالکریم کو وہ وظیفہ پڑھنا سکھایا جو اسے پڑھنا تھا عبدالکریم نے وہ وظیفہ اچھی طرح سے یاد کرلیا اب اسے رات کا انتظار تھا۔ جب رات ہوئی عبدالکریم نے بزرگ کا بتایا ہوا وظیفہ پڑھنا شروع کردیا۔ وہ تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا پرانے مندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک ایک بہت بڑا گدھ اس کی جانب آیا۔ وہ عبدالکریم پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر اس نے فوراً سے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

گدھ پر پھونک ماردی۔ جس سے گدھ کے پروں میں آگ لگ گئی اور وہ چیختا چلاتا وہاں سے بھاگ گیا۔

عبدالکریم گدھ کے بھاگ جانے پر سمجھ گیا۔ وہ کالے جادو کا چکر تھا ابھی وہ مشکل سے پانچ منٹ چلا تھا کہ اس کے سامنے ایک خوفناک قسم کا بھیڑیا آ گیا۔ وہ خونخوار نظروں سے عبدالکریم کو گھورتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ عبدالکریم کو اسے دیکھ کر خوف سا محسوس ہوا۔ اس کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ وہاں سے بھاگ جائے۔ اس کے واپس بھاگنے سے وہ اپنے بیٹے زاہد سے ہاتھ دھو بیٹھتا۔ عبدالکریم نے خود پر کنٹرول کرتے ہوئے خوف کو دور کیا اور اپنی جانب بڑھتے ہوئے بھیڑیے پر پھونک ماردی۔ اس کا پھونک مارنا تھا کہ بھیڑیے کی چیخ نکل گئی۔ اور وہ فوراً سے غائب ہوگیا۔

عبدالکریم نے اس کے غائب ہوجانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اور آگے کی جانب بڑھا۔ پرانا مندر قریب ہوتا جارہا تھا۔ وہ جیسے ہی پرانے مندر کے قریب پہنچا۔ چاروں طرف سے خوفناک قسم کی چیلیں آ گئیں وہ چیلیں اتنی بڑی تعداد میں تھیں کہ وہ منٹوں میں عبدالکریم کے جسم کا گوشت نوچ، نوچ کر کھا جاتیں اور وہاں اس کا ڈھانچہ پڑا رہ جاتا۔

"گھبراؤ مت یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔" بزرگ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

عبدالکریم کا بزرگ کی آواز سن کر حوصلہ بڑھا اور اس نے وظیفہ پڑھتے ہوئے چیلوں پر پھونک ماری تو وہ ساری چیلیں ایسے غائب ہوئیں کہ جیسے وہاں تھیں ہی نہیں۔

چیلوں کے غائب ہوجانے پر عبدالکریم مندر کے اندر داخل ہوگیا۔ مندر کے اندر سادھو کرشن جادو کے زور سے عبدالکریم کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ رہا تھا۔ اس نے عبدالکریم کو مندر کی جانب سے کئی وار کیے تھے مگر وہ ناکام رہا۔ اس بات نے اسے بری طرح خوف زدہ کردیا تھا اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ عبدالکریم کو مندر سے کیسے دور رکھے۔ اس نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے ایک خطرناک عمل کرنے کا فیصلہ کیا اگر وہ اس عمل میں کامیاب ہوجاتا تو عبدالکریم کا ہلاک ہوجان یقینی تھا۔ اس عمل کے لئے سادھو کرشن کو چوکڑی مار کر منتر پڑھنا تھا اس نے فوراً سے منتر پڑھنا شروع کردیا۔

عبدالکریم جب سادھو کرشن کے سامنے پہنچا وہ منتر پڑھنے میں مصروف تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتا۔ عبدالکریم نے کلہاڑی سے سادھو پر حملہ کردیا۔ سادھو کرشن اس اچانک حملے کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اس لئے عبدالکریم نے کلہاڑی کے کئی وار کرکے سادھو کو ہلاک کردیا۔

سادھو کرشن کو ہلاک کرکے وظیفہ پڑھنا جاری رکھا۔ عبدالکریم نے جیسے ہی مندر میں پھونک ماری تو اس کے پھونک مارتے ہی نظروں سے اوجھل تہہ خانہ ظاہر ہوگیا۔ عبدالکریم تہہ خانے کے اندر داخل ہوگیا۔ وہاں زاہد سو رہا تھا۔ جب اس نے زاہد کو اٹھایا تو وہ چونک اٹھا اور پوچھنے لگا۔

"میں یہاں کیسے آ گیا؟"

"بیٹے تمہیں سادھو کرشن نے [illegible] نے اسے ماردیا ہے۔" عبدالکریم نے بتایا۔

تہہ خانے میں اغوا کیے بچوں کی لاشیں پڑی تھیں۔ وہ زاہد کو لے کر گھر کو روانہ ہوگیا۔

صبح ہونے پر جن بچوں کو سادھو کرشن نے اغوا کیا تھا، ان کے والدین کو اطلاع دینے پر وہ اپنے اپنے بچوں کی لاشیں نکال کر لے آئے اور ان کی تدفین کردی۔

عبدالکریم نے بزرگ کے پاس جا کر ان کا شکریہ ادا کیا جن کی وجہ سے زاہد اسے دوبارہ مل گیا تھا۔

وہ بزرگ گاؤں کی آبادی سے دور ایک جھونپڑی میں رہتے تھے۔ ان کے دوسرے گاؤں جانے پر سادھو کرشن کو موقع مل گیا تھا۔ بچوں کی بلی دینے کا۔ عبدالکریم بزرگ کی بات پر عمل کرکے سادھو کرشن کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

وادی سحر

ناصر محمود فرہاد۔ فیصل آباد

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

رات کے گھپ اندھیرے میں خیمے سے باہر نوجوان کو دو سبز ترچھی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں اور ان کی طرف دیکھتے ہی نوجوان اپنے آپ کو تنویمی عمل کے زیر اثر محسوس کرنے لگا۔

خوف و ہراس کے افق پر بل کھاتی اور چنگھاڑتی دل پر دہشت طاری کرتی حقیقی کہانی

یہ میرے دوست "کونڈور" کا تیسرا خط تھا جو مجھے موصول ہوا اور میں اسے اپنے سامنے میز پر رکھے خالی نگاہوں سے دیکھے جارہا تھا۔ میں اسے پڑھ چکا تھا مگر ذہن کسی ایک نقطے پر مرکوز ہی نہیں ہو رہا تھا۔ بے ربط سوچیں مسلسل حملہ آور ہو رہی تھیں۔ وہ دیرالبحری کے علاقے میں ایک گمنام مقبرے کی کھدائی میں مصروف تھا اسے یقین تھا کہ اس مقبرے سے وہ پراسرار مصر کا ایک اور سحر توڑنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ یہاں سے وہ قدیم مصر کی پہلی خاتون فرعون "ہاشپ سو" کا مقبرہ تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔

وہ حسین اور دل کش ہاشپ سو جس نے کئی برس مصر پر فرعون بن کر پوری تابناکی سے حکومت کی مگر جب اس کے سوتیلے بیٹے نے اسے حکومت اور تخت سے معزول کیا تو یہ عظیم ملکہ تاریخ کے دھندلکوں میں اس

طرح گم ہوئی کہ اس کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا۔ مگر اس کوشش کے باوجود اس کی شان و شوکت تاریخ کے دریچوں پر دستک دیتی رہی اور آج کا محقق اس کا کھوج لگانے نکل کھڑا ہوا تھا۔ کونڈور نے بھی اپنی تمام تر توانائیاں مصر کے اس عظیم راز کو کھولنے پر لگا دیں تھیں جو اس عظیم ملکہ کے گرد گھومتا ہے۔

ہاشپ سو کا کوئی تاریخی ریکارڈ کسی دستاویز یا کتاب سے نہیں ملتا۔ نہ ہی کسی مقبرے یا یادگار پر اس کی کوئی تصویر، شبیہہ یا تحریر موجود ہے کیونکہ اس کے جانشینوں نے اس کی ہر یادگار کو بڑی بے دردی سے اس طرح کھرچ دیا کہ کہیں اس کا کوئی نام و نشان نہ بچا۔ ہاشپ سو مصر کے اٹھارویں شاہی خاندان کے حکمران ”طوطمس اوّل“ کی سب سے بڑی بیٹی تھی۔ طوطمس اول کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا طوطمس دوم تخت کا وارث قرار پایا جو ہاشپ سو کا سوتیلا بھائی تھا۔ اس وقت کے مصری قانون کے مطابق ہاشپ سو کو اپنے سوتیلے بھائی سے شادی کرنا پڑی اور وہ مصر کی ملکہ بن گئی۔

فراعنہ میں ”انتقالِ اقتدار“ کا ایک ہی سادہ اصول مروّج تھا کہ تاج و تخت، فرعونِ وقت سے اس کے بڑے بیٹے کو منتقل ہو، جو اس کی شاہی ملکہ کے بطن سے پیدا ہوتا۔ یہ ملکہ ہمیشہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتی تھی اور فرعون کی قریبی رشتہ دار ہوتی۔ اگر اس کا کوئی بیٹا نہ ہوتا تو پھر فرعون کی دوسری غیر شاہی بیویوں کے بطن سے جو بیٹا سب سے بڑا ہوتا حکومت خود بخود اس کو منتقل ہو جاتی مگر اس بیٹے کے لیے بھی فرعون کا لقب اور اختیار حاصل کرنے کے لیے شاہی خاندان کی کسی عورت سے شادی کرنا ضروری تھا تاکہ فراعنہ کا شاہی خون آمیزش کا شکار نہ ہو اور وہ ہمیشہ خالص رہے۔ اس قانونی تقاضے کو پورا کرنے کے لیے ہاشپ سو نے اپنے سوتیلے بھائی طوطمس دوم سے شادی کر لی جو طوطمس اوّل کی غیر شاہی بیوی کا بیٹا تھا۔ خراب صحت کے باعث طوطمس دوم صرف چودہ سال حکومت کر سکا اور مر گیا۔

یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اپنی دبنگ اور بالاتر شخصیت اور فرعون کی بیٹی ہونے کے ناتے وہ پوری سرکاری مشینری، بیوروکریسی، محل، فوج اور خود فرعون طوطمس [illegible] پر مکمل طور پر حاوی تھی۔ طوطمس دوم کا ایک غیر شاہی بیوی ”آئسس“ سے ایک بیٹا تھا جس کا نام طوطمس [illegible] تھا۔ جب فرعون طوطمس سوم مرا اس وقت یہ بچہ ابھی شیر خوار تھا اس لیے حکومت کی باگ ڈور مکمل طور پر ہاشپ سو نے سنبھال لی۔ کچھ غیر واضح اور نامعلوم وجوہات کی [illegible] اس نے ایک ناقابل یقین قدم اٹھایا اور فرعون کا [illegible] اور سارے اختیارات اپنے قبضے میں کرتے ہوئے العنان فرعون بن گئی۔ اس کو فرعون کا شاہی پروٹوکول [illegible] جانے لگا۔ اس سے پہلے ہاشپ سو ہمیشہ ایک روایتی [illegible] کی طرح نسوانی شباہت اور حسن [illegible] لیے منظر عام پر [illegible] مگر ”سرکاری طور پر“ فرعون بننے کے بعد اس نے مردانہ [illegible] روپ لے لیا۔ عوامی اجتماعات اور دربار شاہی میں [illegible] اس نے اپنے آپ کو روایتی بادشاہ کے روپ میں پیش [illegible] شروع کر دیا۔ وہ فرعون کی روایتی عبا اور وحشی، تاج شاہی زیب سر [illegible] مصنوعی داڑھی لگا [illegible] عوام پر یہ ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ ایک مرد [illegible] حکومت چلا رہی ہے۔

ملکہ ہاشپ سو 1458 ق م میں فوت ہو گئی۔ اُس وقت اس کی عمر تقریباً پچاس سال کی تھی۔ ہاشپ سو کے مرنے کے بعد اس کے سوتیلے بیٹے طوطمس [illegible] نے حکومت سنبھالی جو اس سے ناقابل یقین حد تک نفرت کرتا تھا اس کی کامیابیوں کی ایک علیحدہ اور [illegible] تاریخ ہے۔ فرعون کا تاج و تخت سنبھالنے کے بعد وہ ”فرعون“ بن گیا اور اس نے ہاشپ سو کی ہر یاد [illegible] مٹانے کی کوشش کی۔ اس نے اس سے متعلقہ [illegible] کہ دیواروں پر کندہ تصاویر و عبارات کو یا تو مسمار کر [illegible] پھر کھرچ دیا۔ یہ اس کے غصے اور نفرت کا اظہار تھا اور اس طرح اپنی قوت و جبروت کا اظہار بھی چاہتا تھا۔ معبد اور مقابر میں ایستادہ ہاشپ سو کے مجسمے گرا دیے گئے۔ بادشاہوں کی سرکاری فہرست سے اس کا [illegible]

حذف کر دیا گیا۔ اس ساری کارگزاری کا نتیجہ یہ نکلا کہ قدیم مصری تہذیب کے ماہرین 1822ء تک ہاشپ سو کے وجود سے بالکل ہی لاعلم رہے۔ اُن پر یہ عقدہ اُس وقت کھلا جب وہ دیرالبحری کے معبد کی دیواروں پر کندہ تحریروں کو پڑھنے کے قابل ہوئے۔ سنگ سرخ سے جو لاٹیں تعمیر کی تھیں ہشپ سو کا نام ان پر کندہ ہے۔ ان میں سے سوائے ایک کے باقی سب کو زمین بوس کر دیا گیا تھا جو ایک باقی بچی اس کو گرانے کی بجائے طوطمس سوم نے حکم دیا کہ اس کو ڈھک دیا جائے لہٰذا اُس لاٹ کے گرد اونچی اونچی دیواریں کھڑی کر دی گئیں باقی کام وقت کی گرد نے کر دکھایا اور آہستہ آہستہ سب کچھ انسانی آنکھ سے اوجھل اور دسترس سے باہر ہوتا چلا گیا۔ ان دیواروں کے پیچھے بلند لاٹ پر کندہ اس کی ساری تفصیل وقت کے بے رحم ہاتھوں کی دست برد سے بچ گئی اور جب موجودہ دور میں یہ دیواریں گریں تو ہاشپ سو اپنی اسی حکمت کے ساتھ تاریخ کے اوراق پر جلوہ گر ہو گئی۔ یہ اس عظیم فرعون ملکہ ہاشپ سو کے متعلق مکمل تحقیق کی صرف ایک جھلک ہے۔

[illegible] ہیں [illegible] ساحرہ اور جادوگرنی کی اور میرا فرانسیسی دوست کونڈور اسی ساحرہ کا مقبرہ دریافت کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ اس ناممکن کام کو مکمل کر سکے گا۔ اس نے مجھے پہلا خط 1908ء کی سردیوں کے اوائل میں اپنے کیمپ سے لکھا جو بیبان الملک میں اس پہاڑی مقبرے کے عقب میں ہے جس کو ڈیوی کا مقبرہ کہتے ہیں یہ مقبرہ اسی ساحرہ ملکہ کے شاہی ماہر تعمیرات کا ہے۔ ایک تنگ راستہ اس مقبرے کے عقب میں نکلتا ہے جہاں تقریباً سو گز مغرب کی طرف ایک بلند ٹیلے پر کونڈور نے کھدائی کا کام شروع کر رکھا تھا۔ کونڈور نے اپنے خط میں اپنے کام کی ہر تفصیل درج کی تھی مگر اس خط کا آخری پیراگراف عجیب واقعہ پر مشتمل تھا جو مجھے ہمیشہ یاد رہا اور میرے ذہن پر نقش ہو گیا۔ اس نے خط میں لکھا۔

”دو دن پہلے ایک عجیب واقعہ ہوا۔ شام کے وقت جب ہم کھدائی کا کام بند کر کے اپنے خیموں میں لوٹے تو سب بری طرح تھک چکے تھے۔ نہا دھو کر فارغ ہونے کے بعد اب کھانا کھانے کی فکر کی جا رہی تھی۔ سورج اپنی کرنوں کو سمیٹتا ہوا دور صحرا کی وسعتوں میں ریت کی گود میں اتر رہا تھا۔ ریگستان کی ساری ریت شفق رنگ کی ہو رہی تھی اور تم جانتے ہی ہو چڑھتے اور ڈوبتے سورج کی یہ شفق میرے دل اور ذہن کو کیسے اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے۔ اس وقت بھی میں اپنے خیمے کے دروازے پر کھڑا اس سحر میں گرفتار تھا کہ میں نے دیکھا ایک جوان لڑکی جو یقیناً کسی عرب بدو قبیلے سے تعلق رکھتی تھی بھاگتی ہوئی دور ایک ریت کے ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوئی اور گرتی پڑتی سیدھی میرے خیمے کی طرف بڑھنے لگی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ سمجھ سکتا وہ میرے قریب پہنچی اور بری طرح مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے غیر ارادی طور پر اسے دور کرنے کی کوشش کی مگر وہ تو یوں جیسے چپک گئی ہو۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی ڈری سہمی سسکیاں نکل رہی تھیں۔ شاید وہ کسی چیز سے خوف زدہ تھی۔ مجھے عربی زبان کی کافی شدھ بدھ ہے اس لیے میں اس کا مافی الضمیر آسانی سے سمجھ گیا وہ مجھ سے پناہ کی طلب گار تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ کچھ لوگ اس کا تعاقب کر رہے ہیں مگر کیوں اور اس کی وجہ کیا ہے یہ سب واضح نہیں تھا۔ وہ مجھ سے لپٹی خزاں رسیدہ پتے کی مانند تھر تھر کانپ رہی تھی اور واپس جانے کو بالکل بھی تیار نہ تھی۔ میرے لیے یہ ایک مشکل صورت حال تھی کیونکہ کیمپ میں پچاس کے قریب کھدائی کرنے والے مقامی مزدور موجود تھے اور ایک عرب لڑکی کے رات گزارنے کے لیے یہاں کوئی مناسب جگہ یا کمرہ موجود نہ تھا۔ وہ ایک خوبرو اور دلکش بھرپور جوان عرب لڑکی تھی اور کسی بھی قیمت پر واپس جانے کو تیار نہ تھی۔ اس نے اپنا نام ماہرہ بتایا تھا۔ مہمانداری کی عرب روایات بھی آڑے آ رہی تھیں اس لیے مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں نے اپنے خیمے کے مشرقی جانب اس کے ٹھہرنے کو ایک دیوار کے سائے تلے بمشکل بندوبست کیا

https://www.urdutubes.com/

مگر میرے لیے یہ کافی شرم انگیز تھا۔"
میں نے اس کو معمول کا ایک واقعہ سمجھا اور کچھ زیادہ اہمیت نہ دی۔ ایک مہینہ بعد کونڈور کا دوسرا خط دوبارہ موصول ہوا جس سے اس کی پریشانی مکمل طور پر واضح تھی۔ اس نے لکھا تھا۔ "صرف دو دن کا کام باقی تھا پھر یقیناً میں اس حسین ساحرہ کے مقبرے کے دروازے تک پہنچ جاتا اور یہ ایک بہت بڑی دریافت ہوتی مگر ایک صبح جب میں جاگا تو معلوم ہوا کہ سارا مقامی عملہ اور کھدائی کے کام پر مامور تمام پچاس لوگ رات کو کہیں غائب ہو گئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر میں پریشانی کے عالم میں نیچے اس گاؤں کی طرف بھاگا جہاں ان میں سے زیادہ تر لوگ رہتے تھے لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی وہاں نہ ملا بلکہ ان کے رشتے داروں نے بھی ان کی موجودگی سے لاعلمی ظاہر کی۔ میں سخت تشویش میں مبتلا ہو گیا کیونکہ وہ عرب لڑکی ماہرہ بھی ان کے ساتھ ہی غائب تھی۔ میں متعجب تھا کہ یہ میرے خلاف کوئی سازش ہے یا پھر مقامی لوگوں کے اعتقاد کے مطابق کسی منحوس بددعا کا اثر ہے۔"

اس کے بعد کونڈور نے اپنی ان کوششوں کا ذکر کیا کہ کیسے اس نے اپنی ایک نئی ٹیم بنانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر اس کا کہنا تھا کہ اسے یہ کھدائی بند کرنا پڑی کیونکہ وہ اکیلا اپنے خالی ہاتھوں سے یہ کام مکمل نہیں کر سکتا تھا۔

میں اس کے خط کی یہ تحریر پڑھ کر خاصی پریشانی محسوس کر رہا تھا مگر اس سے پہلے کہ کوئی قدم اٹھاتا اور اس کی کسی طرح مدد کرتا کہ اس کے تیسرے خط نے معاملے کو اور زیادہ الجھا دیا۔ اس نے لکھا تھا۔ "مقامی لوگوں کے غائب ہو جانے کے بعد میں بڑی مشکل سے برطانوی آثار قدیمہ کے کیمپ سے چند لوگوں کی مدد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا اور خدا خدا کر کے کام دوبارہ شروع ہو گیا مگر عین اس دن جب کھدائی کا کام دوبارہ شروع ہو رہا تھا وہ عرب لڑکی ماہرہ دوبارہ واپس آ گئی اسے دیکھتے ہی میرا خون کھولنے لگا میں غصے اور حیرت کی ملی جلی کیفیت کا شکار ہو گیا کیونکہ میں اسے اپنی موجودہ صورت حال کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں کوئی سخت بات کرتا اور اسے وہاں سے جانے کے لیے کہتا اس کی آنکھوں سے زار و قطار آنسو بہنے لگے اور وہ بھرائی ہوئی آواز میں بتانے لگی کہ "اس رات اس کے قبیلے کے لوگ اس کا پیچھا کرتے ہوئے اس کیمپ تک پہنچ گئے تھے اور کسی کو خبر کیے بغیر اسے نیند کی حالت میں اٹھا کر واپس اپنے قبیلے میں لے گئے جو نیچے دریائے نیل کے کنارے خیمہ زن تھا۔ وہ اسے قتل کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے مگر آج موقع دیکھ کر وہ پھر وہاں سے بھاگ آئی اور پناہ کے لیے اسے میرے کیمپ کے علاوہ کوئی جگہ نظر نہ آئی۔" اس کی ساری کہانی سن کر میرا سارا غصہ کافور ہو گیا اور مجھے اس پر ترس آنے لگا۔ ماہرہ اب دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر واقع اپنے ننھیالی قبیلے میں جانا چاہتی ہے لیکن اگر وہ اس سفر کے دوران کہیں پکڑی گئی تو اس کا نتیجہ نہ صرف اس کی موت کی صورت میں ظاہر ہو گا بلکہ میری بھی کیونکہ میں اس کو پناہ دے چکا ہوں۔ اس وقت جب میں یہ خط لکھ رہا ہوں [illegible] سفر پر تنہا جانا میں یہ مناسب خیال نہیں کرتا اور کوئی بھی ایسا نہیں جو یہ فرض ادا کر سکے۔"

کونڈور کا یہ خط پڑھ کر میں حیران رہ گیا اور سوچنے لگا کہ جلدی سے ٹرین پکڑوں اور خود لکسور چلا جاؤں۔ دیکھوں تو سہی وہ کون سی عرب دوشیزہ ہے جس نے کونڈور کے دل و دماغ پر قبضہ جما لیا ہے مگر کچھ اور ہی منظور تھا اس سے پہلے کہ میں سفر کا اہتمام کرتا یہ خبر ملی کہ کونڈور بیمار ہے اور اس کو قاہرہ کے ایک ہسپتال میں منتقل کیا جا رہا ہے۔

مجھے جو خبر ملی اس کے مطابق کونڈور کو رات کے وقت ایک بلی نے کاٹ لیا تھا۔ قریبی گاؤں سے فوراً ایک حکیم کا بندوبست کیا گیا مگر اس نے زخم دیکھنے کے بعد علاج سے معذرت کر لی۔ لکسور میں موجود ڈاکٹر بھی اس کا علاج کرنے سے قاصر تھے۔ لہٰذا اسے قاہرہ منتقل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ میں بھاگم بھاگ اس ہسپتال پہنچا تو اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا۔ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا اس کی آنکھوں میں کسی کی کوئی پہچان نہیں تھی۔ وہ بلیوں کی مانند غرا اور چیخ رہا تھا۔ جو کوئی اس کی پہنچ میں ہوتا وہ اس کو پنجے مارنے اور نوچنے کی کوشش کرتا۔

ڈاکٹروں نے اس کے ہاتھ پاؤں بہتیرے باندھنے کی کوشش کی مگر وہ کسی کے قابو نہ آیا اس پر دورے پڑ رہے تھے اور اس نے بستر کی چادر کو چیتھڑوں میں بدل دیا۔ کچھ دن اس کا علاج جاری رہا میرا دل اس کی حالت دیکھ کر کڑھ رہا تھا مگر میں کچھ کر نہیں سکتا تھا پھر خود ڈاکٹروں نے اسے پاگل خانے منتقل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ میرا دل اس پر آمادہ نہیں تھا مگر اس کے سوا چارہ بھی کوئی نہ تھا۔ اس کے بعد میں نے کونڈور کے سامان سے اس کے منصوبے اور تحقیق کے سارے کاغذات وغیرہ حاصل کیے اور اسی سال موسم بہار میں اپنا سامان لے کر وادی لکسور کے قریب کونڈور کے کیمپ میں منتقل ہو گیا۔ میں کونڈور کے نامکمل کام کو خود مکمل کرنا چاہتا تھا۔ میں از سر نو کھدائی کا کام مکمل کرنے کو تیار ہو گیا جو اپنے اختتامی لمحات میں تھا۔

[illegible] وہ سرنگ تلاش کر رہا تھا جہاں بلی کے حملے سے پہلے کونڈور کھدائی کا کام کر رہا تھا۔ اس کو تلاش کرنے میں مجھے زیادہ تگ و دو نہیں کرنا پڑی اور جلد ہی مجھے وہ مقام مل گیا اس کو دوبارہ ریت سے بھر دیا گیا تھا مگر اس کے نشانات ابھی تک موجود تھے۔ اب مجھے یہاں دوبارہ کھدائی شروع کرنا تھی مگر کیسے ۔۔۔ اس کے لیے مجھے مزدور درکار تھے جو سر دست میرے پاس نہیں تھے اور یقیناً اب مجھے ان کی تلاش میں نکلنا تھا۔

☆☆☆

مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ کھدائی کا کام کونڈور نے کسی خاص ترتیب سے شروع نہیں کیا تھا مگر ایک بات یقینی تھی کہ جب اس کے ساتھ یہ حادثہ ہوا وہ درحقیقت سرنگ کی تہ میں کام کر رہا تھا۔ میں انہی سوچوں میں گم کھڑا تھا کہ اچانک اپنے پیچھے کسی کی موجودگی کا احساس

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات سے لکھی گئی مفید کتاب

دل کی بیماریاں

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں، دل کی دھڑکن، خون کے دباؤ کی زیادتی، شریانوں کی سختی وہائی بلڈ پریشر، غذائی 5 تبدیلیاں جو آپ کی زندگی بدل دیں گی، دل کی جڑیں دماغ میں ہیں، بچپن کی تلخیاں اور ہارٹ اٹیک، مرض دل کا سن کر اوسان خطا نہ کریں، دل کا دورہ زندگی بچائیے، خواتین میں ہارٹ اٹیک کی علامات، غصے سے بچیں دل کے دورے سے بچیں بچوں میں دل کی بیماریاں، بائی پاس سرجری اور فرائیڈ چکن، ایمرجنسی تدابیر، صحت مند دل کے لئے دس قیمتی مشورے، امراض قلب کا نباتاتی علاج، پیدل چلنے کے فوائد، دل کی دھڑکن بڑھنے کا غذا سے علاج، دل کی جلن کا غذا سے علاج، دل کے غلاف کی سوجن، ورم غلاف القلب پیری کارڈائیٹس، دل کی سوجن، ورم قلب، دل کی عضلہ کی سوجن کارڈائیٹس۔ اور بہت سی دل کی بیماریوں کے بارے میں جانیے اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجیے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر شاپ نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT

ہوا میں گھبرا کر یکلخت پلٹا تو اپنی جگہ جامد ہو کر رہ گیا میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا میرے عین پیچھے ایک لمبا تڑنگا اور تحیم مقامی شخص عربوں جیسا عبا پہنے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے کھڑا مجھے گھورے جا رہا تھا اس کی لمبی داڑھی ہوا میں اڑ رہی تھی اور اس کی لال لال آنکھیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔

"کون ہو تم ------؟" میں نے بنا سوچے سوال کر دیا۔

"تم کون ہو --- اور یہاں کیا کر رہے ہو ---؟" اس نے خرخراتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

میں نے تھوڑا سا اپنے حواس پر قابو پایا اور بتانے لگا۔ "اب اس جگہ کھدائی کی ذمہ داری میری ہے۔"

"---- اور کونڈور صاحب ------؟" اس کا لہجہ استفہامیہ تھا۔

"وہ تو ہسپتال میں ہے اسے صحت یاب ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔" میں نے وضاحت کی۔

میری بات سنتے ہی اس کے چہرے کی کرختگی اور آواز کی سختی کچھ کم ہوگئی اور وہ کہنے لگا۔ "میں کونڈور صاحب کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ میرا نام حسن ہے میں ان کا سپروائزر تھا یعنی یہاں کے مقامی لوگوں سے میں ہی کام لیتا تھا مگر پھر نہ جانے کیا ہوا خدا جانے سب کہاں گم ہو گئے۔"

"کونڈور کے ساتھ یہ حادثہ ہوا کیسے ------؟" میں نے استفسار کیا تو وہ یوں جیسے غم زدہ ہو گیا ہو اور دھیمی آواز میں بتانے لگا۔

"سارے لوگ جب بھاگ گئے اور صاحب اکیلے رہ گئے تو کام کو جاری رکھنا ممکن نہ رہا مگر صاحب کو بے تابی تھی کہ اس تحقیق کو جلد انجام تک پہنچایا جائے لہٰذا اس رات کونڈور صاحب لالٹین کی روشنی میں اکیلے خود ہی رات بھر سرنگ کی تہہ میں مصروف رہے۔ اس دوران میں ایک باؤلی بلی شاید کسی چیز سے خوف زدہ ہو کر اس گڑھے میں آن گری۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نہ پا کر وہ گھبرا گئی اور اس نے خوف زدہ ہو کر کونڈور صاحب پر حملہ کر دیا اور پھر کہیں بھاگ گئی۔"

جس وقت یہ حادثہ ہوا اس وقت صرف میں ہی ایک آدمی اس کے ہمراہ تھا اور وہ بھی اپنے خیمے میں سو رہا تھا جو کھدائی کے مقام سے کچھ فاصلے پر تھا۔ بے چارے کونڈور کی فلک شگاف چیخوں نے اسے بیدار کر دیا اور وہ سرنگ کی طرف بھاگا مگر کونڈور اسے سرنگ سے کچھ دور خیمے کی طرف راستے پر بھاگتا ہوا ملا۔

اس وقت میں اسی سرنگ کے کنارے پر کھڑا اس کا مشاہدہ کر رہا تھا اور گہری سوچ میں تھا کہ اس کو دوبارہ سے کھولنے کا کیسے بندوبست کیا جائے۔ میں اس کو کھولنے کے لیے زیادہ سے زیادہ متجسس ہو رہا تھا۔ میں کوشش کر کے قریبی گاؤں سے چند مزدوروں کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اب مجھے اگلی صبح ان افراد کے ساتھ اپنا کام شروع اور مکمل کرنا تھا۔

یہ سردیوں کے ابتدائی دن تھے اور نیچے صحرا کے کنارے سیاحوں کی ایک معقول تعداد موجود تھی جو [illegible] والے مقبرے میں آ جا رہے تھے مگر ڈھلوان کے ساتھ اس [illegible] جہاں [illegible] نوٹس بورڈ ایستادہ تھا جس کی وجہ سے اس جگہ کوئی نہیں آتا تھا۔ تاہم اب آسمان پر شام ڈھل رہی تھی اور ڈوبتا سورج صحرا کے آسمان پر اپنے رنگ بکھیر رہا تھا۔ میں کافی دیر وہاں کھڑا اس تنہا مقدس وادی کے حسن اور تنہائی کو اپنے وجود کے اندر اتارتا رہا۔

میں سرنگ کے کنارے پر کھڑا تھا اس کو دیکھ رہا تھا جو دور دریائے نیل کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی اور دور دور پھیلی ہوئی صحرائی پہاڑیاں ہم نظر آ رہی تھیں۔ جا بجا کھڑی سیاہ چٹانیں عجیب [illegible] درویشوں کی مانند نظر آ رہی تھیں اور راہ گزروں کے نشان سانپوں کی مانند پھیلے ہوئے تھے اور میرے عقب میں چٹانی مقبرے کے کمرے تھے جن کی دیواروں پر ان مناظر کی تصاویر کندہ تھیں جو ہاشپ سو کے عہد کے سحر انگیز مصر کی عکاس تھیں۔

ہر سو ایک سکوت طاری تھا مگر میرے عقب میں کبھی کبھی کیمپ سے اٹھتی برتنوں کے کھنکنے کی صدائیں اس مقدس خلوت کے تقدس کو آلودہ کر رہی تھیں۔ قریبی آبادی سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ابھریں اور پھر چند ہی لمحوں بعد یہ آوازیں بند ہو گئیں۔ دور کہیں بانسری کی میٹھی دھن ابھرنے لگی۔ شام کی ہوا دم توڑ رہی تھی اس لیے ہوا کے ساتھ ساتھ بانسری کی ابھرتی ڈوبتی آواز بھی بالآخر دم توڑ گئی۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی کیمپ میں لوٹ آیا اور رات کا کھانا کھانے کے بعد اپنے سفری بستر پر لیٹ گیا۔ قاہرہ کے سرکاری کام کی پابندیوں سے آزاد ہو کر میں پورا سکون محسوس کر رہا تھا اور پوری یکسوئی سے کل کے کاموں کے متعلق سوچ رہا تھا۔

اس پرسکون ماحول میں کوئی بھی آدمی گہری نیند کا مزا لے سکتا ہے۔ میں بھی نیند کی وادیوں کی سیر کرتا رہا یہاں تک کہ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی پھیلنے کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی مگر میری چھٹی حس مجھے کسی انہونی سے چوکنا کر رہی تھی۔

سب سے پہلے مجھے دور گاؤں سے کتوں کے بھونکنے اور غرانے کی آوازیں آنے لگیں۔ میں نے اتنی [illegible] لگیں۔ مگر پھر مجھے ایک دم ادراک ہوا کہ میری آنکھ کتوں کے بھونکنے سے نہیں کھلی بلکہ کتوں کا بھونکنا اور میرا جاگنا کسی ایک خاص واقعہ کا نتیجہ ہے۔ میرے جسم میں سنسنی کی ایک لہر اٹھنے لگی۔ میں نے کوشش کی کہ اس تاثر کو ذہن سے جھٹک دوں مگر میرے ذہن سے جیسے چپک سا گیا۔ میں لاشعوری طور پر اس چیز کے متعلق سوچنے لگا جس کو اس وادی سے گزرتے دیکھ کر کتے بھونکنے پر مجبور ہو گئے تھے اور اس چیز کا رخ کس طرف تھا شاید مقبرے کی طرف، شاید بستی کی طرف یا پھر شاید میری طرف۔

مجھے اس قدر سنسنی کا تجربہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا مگر میں کسی کے آنے کی آہٹ محسوس کر رہا تھا۔ کسی دور دراز جگہ سے ہوا کے ساتھ ابھرتی ڈوبتی موسیقی کے لے کسی کی گونگی فریاد کی طرح میرے دماغ پر ہتھوڑے کی مانند برس رہی تھی۔ وقت شاید موت کی طرح ٹھہر گیا تھا۔ ابھی میں بستر سے اٹھنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا اور اپنی اس حالت کا ذمہ دار رات کے اس بھاری کھانے کو ٹھہرا رہا تھا جو سونے سے پہلے کھایا تھا اور اب شاید معدے کی گرانی کے سبب مجھے ایسے خواب آ رہے تھے اور میرا ذہن ایک نقطے پر یکسو نہیں ہو پا رہا تھا۔ مگر پھر اچانک خیمے کا پردہ اٹھا دور ہلکے نیلے رنگ کا آسمان نظر آ رہا تھا اور صبح کی ہلکی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی جو خیمے کے دروازے میں کھڑی تھی۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ایک مقامی عرب لڑکی تھی اور خیمے کے اندر جھانک رہی تھی۔

اسے دیکھتے ہی میں چونک اٹھا مگر اپنے حواس قابو میں رکھتے ہوئے حلق سے ابھرنے والی بے ساختہ چیخ کو روک لیا مگر میری مٹھیاں بھنچ گئیں اور میں ساکت لیٹا ان آنکھوں میں جھانکتا رہا جو مجھے پلک جھپکے بنا گھور رہی تھیں۔

مجھے اپنے الفاظ کے چناؤ اور ان کی بُنت پر پورا عبور، یقین اور فخر ہے کہ میں ان کو جیسے چاہے بیان کر سکتا ہوں مگر اس وقت میرے الفاظ بھی گونگے ہو چکے تھے۔ میں آج بھی اس کا حسین سراپا بیان کرنے سے اپنے آپ کو قاصر محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے خدوخال قدیم مصری لوگوں جیسے تھے۔ بیضوی چہرہ، انگشتہ دہن، گول ٹھوڑی، بادام کی مشابہت والی آنکھوں میں قدیم مشرقی چمک جن کے گوشے کانوں کی طرف کھنچے ہوئے تھے۔ جسم پر عام سا بوسیدہ لباس۔ وہ صحرائی لڑکی آدھی رات کے صحرائی منظر کی طرح ساکت کھڑی میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس عرب حسینہ کا ملکوتی حسن مجھے برسوں پہلے پڑھی ہوئی ایک کہانی Black sabbath کے صفحات پر لے گیا اس کی حسینہ بھی اسی طرح طویل قامت، دبلی پتلی اور گربہ چشم تھی۔

اچانک میرے حواس بیدار ہو گئے۔ میں نے کمبل ایک جھٹکے سے ایک طرف پھینکا اور پلک جھپکنے میں جست لگا کر لڑکی کی کلائی جکڑ لی۔ میرے اندیشوں کے برعکس وہ بالکل اصلی تھی۔ میری برقی ٹارچ بستر کے پائنتی

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

صندوق پر پڑی تھی میں نے ہاتھ بڑھا کر اس کو اٹھالیا اور اس کی روشنی اس کے چہرے پر ڈالی۔ وہ بدک کر ایک قدم پیچھے ہٹی اور کسی جنگلی بلی کی طرح میری گرفت میں مچلنے لگی۔ جب کوئی راہ نہ پائی تو پھر وہ گھٹنوں کے بل گر گئی اور گڑگڑانے لگی۔ وہ انتہائی عاجزی اور دل دوز انداز میں ایک کے بعد ایک عذر تراشنے لگی اس طرح کہ سننے والے کا دل پسیج جائے۔ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ یہ انداز میں نے پہلے کبھی دیکھا اور نہ دوبارہ۔

وہ عربی زبان میں بول رہی تھی مگر اس کے لبوں سے جو الفاظ نکل رہے تھے وہ سیال موسیقی کی مانند تھے۔ اس کا ترنم اور لے مسحور کن تھی۔ اس عرب دوشیزہ نے اپنی شاندار آنکھیں پوری کھول کر ایک بار مجھے دیکھا اور اپنا آزاد ہاتھ اپنے سینے پر رکھ کر روتے ہوئے مجھے بتانے لگی کہ کیسے وہ اپنی زبردستی کی شادی سے فرار ہو کر یہاں پہنچی ہے اور کیسے بے خانماں اور در بدر صحرا کی وسعتوں میں تین روز اور تین رات تک چھپی رہی۔ بھوک مٹانے کے لیے اس کے پاس چند کھجوریں تھیں جو وہ فرار کے وقت ساتھ لے آئی تھی اور پیاس اس نے ایک جگہ سے تربوز چرا کر مٹائی تھی۔

"اب میں اور زیادہ برداشت نہیں کر سکتی آفندی۔۔۔۔۔۔ ایک اور رات اس ظالم صحرا میں اس چاند کے ساتھ نہیں گزار سکتی۔ صحرائی چٹانوں میں رینگتے ہوئے جاندار چٹانوں کی درزوں سے یوں نکلتے ہیں کہ ان کے انگنت پاؤں صحرا کی ریت پر سرگوشیاں کرتے ہیں۔ یہ مجھے مار دیں گے۔ میں اپنے قبیلے سے ہمیشہ کے لیے نکل چکی ہوں اپنے لوگوں سے میرا اب کوئی تعلق نہیں۔ پورے عرب میں میرا کوئی خیمہ نہیں۔" اس کی آنکھوں سے زارو قطار آنسو بہ رہے تھے۔ پھر وہ دوبارہ کہنے لگی۔

"اگرچہ میں آزاد تھی مگر میری حیثیت ایک غلام کی طرح تھی۔ میں ایک کھلونا، ایک کھیلنے کی چیز تھی میری کوئی مرضی نہیں تھی۔ آفندی!۔۔۔۔ میں حقیر کیڑوں سے بھی بدتر ہوں جو صحرا کی ریت کے اندر رہتے ہیں اگرچہ وہ بھی اسی خدا کی تخلیق ہیں جس نے مجھے بنایا تمہیں بھی۔ تم جو رحم دل اور مضبوط ہو کسی مخلوق کو نہیں گے کیونکہ وہ کمزور اور بے یارو مددگار ہیں۔"

میں نے اس کی کلائی چھوڑ دی اور حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے الفاظ نے تلے اور دھا[illegible] تھے۔ اس کے متعلق میرا جو تاثر تھا وہ ختم ہونے لگا [illegible] اسی طرح جیسے ایک مصور کینوس سے اپنی غلطی کو ما[illegible] انداز میں مٹا دیتا ہے یا درست کر دیتا ہے۔ اس کا [illegible] حسن اپنی ہی زبان میں مجھ [illegible] عجیب سی زبان میں جو میں [illegible] کرنا میرے لیے ممکن نہ تھا۔ [illegible] تاثرات اور اس کے آنکھوں [illegible] میرے خون کی حدت کو بڑھا رہی [illegible] وحشت کا شور مجھ پر [illegible] موسیقار جنون کے عالم میں سُر [illegible] میں چھیڑ رہا ہو۔ ایسے سُر جو پہلے کبھی [illegible] بدو لڑکی جو چند منٹ پہلے ہی میرے خیمے میں [illegible] نے [illegible] تھا اور وہ ابھی تک اپنی مسحور کن آنکھیں مجھ پر [illegible] ہوئے تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے میں [illegible] میری مزاحمت دم توڑ رہی ہے۔ اس وسیع و عریض صحرا میں [illegible] نہیں جو مجھے پناہ دے سکے۔ کیا تم [illegible] بے بس و مجبور عورت شکاریوں [illegible] شکار کی مانند ایک چٹان سے دوسری چٹان کی [illegible] تلاش میں بھاگتی پھرے یا [illegible] میں چھپنے پر مجبور ہو۔ زندگی اسے [illegible] اس کا پیچھا کرے۔"

اتنا کہتے ہوئے اس کا بید مجنوں جیسا بدن [illegible] اور وہ میرے بائیں بازو پر آن گری۔ میں نے اسے ارادی طور پر سنبھالنے کی کوشش کی مگر کچھ اس کے ارتعاش اور میرا جھٹکا لگنے دو وہ میری آغوش میں آن [illegible] اور میرے سینے سے چپک گئی۔ اس نے علیحدہ ہو[illegible]

کوئی کوشش نہ کی بلکہ اپنا چہرہ اوپر اٹھاتے ہوئے سرگوشی نما آواز میں بولی۔

"آفندی!۔۔۔۔ کیا تم نے کبھی مردہ ہڈیوں کو سورج کی دھوپ میں گوشت سے علیحدہ ہوتے دیکھا ہے؟۔"

اس کی بات سنتے ہی میں کانپ کر رہ گیا اور میں نے اس کے گرد لپٹے اپنے بازو یکدم چھوڑ دیے اور ایک طرف ہٹ کر صندوق پر بیٹھ گیا جو میرے لیے کرسی اور میز دونوں کا کام دیتا تھا۔ میرے ہٹتے ہی وہ ایک جھٹکے سے زمین پر آن گری اور اس کا سارا حسن یوں جیسے بکھر کر رہ گیا ہو۔

میرے ذہن میں کونڈور کے خط کی تحریر ابھرنے لگی اور اب مجھے وہ عرب لڑکی یاد آنے لگی جس کا ذکر کونڈور نے اپنے خط میں کیا تھا۔ وہ خوف ناک حالات میرے ذہن میں گھومنے لگے جو اس کی موت کا سبب بنے۔ اس کے ساتھ جو پیش آیا وہ سب بہت ہی غیر حقیقی اور ما فوق الفطرت تھا۔ اور اب اس تنہائی میں یہ جنگلی حسن والی لڑکی میرے قدموں میں بیٹھی تھی اور اس کا احساس [illegible] موڑ اور اس کی بیٹی [illegible] آنکھوں میں جھانکا۔ جونہی میں نے ایسا کیا وہ اس کے بیضوی چہرے پر انگاروں کی طرح چمکنے لگیں۔

"تم دھوکے باز ہو تمہارا نام ماہرہ ہے نا۔۔۔۔ تم کونڈور کے پاس بھی آئی تھیں۔" میں نے عربی زبان میں کہا تو اس کے جسم میں ایک خفیف سی لرزش میں نے محسوس کی۔ یہ کہتے ہوئے میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنا کوٹ اٹھایا جو میرے بستر کے قریب ہی پڑا تھا۔ اس میں سے کچھ سکے نکالے اور اس کے لرزتے گندمی ہاتھوں پر رکھ دیے۔ وہ نیم وا، دوآتشہ نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اپنی نگاہیں اس کے چہرے سے ہٹا لیں اور بولا۔ "یہ چند سکے تمہیں کسی نخلستان تک پہنچنے میں مدد دیں گے۔ میں تمہارے لیے صرف یہی کر سکتا ہوں اب تم جاؤ۔"

اس دوران میں صبح کا دھندلکا پوری طرح اجالے میں بدل چکا تھا اور میں اپنے مہمان کی شکل اور سراپا اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔ وہ اٹھ کر اپنے قدموں پر بالکل سیدھی میرے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اس کا جسم دبلا پتلا تھا اور وہ مجھے سر تا پاؤں عجیب نگاہوں سے گھور رہی تھی۔ جب میں نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا تو اس نے ایک شان بے نیازی سے اپنا سر پیچھے جھٹکا اور ہاتھ میں پکڑے سکے زمین پر میرے قدموں کے پاس پٹخ دیے اور ایک ادا سے مڑ کر خیمے سے باہر نکل گئی۔

اس کے باہر نکلتے ہی انسانیت کا احساس میرے اوپر غالب آنے لگا۔ مجھے محسوس ہوا کہ ایک بے گھر جوان لڑکی کو یوں اس صحرا میں بے یارو مددگار چھوڑ کر میں کوئی غلطی تو نہیں کر رہا۔ چند لمحے میں ہچکچایا، رکا، پھر میں ایک قدم آگے بڑھا اور بلا ارادہ خیمے سے باہر نکل آیا مگر یہ دیکھ کر دھک سے رہ گیا کہ دور تک بکھرے وسیع سپاٹ صحرا میں کہیں کوئی ذی روح نظر نہیں آ رہا تھا بہت دور چند چٹانیں سر اٹھائے کھڑی تھیں اور ان کے ساتھ صحرا کا قالین دریائے نیل کے ساحل تک بالکل خالی بکھرا پڑا تھا۔ وہ آن کی آن میں جانے کہاں گم ہو چکی تھی۔

☆☆☆

صبح سویرے ہی میں نے مزدوروں کے ساتھ مل کر سرنگ کی صفائی کا کام شروع کر دیا۔ مزدور دل جمعی سے کام کر رہے تھے ساری سطح پتھریلی تھی تین فٹ نیچے تک پتھر بھرے ہوئے تھے پھر اس کے نیچے کام آسان ہو گیا یہاں اب صرف ریت بھری ہوئی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ اگر ہم مسلسل چار دن کھدائی کریں تو اس جگہ تک پہنچ جائیں گے جہاں کونڈور نے کام چھوڑا تھا۔ اس کی اپنی تحریر کے مطابق اس سے آگے صرف چھ فٹ کا کام باقی تھا۔ اگر اس کا اندازہ درست تھا تو ہم ہاشپ سو کے مقبرے کے بالکل قریب تھے۔

رات ہونے تک میں بری طرح تھک چکا تھا جس کی وجہ سے نیند بری طرح حاوی ہو رہی تھی۔ میں نے اپنا پستول سرہانے کے نیچے رکھا اور بستر پر دراز ہو

https://www.urdutubes.com/
www.urdutubes.com
Digitized by Google

گیا۔ جلد ہی آنکھیں بند ہونے لگیں مگر تقریباً ایک گھنٹے بعد ہی کچھ آہٹیں سنائی دینے لگیں۔ میں غنودگی کے عالم میں تھا اس لیے جلد ہی پھر نیند کی آغوش میں چلا گیا پھر صبح پو پھٹنے سے کچھ پہلے بیدار ہو گیا۔

ایک دفعہ پھر دور کسی گاؤں میں کتوں کے غرانے اور بھونکنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میری چھٹی حس مجھے اپنے آس پاس کسی ذی روح کی موجودگی سے خبردار کر رہی تھی۔ جوں جوں کتوں کی آوازیں مدھم ہوتی گئیں کسی ان دیکھی ہستی کا احساس موجودگی بڑھتا گیا۔ مجھے یاد آ رہا تھا کہ ایسا ہی احساس جو مجھے کل صبح بھی ہوا تھا۔ جس کے بعد مصر کی وہ دوشیزہ ماہرہ مجھے نظر آئی تھی۔ میں فوراً اٹھ کر بیٹھ گیا اور پستول تکیے کے نیچے سے نکال لیا۔ لپک کر آہستگی سے خیمے کا پردہ ہٹایا۔ باہر نیم اجالا تھا کچھ دیر تک مجھے کچھ نظر نہ آیا پھر چٹانوں کے دھندلے سائے نظر آنے لگے۔ دور ایک چٹان پر کوئی سایہ رینگتا محسوس ہوا۔

اس وقت میں اس کو پہچاننے یا کوئی اندازہ لگانے سے قاصر تھا مگر جوں جوں وہ قریب آتا گیا واضح ہوتا گیا۔ دو سبز نیم وا، ترچھی نوک دار آنکھیں اندھیرے میں چمکتی نظر آ رہی تھیں جو آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھیں۔ بظاہر وہ کسی بلی کی آنکھیں تھیں مگر حجم میں وہ بلی کی آنکھوں سے زیادہ بڑی تھیں۔ میں نے پہلے کبھی ایسی آنکھیں نہیں دیکھی تھیں۔ کچھ اور قریب آنے پر عقدہ کھلا کہ وہ ایک گیدڑ کی آنکھیں تھیں جو اس وقت صحرا میں آوارہ پھر رہا تھا۔ اس قسم کے جاندار کی موجودگی رات کو گاؤں میں کتوں کو ضرور پریشان کرتی ہے مگر کتوں کا اس انداز سے بھونکنا مجھے اس پراسرار عرب لڑکی کی یاد دلا رہا تھا۔ میں کچھ دیر اس نئے خیال کے متعلق سوچتا رہا۔

خیمے سے باہر نکل کر میں کھڑا ہو گیا اور اس طرف دیکھنے لگا جس طرف وہ چمک دار آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ میرا اکلوتا ہتھیار ایک سال خوردہ پستول تھا مگر وہ کافی طاقت ور تھا اور میں اس کو کئی دفعہ پاگل جانوروں پر کامیابی سے آزما چکا تھا اور اس کے نتائج نے مجھے کبھی مایوس نہیں کیا تھا۔

پھر وہ آنکھیں میرے احاطہ نگاہ سے اوجھل ہو گئیں میں آگے بڑھ کر اس چٹان کے کنارے تک گیا جو مقبرے کے اوپر جھکی پڑی تھی کہ اچانک کوئی چمکدار شے برق رفتاری سے میرے پاؤں کے نیچے سے نکلی اور اندھیرے میں گم ہو گئی۔ مجھے یوں لگا جیسے اس کا رنگ کالا تھا مگر ہو سکتا ہے اس کا اصل رنگ کچھ اور ہو اور یہ اندھیروں کے سبب ایسا نظر آیا ہو مگر یقیناً وہ بلی نہیں تھی نہ ہی کوئی گیدڑ۔ غیر ارادی طور پر ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین گولیاں میرے پستول سے نکلیں اور اس اندھیرے میں غائب ہو گئیں۔

بظاہر ایک بھی نشانہ نہیں لگا تھا مگر کیمپ میں موجود سارے لوگ فائر کے دھماکے سے جاگ گئے اور تھوڑی ہی دیر میں بہت سارے سوالیہ چہرے میرے آس پاس جمع ہو گئے تھے۔ میں وہاں چٹان کے کنارے خاموش کھڑا رہا صحرا کو گھورتا رہا۔ وہ لمبوتری چمک دار آنکھیں اور پیچ دار اڑتی شکل خوف کی زبان میں مجھے کچھ کہہ رہی تھیں۔

حسن جو مزدوروں کا نگران تھا اس نے میرا [illegible] تھا تو میں سمجھ گیا کہ اب مجھے وضاحت دینا پڑے گی اس لیے میں بولا۔ "شاید کوئی گیدڑ تھا۔" پھر کچھ بولے بغیر میں اپنے خیمے میں واپس آ گیا۔ باقی رات بغیر کسی حادثے کے گزر گئی صبح ہوتے ہی ہم کام پر لگ گئے سہ پہر تک مزدوروں نے سرنگ میں پڑی ساری ریت ہٹا دی تھی۔

شام کا کھانا بننے تک میں پوری طرح باخبر ہو چکا تھا کہ کیمپ میں مقامی مزدور رات والے واقعے کی وجہ سے خوف محسوس کر رہے تھے۔ وہ ٹولیوں کی صورت اِدھر اُدھر جمع تھے۔ وہ میرا سامنا کرنے سے بھی ہچکچا رہے تھے اور مجھے عجیب نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کچھ مزدور عبادت میں مصروف تھے مگر خوف ان کے چہروں سے مترشح تھا۔ میں حسن کو ایک طرف لے گیا اور پوچھنے لگا۔

"ان لوگوں کو کیا مسئلہ یا غم ہے۔ ان کا رویہ

عجیب سا کیوں ہے۔؟"

حسن لاعلمی کے اظہار میں اپنے کندھے اچکاتے ہوئے بولا۔ "اگر ایسی کوئی بات ہے تو مجھے اس کا علم نہیں نہ ہی مجھے انہوں نے کچھ بتایا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں ان سے پوچھوں۔"

"نہیں شکریہ۔۔۔۔۔۔۔ اگر انہوں نے کل صبح کام شروع کرنے سے انکار کیا تو پھر تم اس بات پر عمل کر لینا۔" میں اس کی سادہ دلی پر ہنستے ہوئے بولا۔

باشب سو کے مقبرے کی مقدس وادی میں وہ میری تیسری شب تھی اور اس بار میں ساری رات سکون اور گہری نیند سویا رہا۔ میری پوری توجہ اگلے دن کے کام پر تھی۔ اب مجھے اپنی منزل پر پہنچنے کا یقین تھا اور صبح جب حسن مجھے جگانے کے لیے آیا تو میں فوراً ہی بستر سے نکل آیا۔

حسن مجھے جگا کر وہیں کھڑا رہا اس نے ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے اور مجھے عجیب انداز سے دیکھ رہا تھا۔

میں نے سوالیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا تو وہ دھیمی آواز میں کہنے لگا۔ "ایک مشکل آن پڑی ہے محترم آقا۔" [illegible]

"کیا۔۔۔ نئی مشکل۔۔۔۔" اس کی بات سنتے ہی میرا دل دھک سے رہ گیا۔

"میرے ساتھ باہر آیئے۔۔۔۔" حسن یہ کہتا ہوا پلٹ کر خیمے سے باہر نکل گیا۔

میں حیران و پریشان اس کے پیچھے باہر لپکا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا مقبرے کی ڈھلوان پر اتر رہا تھا۔ میں جب وہاں پہنچا تو سامنے نظر پڑتے ہی میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میرے منہ سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔

وہ سرنگ جو کل شام تک بہت گہری کھودی جا چکی تھی اب لبالب بھری نظر آ رہی تھی۔ میں حیرت زدہ نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا۔ اب وہ پھر اسی طرح تھی جس طرح میں نے اس کو پہلے دن دیکھا تھا۔

"اور آدمی۔۔۔؟" میں نے حسن کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش زدہ انداز میں پوچھا۔

حسن نے کندھے اچکا کر اپنی لاعلمی کا اظہار کر دیا اور بولا۔ "سب چلے گئے۔ وہ رات کو ہی بھاگ گئے تھے۔"

"اور یہ۔۔۔۔" میں نے مٹی اور پتھروں کے ڈھیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا۔۔۔ یہ بھی ان ہی کا کام ہے؟۔"

"بظاہر تو یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔" حسن نے مختصر سا جواب دیا۔

میں وہاں کھڑا اپنی محنت کے برباد ہونے کا نظارہ کرتا رہا۔ اس عجیب صورتحال کو دیکھ کر مجھے صرف غصہ نہیں آ رہا تھا بلکہ میں سوچ رہا تھا اگر ان گم شدہ مزدوروں میں سے ایک بھی میرے ہاتھ لگ گیا تو اس کو میرے ہاتھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔"

جہاں تک حسن کا سوال تھا اس کو بھی ان بھگوڑوں کی گردن توڑ کر اتنی ہی خوشی ہوتی جتنی مجھے مگر وہ پرسکون نظر آ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا۔

"یہ سرنگ تازہ بند کی گئی ہے۔ ابھی اس کی مٹی نرم ہے تم اور میں مل کر تین یا چار دن میں اس کو دوبارہ کھود لیں گے۔"

اس کی بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا اس لیے جلدی جلدی ناشتہ کرنے کے بعد ہم دونوں اوزار پکڑ کر کھدائی کے کام میں جت گئے۔ ہم ایسے کام کر رہے تھے جیسے وہ غلام جن کے سر پر فرعون کے پہرے دار کوڑے لہراتے سوار رہتے تھے۔ مسلسل کھدائی سے میری کمر دکھنے لگی۔ ہر ایک عضو اور پٹھہ درد کر رہا تھا۔ کڑاکے کی دھوپ اور گرمی اس پر مستزاد تھی اور جب شام کا دھندلکا اترا تو پتھروں اور مٹی کا ڈھیر سرنگ سے باہر منتقل ہو چکا تھا اور اب ہم سرنگ کے اندر کھود رہے تھے۔ اتنی دور تک کھدائی کرنے میں مزدوروں نے اس سے دگنا وقت لیا تھا۔

آخر کار شام میں جب تھک ہار کر ہم نے اپنے اوزار نیچے رکھے تو میں نے حسن کا ہاتھ تھام لیا۔ مجھ سے نظریں ملیں تو اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ یہ اس کی طرف

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

سے تشکر اور شکر گزاری کا انتہائی مظاہرہ تھا۔

میں اس رات مدہوشی کے عالم میں سویا مگر یہ بے خواب نیند نہ تھی اور اتنی گہری بھی نہیں جتنی مجھے امید تھی۔

بلی کی دو چمکتی ہوئی آنکھیں میرے خوابوں میں چکراتی رہیں اور اس کی غراہٹیں ساری رات میرے اعصاب پر سوار رہیں۔ جب میری آنکھ کھلی تو سورج سر پر آچکا تھا اور چٹانوں کے اوپر چمک رہا تھا۔ مجھے اندازہ ہوگیا کہ دن چڑھے کافی وقت ہوگیا ہے۔ دور سے مجھے گدھوں کے ہنکانے والوں اور سیاحوں کی آمدورفت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں اچھل کر بستر سے اٹھ گیا۔ میں حیران تھا کہ آج اتنا دن چڑھ آیا اور حسن نے مجھے جگایا کیوں نہیں۔؟

میں لپک کر خیمے سے باہر آیا اور بلند آواز میں حسن کو پکارا مگر کوئی جواب نہ آیا تو میں بھاگ کر ہموار سطح پر گیا اور سرنگ کی طرف جھانکا۔ میرا دل دھک سے رہ گیا۔ کل شام تک جس سرنگ کو ہم دونوں نے کافی دور تک کھود دیا تھا وہ اس وقت دوبارہ لبالب بھری پڑی تھی اور پوری طرح بند تھی۔

غصے کے مارے میرے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ میں نے ایک نظر کیمپ کی طرف دیکھا اور پھر ایک نظر اپنے خیمے کی طرف پھر دوبارہ اس ٹیلے کو دیکھا جہاں چند گھنٹے قبل ایک گڑھا تھا۔ میں سوچنے پر مجبور تھا کہ میں پاگل ہوگیا ہوں۔ میں غصے میں اس ٹیلے کے پتھروں کو پاؤں سے ٹھوکریں مارنے اور مٹی اڑانے لگا۔

اچانک وہاں مجھے کاغذ کا ایک ٹکڑا پڑا نظر آیا۔ میں نے جلدی سے اسے اٹھالیا۔ حسن کچھ تعلیم یافتہ تھا یہ یقیناً اسی نے لکھا تھا کیونکہ وہ عربی زبان میں تحریر تھا۔ بغیر کسی دقت کے میں نے اسے پڑھ لیا۔ اس پر لکھا تھا۔

”آفندی!۔۔۔۔۔۔ جس قدر جلد ممکن ہو یہاں سے بھاگ جاؤ۔۔۔۔۔۔ یہ جگہ آسیبی ہے۔ میں بھی یہاں سے جارہا ہوں۔“

میں نے غصے کے عالم میں کاغذ کا وہ ٹکڑا پھاڑ کر پرزے پرزے کردیا اور ان پرزوں کو ہوا میں اڑا دیا [illegible] سوچنے لگا یہ عجیب پاگل پن ہے۔ جس آدمی نے یہ [illegible] ہے اس کی شہرت بے خوف اور قابل عزت تھی اور [illegible] نے کیمپ میں ہونے والے کافی واقعات اور معاملات مسائل کو احسن طریقے سے حل کیا تھا۔ اب اس کا یہ [illegible] ناقابل یقین تھا اس لیے اب مجھے اپنے حواس پر [illegible] کرنا تھا۔ مگر اب میں کیا کروں۔

میں مایوس قدموں سے کیمپ میں واپس [illegible] اور اپنا ناشتہ تیار کرنے لگا۔ فارغ ہو کر کدال اور [illegible] اٹھایا، نیچے وادی میں آیا اور دوبارہ کام شروع کردیا۔ [illegible] کام دسیوں آدمی مل کر نہیں کرسکے تھے وہ اب ایک آدمی نے رادہ کیا تھا کرنے کا۔ ابھی کام شروع کیے آدھ گھنٹہ ہی ہوا تھا کہ میرے ذہن میں ایک خیال ابھرا جسے سوچ کر میں کانپ کر رہ گیا۔ میں اپنے اور کونڈور کے [illegible] موازنہ کرنے لگا جلد ہی یہ مجھ پر یہ واضح ہوتا گیا کہ پراسرار واقعات پے در پے اپنے آپ کو دہرا رہے تھے کونڈور کی دردناک موت کے واقعات اور [illegible] میرے ذہن میں چکرانے لگے۔ [illegible] اوپر چمک رہا تھا صحرائی وحشی خاموشی میں [illegible] کوئی بھی آواز دور سے سنی جاسکتی تھی۔ میں جانتا تھا [illegible] نیچے ڈھلوان سیاحوں سے بھری پڑی تھی مگر میرے [illegible] پے میں دوڑنے والی خوف کی لہریں میرے اعصاب [illegible] جھنجھوڑ رہی تھیں۔ صاف بتادوں مجھے رات [illegible] سوچ کر ہی خوف آرہا تھا۔ بہرحال شام کا اندھیرا [illegible] تک میں کھدائی کے کام میں مصروف رہا۔ [illegible] ہوش نہیں تھا۔ خیمے میں واپس آتے ہی میں بستر [illegible] گیا اور اپنے پستول سے کھیلنے لگا۔

مجھے احساس تھا کہ موجودہ حالات [illegible] تھی۔ مجھے اندازہ تھا کہ کل مجھے اپنے ساتھ کم از کم [illegible] مزید آدمی کی ضرورت ہوگی۔ اپنی انا ایک طرف رکھ [illegible] مجھے نئے مزدور اور ایک نیا مددگار ڈھونڈنا تھا۔ بالآخر [illegible] بھی یہ ماننے پر مجبور ہوگیا تھا کہ اساطیری خطرہ پوری [illegible] کو گھیرے ہوئے تھا۔ میں مسلسل حسن کے متعلق سو[illegible]

جارہا تھا میں ماننے پر مجبور تھا کہ وہ بھی اتنا ہی دلیر تھا جتنا میں مگر وہ چلا گیا تھا آخر اس رات ایسا کیا ہوا تھا کہ وہ بھی دل چھوڑ گیا۔

☆☆☆

میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اصل میں ہوا کیا تھا اور یہ اکلوتی وضاحت تھی جو مجھے ملی کیوں کہ یہ سرنگ جو کونڈور نے کھودی تھی یہ راستہ تھا ہاشپ سو کے اصل مقبرے کا جو ابھی تک دریافت نہیں ہوا تھا۔

رات کو میں اپنے بستر کے کنارے پر کافی دیر تک بیٹھا مختلف سوچوں میں گم رہا۔ میں اپنی آنکھیں سونے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا مگر میری جدوجہد رات کے آخری پہر دم توڑ گئی۔ میں آج تک نہیں سمجھ پایا کہ وہ خواب تھا یا میں اسے خواب سمجھ رہا تھا۔ خیمے سے باہر کچھ آہٹیں سنائی دیں تو میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور پستول [illegible] کر خیمے سے باہر نکل آیا۔ چند لمحے تو گھور تاریکی میں مجھے دکھائی نہ دیا مگر پھر میرا دل یوں جیسے دھڑکنا بھول گیا ہو۔

دو سبز چمکتی آنکھیں مجھے مسلسل گھور رہی تھیں ان کی طرف دیکھتے ہی میں اپنے آپ کو تو کسی عمل کے زیر اثر [illegible] اور کونڈور کو جکڑا ہوا [illegible] کو جھٹکتے ہوئے ان سبز آنکھوں سے اپنی نظروں کو ہٹالیا مگر جیسے ہی دوسری طرف دیکھا وہاں بھی ایسی ہی سبز آنکھیں گھورتی ہوئی نظر آئیں۔ میں نے گھبرا کر آس پاس دیکھا تو چکرا کر رہ گیا کیونکہ سبز آنکھوں کا ایک پورا حلقہ مجھے گھیر رہا تھا۔ میں دل ہی دل میں خدا کو یاد کرنے لگا۔ پھر ان چمکتی آنکھوں کے پیچھے کچھ شبیہیں ابھرتی محسوس ہونے لگیں۔

یہ لچک دار، گھومتی بل کھاتی شکلیں مجھے گھیر رہی تھیں۔ بلی کی شکل میں ایک غول بیابانی تھا جو میرے آس پاس تھا۔ بعض اوقات ایک لمحے کے لیے ان کی ہیئت بدل جاتی اور وہ شعلے اگلتی آنکھیں کسی عورت کے چہرے پر نظر آنے لگتیں۔ خوف کا یہ حلقہ میرے گرد رقص کناں تھا جدھر دیکھتا ادھر یہی آنکھیں نظر آتیں۔ میں جس طرف سے بھی بچ کر نکلنے کی کوشش کرتا وہ غراتی شعلے اگلتی آنکھیں اسی طرف جمع ہوجاتیں۔

میرا حلق خشک ہورہا تھا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ میں بچ نکلنے کی جدوجہد میں سرنگ کے دہانے تک پہنچ گیا۔ وہاں مجھے وہ اوزار پڑے نظر آرہے تھے جو کل رات میں کام ختم کرنے کے بعد تھکاوٹ کے بعد وہیں چھوڑ گیا تھا۔ اپنے آس پاس دیکھتے ہوئے میں نے خوف کی ایک ایسی لہر محسوس کی جو میں بیان نہیں کرسکتا۔ اب سبز آنکھوں کا وہ حلقہ مکمل ہوچکا تھا اور میں اس کے اندر بری طرح پھنس گیا تھا۔

وہ بے نام، لچک دار مخلوق اب اس گڑھے کے گرد جمع ہورہی تھی جہاں کھدائی ہورہی تھی۔ ان میں سے کچھ مجھ پر جست لگانے کو تیار تھیں۔ میرے ذہن کے اندر ایک اجنبی سی آواز ابھری۔ وہ آواز مجھے ہتھیار ڈالنے اور ہار ماننے کو کہہ رہی تھی مگر میں جانتا تھا کہ اگر ایسا ہوگیا تو کونڈور کی قسمت میرا مقدر بن جائے گی۔

پھر اس اندھیرے سناٹے میں ایک خوف ناک قہقہہ کی آواز گونجی اور۔۔۔۔۔۔ یہ قہقہہ میرا اپنا تھا۔

رات کے سناٹے میں یہ ہسٹریائی خوف ناک جشن جاری تھا اور میں کدال اٹھائے دیوانوں کی طرح اس سرنگ کو مٹی اور ریت سے بھر رہا تھا۔

آخر کار صبح میری آنکھ کھل گئی مگر جب میں بیدار ہوا تو میں اپنے بستر پر نہیں لیٹا تھا بلکہ باہر ہموار سطح پر پڑا ہوا تھا۔ میرے ہاتھ زخمی تھے اور ان سے خون رس رہا تھا۔ میرے بدن کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا۔ مجھے رات کا وہ خوف ناک خواب اس وقت بھی یاد تھا اور آنکھ کھلتے ہی مجھے احساس ہوا کہ میں اب بھی خواب دیکھ رہا ہوں۔ آنکھ کھلتے ہی میں اٹھ کر نیچے وادی کی طرف چل پڑا۔

ہاشپ سو کے مقبرے کی سرنگ ہمیشہ کے لیے اوپر تک بند ہوچکی تھی اور سرنگ کے دہانے سے کچھ دور لمبی تیکھی آنکھوں والی ایک کالے رنگ کی بلی مردہ پڑی تھی۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

ساڑھ ستی

عثمان غنی۔پشاور

وہ گاؤں عجیب و غریب حالات سے دو چار تھا، گاؤں کے پنڈت نے لوگوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا کہ ساڑھ ستی کے سمے پیدا ہونے والی بچی یا بچہ منحوس ہوتا ہے اور پھر جب حقیقت کھلی تو......

کہتے ہیں کہ جادو اور عمل نا قابل یقین شکتی شالی ہوتا ہے......ثبوت کہانی میں ہے

وہ صبح سے سوئی ہوئی تھی، ہاسٹل کی ایک دن کی چھٹی وہ سو کر مناتی تھی، اس ملک میں غربت بہت عام تھی۔ وہ بھی تو ایک غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، مگر وہ یہاں اپنے گاؤں سے دور اس شہر میں پڑھنے آئی ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کو کچھ بننا تھا، اپنے گھر والوں کا بیٹا وہ بننا چاہتی تھی، اس نے اپنے گاؤں میں بیٹیوں کی پیدائش پر صرف ماتم کرتے دیکھا تھا۔ یا پھر ان کو زندہ دفنانے کے قصے کہانیاں وہ سنتی آئی تھی۔ شروع سے اس نے ایسی ہی باتیں سنی تھیں۔

اس کے باپ پر سود کا قرضہ نہیں تھا۔ ورنہ وہ اسے بھی دوسرے کسانوں کی طرح زندہ دفنا دیتا، اور دوسری اہم بات یہ تھی۔ کہ اس کا باپ دوسرے کسانوں کی طرح سوچ و بچار نہیں کرتا تھا۔ وہ دوسروں سے الگ انداز میں سوچتا تھا۔

وہ بہت زیادہ قابل تھی، اس نے میٹرک میں اول پوزیشن حاصل کیا تھا۔ وہ سرکاری خرچے پر اس بڑے کالج میں داخل ہوئی تھی۔ وہ دن رات پڑھائی میں ایک کر دیتی۔ اس نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی۔ وہاں نہ صرف ظلم تھا بلکہ زیادتی کا بازار بھی تھا۔ وہ گاؤں جہاں سے وہ آئی تھی۔ وہ لڑکیوں کے لیے ایک دفن گاہ تھا، بلکہ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی کسی زمین کے انجان گوشے میں دفن کر دیا جاتا تھا۔

پندرہ سال قبل۔۔۔۔۔ارنیش پور

جب وہ پیدا ہوئی تو اس کا نام سپنا رکھا گیا تھا۔ اس کی ماں کی خواہش تھی کہ [illegible] پیدا ہوئی۔ اور یوں اس کے باپو نے [illegible] کی روایت توڑ ڈالی۔ اس نے خوشیاں منائیں [illegible] لڈو تقسیم کیے۔ وہ سارے گاؤں میں ناچتا رہا [illegible] لوگ، اسے پاگل، بدھو، باؤلا، خبطی کہتے رہے، پر اس نے مطلق پرواہ نہ کی۔ اسے کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ کیونکہ اس نے سب سے کہا، "کہ بیٹی دیوی کا اوتار ہوتی ہیں۔" اور بھگوان نے دنیا کے رنگ عورت ذات سے ہی مکمل کیے ہیں۔

لوگ سمجھاتے رہے۔ "کہ پرایا دھن ہے، تیرا سب کچھ برباد کر کے لے جائے گی۔" پر اس نے نہ مانی۔ اس کے باپ کا نام رگھو تھا۔ وہ ذات کے ہندو تھے۔ مگر دوسروں سے الگ انداز میں وہ سوچتے تھے۔ وہ بھی کسان تھے۔ اپنی بیوی سے محبت بھی بہت کرتے تھے۔ اس کا سوچنا تھا کہ اگر میری بیوی کو اس کے باپ زندہ دفنا دیتے تو وہ آج میری بیوی نہ ہوتی۔ اور نہ میں

کبھی بیٹا سے زندگی میں مل پاتا۔ نہ وہ میرے گھر کی رانی ہوتی اور نہ ہی میری محبت بنتی۔

کچھ اس کے دوست تھے، وہ رات کو اسے سمجھانے آئے تھے۔

"رگھو لڑکی ہے، زندہ گاڑ ڈال اسے زمین میں، [illegible] کی۔ اور یہ تیری بچی ساڑھ ستی کا سبب بن سکتی ہے۔"

"یارو! میری بیٹیا ہے، اگر نام خراب ہوگا، تو میرا ہوگا۔ تم لوگوں کو زیادہ دماغ خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ساڑھ ستی کا دور لڑکی کے پیدائش سے نہیں بلکہ بھگوان کے چاہ سے آتا ہے۔"

"دیکھ رگھو! ہمارا کام سمجھانا تھا وہ کر دیا باقی تیری مرضی ہے۔ اویناش، پرتو داس، دلیپ نے بھی اپنی بیٹیاں زندہ دفنا دی تھیں۔" رام ناتھ نے اس کے سامنے بیٹھے ہوئے دوستوں کی مثال دی۔ اور وہ لوگ بھی اثبات میں سر ہلانے لگے۔ اور فخر سے رامنات کو دیکھ کر گردن اثبات میں ہلا دیتے۔

"نہیں یہ لوگ پاگل تھے، ان کو اپنی بیویوں سے کوئی محبت ہی نہ ہوگی، ورنہ اس قدر گھناؤنا فعل کبھی نہ کرتے" رگھو نے کہا۔

"مندر کا پجاری کا بھی یہی حکم ہے۔ کہ ساڑھے سات سال تک اس گاؤں، ارنیش پور میں جتنی بھی چھوکریاں پیدا ہو جائیں، ان سب کو زندہ دفن کر دیا جائے۔" اس کے دوسرے دوست دلیپ نے منہ کھولا۔

"مندر کے پجاری سے پوچھ، کہ اسے کس نے جنم دیا؟ عورت نے۔ جو آج کی بچی ہے وہ کل کی بیٹی، بہن، بیوی، بہو، بھابی، ماں بنے گی۔ میں اس بچی کو کیسے دفنا سکتا ہوں" رگھو نے کہا۔ اور سب کو دیکھا۔ سب کے چہروں پر ہوائیں اڑنے لگیں۔

"رگھو.....! تم اپنے ساتھ ہی نہیں اس گاؤں والوں کے ساتھ بھی برا کر رہے ہو۔ یہ گاؤں ساڑھ ستی ہے، جو منحوس دور یہاں سے ختم ہو چکا ہے، وہ تیری یہ بچی دوبارہ اپنے ساتھ کھینچ کر لے آئے گی۔ اور اگر مندر کے پجاری کو پتہ چل گیا تو وہ بہت ناراض ہوگا۔"

"میں اپنی بچی کا جواب دے سکتا ہوں، جو عذاب ختم ہو چکا ہے، اس کو پانچ برس ہو گئے ہیں"

"مندر کے پجاری کا کہنا ہے کہ اگر کسی گھر میں بچی پیدا ہو گئی، اور اس نے اسے زندہ نہیں دفنایا، تو دوبارہ ساڑھ ستی آ سکتی ہیں۔ کتنی مشکلوں سے تو وہ منحوس دور ختم ہو چکا ہے" اویناش نے اسے پجاری سے ڈرایا۔

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

"وہ منحوس دور اگر آیا تو اس کو بھی دیکھ لیں گے، فی الحال اگر تم لوگ میری خوشی میں خوش نہیں ہو۔ تو تم جا سکتے ہو۔" رگھو نے دوستوں کو دیکھا۔

"رگھو....! تم سمجھتے کیوں نہیں ہو۔ پجاری تمہارا جینا محال کر دے گا۔ اس کے خلاف تم نہیں جا سکتے۔" دلیپ نے رگھو کو سمجھانا چاہا۔

"دیکھو....! دلیپ وہ کون ہوتا ہے؟ ہمارا فیصلہ کرنے والا۔۔۔! وہ کوئی بھگوان نہیں ہے کہ جو وہ چاہے گا وہی ہوگا۔" رگھو نے دلیپ کو دیکھا۔

"رگھو۔۔۔! ہماری بات مان لے، اس آگ کو پروان نہ چڑھا۔ کل کو تجھے جلا کر بھسم کر دیگی۔" اویناش نے اس کی طرف ایسے دیکھا۔ جیسے وہ کوئی بہت بڑا پاپ کر رہا ہو۔

"اویناش میں اپنی بیٹی کو کسی بھی صورت زندہ زمین میں نہیں گاڑوں گا۔" رگھو پوری شدت سے چیخا۔ اندر لیٹی ہوئی اس کی بیوی سیتا بھی سہم گئی۔ اس کی چیخ نے اس کو ڈرا کر رکھ دیا۔ اس کے پاس قریب ہی پنگوڑی میں سپنا جہاں لیٹی ہوئی تھی۔ اور وہ اسے جھولا رہی تھی۔ سیتا بھی کچھ بددل سی ہو گئی تھی۔ کیونکہ گاؤں کے مندر کے پجاری نے لڑکیوں کی پیدائش کو برا شگون کہہ کر دفنانے کا کہہ کر قصہ تمام کر دینا چاہا تھا۔ اور پچھلے کئی سالوں سے مسلسل اس گاؤں میں لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے رگھو۔۔۔!!! تو اپنی کر، مگر تیرا پھر ہم سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔" دلیپ نے اسے وارن کر دیا۔

"ہاں۔ میں بھی تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ تم لوگ نہ صرف جاہل ہو۔ بلکہ اپنی بچیوں کے قاتل بھی ہو۔" رگھو نے منہ دوسری طرف کر دیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔

"تم اپنے ساتھ برا کر رہے ہو۔ رگھو یہ بچی تم سے چھین لے گا۔" پرشو نے اسے دھمکایا۔

"نہیں چھین سکے گا۔ وہ میری بچی کو ہاتھ لگا کر تو دکھائے۔ میں اس کو اس کی اوقات یاد دلا دوں گا۔" [illegible] نے ترش لہجے میں کہا۔

"سارے گاؤں والے ٹھیک ہی کہتے ہیں [illegible] لڑکی پیدا کر کے خبطی ہو چکا ہے۔" دلیپ نے با[illegible] سے کہا۔

ہاں....! ہمیں بھی کوئی شوق نہیں چڑھا۔ تم بے عزت ہونے کا۔ مگر یاد رکھنا جس دن پجاری کو [illegible] چلا، برا ہو جائے گا۔ وہ تمہارا جینا مشکل کر دے گا۔" [illegible] کا دوست دلیپ نے اسے سمجھانے کی آخری بار کوشش کی۔ مگر وہ نہیں مانا۔ وہ سارے چلے گئے۔

جھولے میں چھوٹی سی بچی سپنا جہاں ہنس رہی تھی۔ اور اس کی ماں سیتا دیوی کی انجانے دیوار کو دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ وہ یہ منظر دیکھ ہی نہ سکی۔ رگھو کمرے میں اندر آ گئے۔

"ارے میری بچی ہنس رہی ہے۔ میری بچی بڑی بھاگوان ہے۔" رگھو کی بات سن کر سیتا نے سپنا کی طرف دیکھا۔ وہ واقعی ہنس رہی تھی۔ سیتا بھی اس کو [illegible] کر مس[illegible]

"رگھو...!! واپس اسے رکھ دو۔ یہ [illegible] دے گی۔" سیتا نے مچل کر کہا۔

"اگر ایسا ہوا تو یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی۔" [illegible] نے بچی کے ماتھے پر بوسہ لیا۔ بچی نے باپ کو دیکھ کر زور سے کھلکھلائی۔

سیتا دیکھو....!! یہ تو ہنس رہی ہے۔ [illegible] کو منہ ماں کی طرف کر دیا۔ سیتا بھی ہنسنے لگی۔ [illegible] بچی نے دیو کے کپڑوں کو گندا کر دیا۔

"ارے یہ کیا کر دیا.....!!" سیتا نے [illegible] سفید کرتے کو دیکھا۔ وہ ابھی گیلا تھا۔

"بچی خوش کر دیا۔" رگھو نے بچی کو دیوانہ [illegible] چومنا شروع کر دیا۔ سیتا پھر سے ہنسنے لگی۔ وہ بچی کو [illegible] دیکھ کر خود بھی مطمئن ہو گئی۔

☆......☆......☆

چند دن تو گاؤں میں خیر خیریت رہا۔ پھر د[illegible]

اور رام ناتھ نے مندر کے پجاری کو یہ بات بتا دی۔ کہ رگھو کے گھر پتری پیدا ہوئی ہے۔ اور اس نے اسے زندہ نہیں دفنایا ہے۔ پجاری کو یہ ساری باتیں بتانے کا مقصد ان دونوں کا وہ ڈر تھا جو سالوں سے پجاری کا لوگوں پر تھا۔ اور وہ ڈر یہی تھا کہ اگر پتری ہوئی، اور اسے زندہ نہ دفنایا، تو گاؤں میں ایک بار پھر بھیانک منحوس دور آ جائیگا۔ پچھلے کئی سالوں سے لوگ پجاری کو بھاگوان کی اوتار مان کر اس کی بات ماننے لگے تھے۔ پچھلے سالوں میں کتنی لڑکیاں پیدا ہوئی تھیں۔ جسے لوگوں نے زندہ دفنا دیا تھا۔ گاؤں نے اپنے سینے پر پتھر رکھ لئے تھے۔ وہ یہ نا انصافی خاموشی سے سہہ گئی تھیں۔ گاؤں میں جب سے یہ ریت چلی تھی۔ تب سے ارنیش پور میں کوئی کمسن بچی نظر نہیں آ رہی تھی۔

بہت سالوں پہلے ارنیش پور میں ایک ایسا دور آیا تھا۔ جس نے ہر منش کو ڈرا دیا تھا۔ جانور بھوک سے بلک بلک کر مر گئے تھے۔ فصلیں پانی کی کمی کی وجہ سے نہ ہو سکی تھی۔ کسانوں نے خودکشیاں کی تھیں۔ بارش اول تو ہوتی ہی نہیں تھی، اگر ہو جاتی تو اتنی ہو جاتی کہ سیلاب [illegible] کی زد میں آ گئے۔ اور سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔ زمین نے پانی دینا بند کر دیا۔ دریا سوکھ کر بنجر زمین بن گئی۔ اور کھیت سنسان میدان بن گئے۔ لوگوں کے جانور اور پیڑ پودے مرجھا گئے۔

ساڑھے سات سال کے اس منحوس دور کو ساڑھ ستی سے منسوب کیا تھا۔ اور اس دور کا خاتمہ گاؤں کے مندر کے پجاری نے یوں بتایا تھا کہ اگر بیٹی پیدا ہوتے ہی زندہ دفنا دی جائیں، تو اس منحوس دور سے نکلا جا سکتا ہے۔ لوگوں کو اول یہ بات تو عجیب لگی۔ تب ارنیش پور کے رہائشی دلیپ کی پتری پیدا ہوئی۔ سارے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی۔ دلیپ کے گھر بیٹی پیدا ہوئی ہے۔ سب لوگ دلیپ پر زور دینے لگے۔ بیٹی کو زندہ دفن کر دو۔

دلیپ خود بھی یہی چاہتا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو

سوٹ

بیوی آپ کی سالگرہ کے لئے اتنا قیمتی سوٹ خریدا ہے کہ بس۔

سردار: بہت بہت شکریہ۔

اچھا ذرا دکھاؤ تو سوٹ کیسا ہے؟

بیوی: میں ابھی پہن کر آتی ہوں۔

(ماہم۔ٹنڈو آدم)

اپنی بیوی کے پہلو سے بے دردی سے اٹھایا۔ وہ عورت جس نے اس بچی کو جنم دیا تھا۔ وہ روتی رہی بلکتی رہی مگر کسی نے اس کی ایک نہ سنی۔ اور یوں دلیپ نے اپنی بچی کو زندہ گاڑ دیا۔ اسی طرح اس گاؤں میں ایک ریت رواج کی بنیاد ڈالی گئی۔ پھر جیسے جیسے لڑکیاں ہوتی گئیں۔ لوگ زندہ دفنانے لگے، شروع میں تو کچھ اثر نہ ہوا۔ مگر پجاری کی منہ زور تقریریں لوگوں کو اس گھناؤنے فعل سے باز رکھنے کے بجائے اور اکسانے لگی۔ لوگ بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زمین میں گاڑنے لگے۔ اور یوں رفتہ رفتہ کچھ تو سرکاری کوششوں سے اور کچھ قدرت کی مہربانی سے سب کچھ معمول پر آتا چلا گیا۔

زمینیں سرسبز و شاداب ہری بھری ہو گئیں، مال مویشی جنم لینے لگے۔ کنوؤں میں صاف پانی آ گیا۔ بارشیں معمول کے مطابق ہوتی گئی۔ اور کسان خودکشیاں کرنا بند کر گئے۔ لوگ بیٹوں کے پیدائش پر خوشیاں منانے لگے، اور ڈھول دھمال ڈالنے لگے۔

اور یوں ساڑھے پانچ سال کا عرصہ پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔

اور یوں سپنا جب پیدا ہوئی تو اس کے باپ نے دوسروں کی طرح سپنا کے پیدائش پر کوئی غم نہیں منایا۔ اور نہ اس کو کوئی ڈر تھا۔ اس نے بہادری سے حالات کا مقابلے کا سوچا۔ سارے گاؤں میں مٹھائیاں

https://www.urdutubes.com/
www.urdutubes.com

Digitized by Google

تقسیم کیں۔اور لوگوں کی باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے اڑایا۔

☆......☆......☆

پجاری نے سرخ رنگ کا لنگوٹ باندھ رکھا تھا۔اور بڑے بت کے سامنے آلتی پالتی باندھ کر بیٹھا تھا۔اس کے سامنے دلیپ اور رام ناتھ بیٹھے ہوئے تھے۔رام ناتھ نے ہاتھ باندھ رکھے تھے۔اور دلیپ بھی ڈرا ہوا لگ رہا تھا۔ان دونوں کے علاوہ بھی کافی کسان جو کہ سپنا کی پیدائش سے ناراض لگ رہے تھے۔کیونکہ ان لوگوں نے وہ مٹھائی نہیں کھائی تھی۔وہ دوبارہ ارنیش پور میں ساڑھ ستی کو دعوت نہیں دے سکتے تھے۔وہ دوبارہ فاقہ کشی بھری سخت زندگی نہیں گزار سکتے تھے۔

''تم دونوں جاؤ۔'' پجاری نے بند آنکھوں سے دونوں کو کہا۔

''پجاری جی....!!'' دلیپ نے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''تو جا....!!اور رگھو کو بھیج دو۔'' پجاری نے آنکھیں کھول دیں،اب اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

دونوں نے پجاری کی انگارہ آنکھوں کو دیکھا۔اور پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر وہاں سے واپس آگئے۔دونوں کے مندر سے نکلتے ہی پجاری بڑبڑایا،

''ایسا کسی صورت نہیں ہوسکتا۔رگھو کو اس چھوکری کو دفنانا پڑے گا۔'' وہ اٹھا،اور اندر کمرے میں چلا گیا۔اندر کئی داسیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔وہ سب پجاری کے پاس آکر بیٹھ گئیں۔پجاری نے آنکھیں بند کرلیں۔داسیاں اسے پنکھا جھلنے لگی۔

☆......☆......☆

دلیپ نے پجاری کا پیغام رگھو کو پہنچا دیا۔وہ دونوں کھیتوں میں ملے تھے۔رگھو نے اس کو نظرانداز کرنا چاہا تھا۔مگر وہ اس کے پاس آگیا۔اور آتے ہی اسے پجاری کا پیغام سنا دیا۔دلیپ نے اس کے چہرے سے اندازہ لگانا چاہا کہ رگھو گھبرا گیا ہوگا۔مگر وہ پرسکون تھا۔

''تم جاؤ۔میں پجاری سے بھی مل لوں گا'' رگھو نے دلیپ سے کہا۔

''تم اپنی بیٹی کو اس سے ملنے سے روک دوں۔تو بہتر رہے گا۔تیری ایک چھوکری کی وجہ سے ہم ساڑھ ستی کو دعوت نہیں دے سکتے۔'' دلیپ نے کھڑے لہجے میں کہا۔

تو ہمارا باپ نہیں، اپنے مشورے اپنے پاس رکھ۔رگھو نے بھی اسے سخت لہجے میں جواب دیا۔

''پجاری تجھے اس کی سخت سزا دے گا'' دلیپ نے اس کو سنایا۔اور جانے لگا۔

پجاری بھگوان نہیں ہے۔اس نے دلیپ سے کہا۔اس نے مندر کی طرف جانا شروع کر دیا۔اسے معلوم تھا کہ یہ بات پجاری سے چھپی نہیں رہ سکتی۔اس نے پہلے سے ہی خود کو ذہنی طور پر ان سب کے لیے تیار کیا تھا۔وہ اب پجاری کا سامنا کرسکتا تھا۔اب وہ پجاری کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔

پھر وہ مندر کے اندر چلا گیا۔اس نے داخلی گھنٹی بجائی۔پھر اندر داخل ہوا۔پجاری کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے دونوں ہاتھ اس کے آگے جوڑ لیے۔پجاری اندرون خانے سے باہر نکلا۔اس نے ایک قہر بھری نگاہ رگھو پر ڈالی۔رگھو نے دونوں آنکھیں کھول دیں۔دونوں ایک دوسرے کو کچھ دیر تک دیکھتے رہیں۔

''تیری چھوکری ساڑھ ستی کا سبب ہے۔'' پجاری نے پہل کی۔

''پجاری جی.....!! ہماری بیٹی کیسے ساڑھ ستی کا سبب ہوسکتی ہے۔'' اس نے پجاری سے کہا۔

''تیری لڑکی اس پورے گاؤں میں منحوسیت لائے گی،اور وہ دور پہلے سے زیادہ منحوس ہو گا۔بہتری اسی میں ہے کہ تو اسے زندہ دفنا دے۔''

''نا پجاری جی......ناں, میری چھوکری بھاگوان ہے،اور جو تو کہتا ہے۔یہ ایسا کچھ بھی نہیں ہوئے گا۔'' پہلے تو اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''تو نادان ہے، جو میں دیکھ سکتا ہوں۔تو نہیں دیکھ سکتا۔'' پجاری نے بت کو دیکھا۔

پجاری جی.....!! میں تمہیں بتا دوں۔میں اپنی بچی کو کسی صورت نہیں دفناؤں گا۔تم جو دیکھ سکتے ہو دیکھو، میں ایسا کچھ نہیں کرنے والا۔''

''تو تو ضد کرے گا۔'' پجاری کی آواز میں تیزی تھی۔

''نہیں.....!! یہ میرا حق ہے۔'' دیو نے بھی آواز اونچی کر دی۔

''تو تیرا یہی فیصلہ ہے۔'' پجاری نے اسے قہر بھری نگاہوں سے دیکھا۔

''ہاں....!!اور تم مجھے اس سے باز نہیں رکھ سکتے۔'' رگھو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''سارے گاؤں والے تیرے خلاف ہو جائیں گے.....!! تب تجھے مجبور ہو کر ایسا ہی کرنا پڑے گا۔''

''تم کیا سمجھتے ہو کہ تم مجھ سے ایسا کروا لو گے۔مجھے بھی بہت پہلے تمہارا ایک راز معلوم ہوا تھا۔'' رگھو نے پجاری کو مڑ کر معنی خیزی سے دیکھا۔

''کیا ہے....؟'' پجاری نے بڑے بت کی طرف دیکھا۔

''پجاری جی.....!! گنگا تو تمہیں یاد ہوگی۔اسی مندر کی داسی تھی۔جو راتوں رات غائب ہوگئی۔'' رگھو نے اسے غور سے دیکھا۔

''گنگا.....!!'' پجاری بڑبڑایا۔

''ہاں وہی گنگا جس کے ساتھ تم نے زیادتی کی اور پھر اسے مار کر تم نے جنگل میں دفن کر دیا۔'' رگھو نے راز کی بات کی۔

''تم بکواس کر رہے ہو۔گنگا کو جنگلی کتوں نے شکار کیا تھا۔'' پجاری نے چیخ کر کہا۔

''بکواس اور میں......!! تم جانتے ہو نا۔اس بات سے صرف میں باخبر ہوں۔اور اگر تم چاہتے ہو کہ تمہارا یہ راز, راز رہے۔تو مجھے میرے حال پر چھوڑ نا ہوگا۔رگھو جانے لگا، پجاری اپنی جگہ ہکا بکا رہ گیا۔

''یہ راز تو صرف مجھے پتہ ہے.....!! یہ کیسے جانتا ہے؟'' پجاری حیرانگی کا شکار ہوا۔رگھو مندر سے جا چکا تھا۔پجاری اٹھا،اور اندر کمرے میں چلا گیا۔وہ رگھو کی باتوں سے کافی گھبرا چکا تھا۔مگر اس کو ہمیشہ اپنی مرضی چلانی تھی۔اور وہ کسی بھی صورت میں اپنی بات سے پلٹ نہیں سکتا تھا وہ اٹھا،اور کمرے میں آگیا۔اس نے لوگوں کو بھڑکا کر رگھو کے خلاف کرنا تھا۔

☆......☆......☆

ایک جلوس تھا، جو رگھو کے گھر کی طرف بڑھ رہا تھا۔کافی سارے مرد و زن جو اس جلوس میں شریک تھے۔وہ سب رگھو کے خلاف ہو گئے تھے۔وہ کسی بھی صورت اس سے لڑکی زندہ دفن کروانا چاہ رہے تھے۔اب وہ سارے لوگ رگھو کے گھر کے بالکل سامنے کھڑے ہو گئے۔

رگھو گھر سے باہر نکل آیا۔اور سب کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

''یہ سب کیا ہو رہا ہے؟'' رگھو نے پوچھا۔

''رگھو....!! تو اپنی لڑکی کو نہیں دفنائے گا۔'' ایک بوڑھے نے چیخ کر پوچھا۔

''نہیں....!!'' رگھو شدت سے چیخا۔

''اگر تم ایسا نہیں کرو گے،تو تمہیں یہ گاؤں چھوڑ کر جانا ہوگا۔'' وہ بوڑھا چیخ چیخ کر بولنے لگا۔

''میں کیوں گاؤں چھوڑ کر جاؤں؟ میں نے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔'' رگھو نے سینہ تان کر سب کے سامنے کہا۔

''تمہاری لڑکی سارے ارنیش پور کی خوشیاں چھین لے گی۔وہ ساڑھ ستی کا سبب بن جائے گی۔'' لوگ اسے کہنے لگے۔

دیکھو....!! اگر ایسا کچھ ہوا،تو میں یہ گاؤں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔اور تم لوگوں کو پجاری کی بات پر وشواس ہے۔مجھے پجاری نے اجازت دے دی ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہونے والا۔جو ساڑھ ستی تھی۔وہ آکر گزر گئی۔اب کوئی بھی اپنی لڑکی نہیں دفنائے گا۔'' رگھو نے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

سب سے سے کہا۔رگھو کی باتیں سن کر سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو؟" ایک بوڑھا زور سے نفی میں گردن ہلا ہلا کر کہنے لگا۔

"اگر میری بات پر یقین نہیں آ رہا ہے تو پجاری سے جا کر پوچھو.....!! میں پجاری سے ملا تھا، اس نے مجھے کہا کہ جتنی لڑکیوں کی کو دفنانا تھا۔وہ تعداد مکمل ہو گئی ہے۔اب کوئی لڑکی نہیں دفنائی جائے گی۔" رگھو کی بات سن کر سب لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔اور پھر وہ آپس میں بات کرنے لگے۔وہ جلوس اب مڑ کر مندر جانے لگا۔رگھو بھی ان سب کے آگے جانے لگا۔

☆......☆......☆

وہ کچھ دیر پہلے مندر پہنچ چکا تھا۔پجاری جو کے بے حد خوش تھا۔وہ سمجھ رہا تھا کہ رگھو نے اپنی بچی لوگوں کے خوف سے دفنا دی ہو گی۔رگھو ایک دم لوگوں کے جلوس سے پہلے وہاں پہنچا۔اسے اپنے سامنے دیکھ کر پجاری کے چہرے پر ہوائیں اڑنے لگیں۔

"پجاری جی.....!! یہاں لوگوں کا جلوس آ رہا ہے، تم نے یہ جلوس میرے گھر بھیجا تھا۔لوگوں کو ڈرایا تھا دھمکایا تھا۔مگر سنو.....!! ہر انسان کی کوئی نہ کوئی کمزوری ضرور ہوتی ہے۔تمہاری بھی ایک کمزوری میرے پاس ہے۔گنگا.....!! پجاری اسے دیکھ کر رہ گیا۔رگھو اس کے سامنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر کھڑا تھا۔

"گنگا تو مر چکی ہے۔" پجاری نے مرے سے کہا۔وہ اسے جس خطرے سے ڈرا رہا تھا۔وہ موجود ہی نہیں تھی۔

"نہیں وحشالی زندہ ہے۔" رگھو نے پجاری کے سر پر بم پھوڑا۔

"میں نہیں مانتا۔" پجاری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جس دن میرے دوست دلیپ کی لڑکی پیدا ہوئی تھی، اسی دن اس نے لڑکی جنگل میں دفنا دی تھی، اس وقت میں بھی ساڑھ ستی کے عذاب سے سخت ڈرتا تھا۔مگر میرا دل اس کی بیٹی کے لیے بھی بہت خفا تھا۔میں سوچ رہا تھا کہ اگر کہیں میری بھی بیٹی پیدا ہوئی تو میں اسے بھی دفنا دوں گا۔میں جنگل میں گیا تھا۔میں دلیپ کی بچی کو واپس زمین سے نکال کر اس کی چتا جلانا چاہ رہا تھا۔اس لیے میں بچی کی تلاش میں جنگل گیا۔وہاں میں نے گنگا کو دیکھا۔وہ درد سے بے حال تھی۔میں نے اسے اٹھایا۔اور اس کو علاج کے لیے لے جانے لگا۔مگر وہ بہت ڈری ہوئی تھی۔اس نے جانے سے انکار کر دیا۔اس نے مجھے سب کچھ بتا دیا کہ تو نے اسے اپنی درندگی کا نشانہ بنا کر جنگل میں پھینک دیا تھا مگر اوپر والے کو اس کی زندگی پیاری تھی۔وہ بچ گئی اور آج بھی زندہ ہے۔میرے پاس تیرے خلاف بڑا ثبوت موجود ہے۔اگر تو نے میری بچی یا گاؤں کی کسی بھی بچی کو زندہ دفنانے کی کوئی بھی پیش گوئی کی تو میں اسے تیرے خلاف لے آؤں گا۔" رگھو نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر سب کچھ بتا دیا۔پجاری کے ہاتھ [illegible] پسینے آگئے۔اتنے میں گاؤں کے جلوس والے بھی پہنچ گئے [illegible] پجاری کے سامنے کھڑے ہو گئے۔اس سے پہلے پجاری کچھ کہتا۔رگھو نے چیخ چیخ کر کہنا شروع کر دیا۔

"بدھائی۔ہمارے گاؤں ارنیش پور پر جو منحوس سات سالہ دور چھا گیا تھا آج پجاری نے [illegible] ہے۔وہ دور ختم ہو چکا ہے آج سے کوئی بھی لڑکی زندہ نہیں دفنائی جائے گی آج سے ہم پر کوئی دوسرا منحوس دور نہیں آئے گا۔" لوگ حیرت اور خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔اور ایک دوسرے کو بدھائیاں دینے لگیں۔پجاری نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو زور سے مٹھی بنا کر چھوڑ دیا۔

"پجاری جی.....!! کیا ہم ساڑھ ستی سے آزاد ہو گئے ہیں؟" ایک بوڑھے نے اونچی آواز میں کہا۔

"ہاں.....!!" پجاری نے بے بسی سے کہا۔

لوگ خوشی سے ناچتے گاتے جھومتے جامتے گھروں کو واپس جانے لگے۔رگھو کے سر پر خطرے کی جو تلوار لٹکی ہوئی تھی۔وہ ختم ہو چکی تھی۔اس نے اپنے عقل سے

سارے گاؤں کو ایک منحوس رسم سے آزاد کر دیا تھا۔کیونکہ جب وہ دلیپ کی بچی کو جنگل میں ڈھونڈنے گیا تھا۔تو اسے گنگا زخمی حال میں ملی تھی۔اس نے گنگا کو بچانا چاہا۔مگر وہ آخری سانسوں پر تھی۔مگر مرنے سے پہلے اس نے رگھو کو پجاری کی ساری سچائی بتا دی تھی۔رگھو نے گنگا کی چتا جلا کر اس کی راکھ دریا کی نذر کر دی۔مگر آج جب پجاری لوگوں میں گمراہی ڈال کر ان کی بچیوں کو زندہ درگور کرنا چاہتا تھا۔تو اس نے اپنی چالاکی سے اس کی ساری چالیں الٹی کر دیں۔اس کے بعد گاؤں کی لڑکیاں زندہ دفنانا بند ہو گئیں۔

☆......☆......☆

پندرہ سال بعد

سپنا جاگ گئی تھی، آج وہ سارا دن سو کر تو نہیں گزار سکتی تھی۔وہ اس کالج کی سب سے لائق لڑکی تھی۔اس کے ہر ٹیسٹ میں پورے نمبر آتے تھے۔وہ میڈیکل پڑھ رہی تھی۔وہ ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔وہ جب بھی چھٹیوں میں گاؤں ارنیش پور جاتی تو اس کی [illegible] (وہ منحوس دور جو ساڑھے سات برس تک چلتا ہے) کہانی سنی تھی۔اب وہ یہاں کبھی بھی نہیں گئی۔

وہ ان چیزوں پر کوئی یقین نہیں کرتی تھی۔وہ ابھی۔آج اتوار تھا۔اس کو ضرورت کی کچھ چیزیں بھی لینی تھیں۔کچھ دیر میں نہا دھو کر وہ بالکل فریش ہو گئی تھی۔اس کی کالج کی بہت ساری لڑکیوں کی دوستی تھی۔وہ آج اپنی روم میٹ مناکشی کے ساتھ مارکیٹ جا رہی تھی۔مناکشی کچھ پرانے خیالات کی تھی۔وہ بھی ریڈی تھی۔دونوں ایک ساتھ ہاسٹل سے نکل گئیں۔مارکیٹ میں ضرورت کی چیزیں خرید کر واپسی پر راستے میں مناکشی نے ایک جوتشی کو دیکھا۔تو اس کا من مچل گیا، کہ وہ جوتشی کو ہاتھ دکھا کر فیصلہ کرے۔اس نے سپنا کو کھینچ کر جوتشی کے پاس لے کر چلی گئی۔سپنا نے مناکشی کو دیکھا اور پھر اس جوتشی کو۔وہ حیرت سے دونوں کو دیکھتی رہی۔

مناکشی نے اپنا ہاتھ دکھا کر جوتشی سے پوچھا۔

"میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟" بوڑھے جوتشی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر غور سے لکیروں کو دیکھنا شروع کر دیا۔

"خوش قسمتی کے سوا کچھ نہیں.....!!" جوتشی نے بتایا۔مناکشی خوشی سے اچھلی۔اور فوراً سپنا کا ہاتھ پکڑ کر جوتشی کے سامنے کر دیا۔

"اس کی قسمت میں.....!!" سپنا ہاتھ کھینچ کر پیچھے کرنا چاہتی تھیں۔مگر جوتشی نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دیکھنا شروع کر دیا۔سپنا ہاتھ کھینچنے کی کوشش کر تی رہی، مگر جوتشی نے اس کا ہاتھ بے حد مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔اور اس کی ہاتھ کی لکیریں غور سے دیکھ رہا تھا۔

"اس کے ہاتھ میں ایک لکیر ساڑھ ستی کی ہے۔" جوتشی نے کہہ کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"کیا.....!!!" مناکشی اسپرنگ کی مانند اچھل پڑی۔جبکہ بے فکری سے سپنا اپنا ہاتھ سہلانے لگی۔

"ہاں.....!! یہ جہاں جائے گی اپنے ساتھ نحوست پھیلائے گی۔" جوتشی نے معنی خیزی سے کہا۔مناکشی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔جبکہ سپنا زور، زور سے ہنسنے لگی۔

"اس کا کہنا ٹھیک ہے، میرے ہاتھ میں ساڑھ ستی کی لکیر ہو گی۔مگر یہ جو کچھ کہہ رہا ہے۔کہ میری وجہ سے ساڑھ ستی آئے گی، یہ غلط ہے۔میں نے ساڑھ ستی کو روکا تھا۔میرے ہاتھ میں اس نے جو لکیر دیکھی وہ ساڑھ ستی میرے بچپن میں آ کر گزر بھی چکی ہے۔" اس نے حیران سی مناکشی کا ہاتھ پکڑا، اور اسے یہ بتانے لگی۔جوتشی اسے حیرت سے دیکھنے لگا۔وہ لوگوں کے دلوں میں خوف ڈالتا آیا تھا۔مگر آج ایک بے خوف نے اس کا منہ بند کر دیا تھا۔سپنا اپنی بچپن کی کہانی مزے سے مناکشی کو سنانے لگی۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

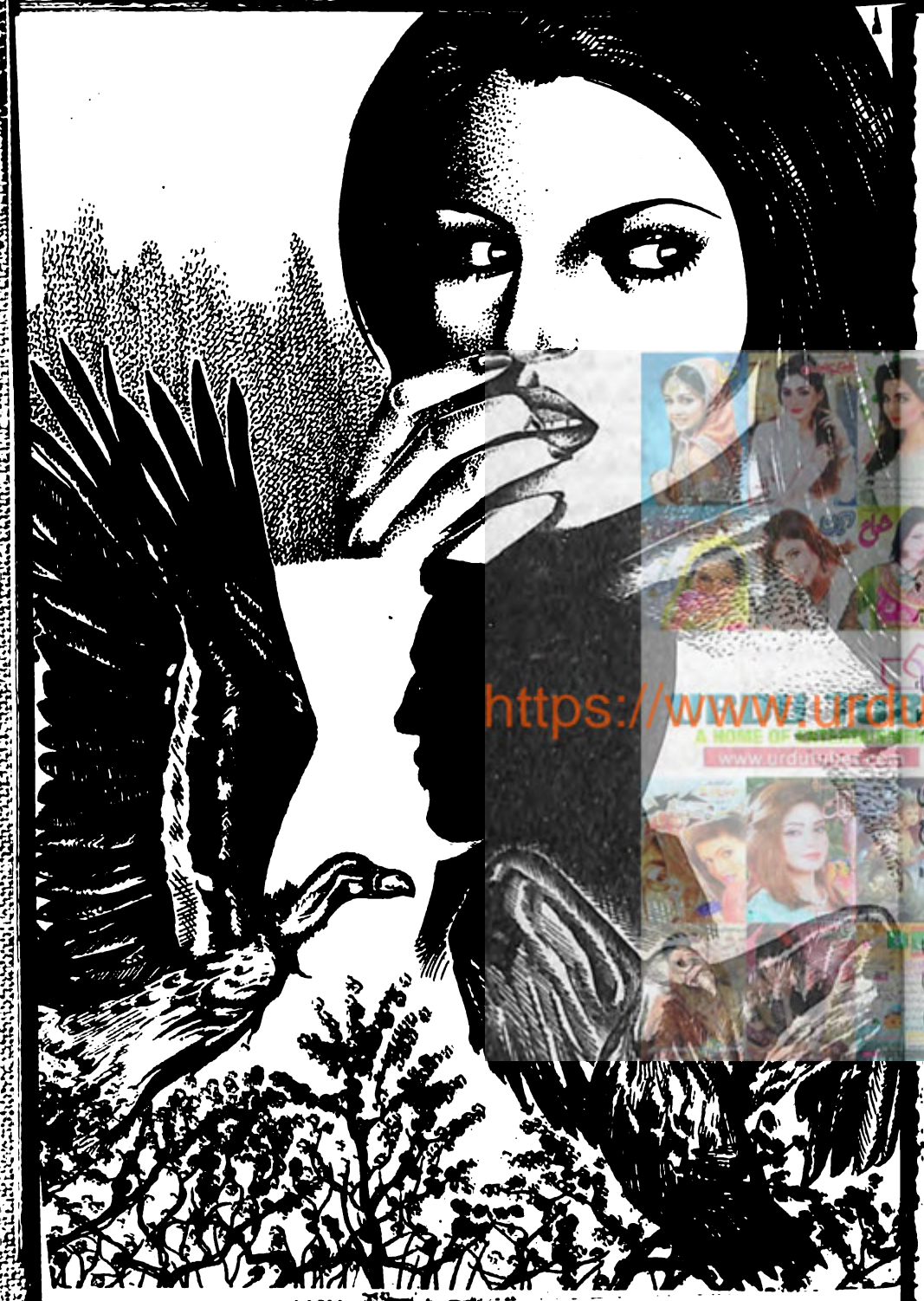

جان لیوا

راشد نذیر طاہر

قسط نمبر:11

برس ہا برس سے پراسرار قوتوں کو مسخر کرنے کے لئے سرگرداں انسانوں کی پراسرار ہولناک داستان حیرت، قدم قدم پر سحر جادو اور عملیات کی حیرت انگیز مناظر پڑھنے والوں کو انگشت بدنداں کرکے اچنبھے میں ڈال دیں گے، ایک بالکل نئے طرز کی حیرت ناک دلوں پر دہشت طاری کرتی کہانی۔

ایک نادیدہ اور پراسرار ہستی کی ہولناک روداد دلوں کی دھڑکنیں تیز کرنے والا سلسلہ

سدو ابھی تک لاپتہ تھا...... اس کے گھر سے سارے ہی لوگ دوسرے شہر گئے ہوئے تھے، اور اب تک ان لوگوں کی واپسی نہیں ہوئی تھی، گھر کے دروازے پر لگا ہوا تالہ نہ صرف یہ کہ مجھے منہ چڑا رہا تھا بلکہ میری تشویش کا بھی باعث بن رہا تھا۔

میں سدو کو اپنے ساتھ سونال کوٹھ لے جانے کے موڈ میں تھا۔ لیکن وہ تو گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب تھا۔ میرا خیال تھا کہ ان لوگوں کو گئے ہوئے اب ایک ماہ کا عرصہ ہونے والا تھا، اور اتنے عرصے میں تو ایک درجن سے بھی زیادہ شادیاں نمٹ جاتی ہیں۔

خیر...... اب یہ سفر بھی تنہا ہی کاٹنا تھا......!! میں نے سونال کوٹھ جانے کے لئے ریلوے اسٹیشن سے معلومات حاصل کیں، تو مجھے بتایا گیا کہ یہاں براہ راست نہ تو کوئی گاڑی جاتی ہے اور نہ ہی ٹرین...... ایک ملحقہ اسٹیشن پر اترنے کے بعد آگے بیل گاڑیوں کا سفر طے کرکے سونال کوٹھ میں داخل ہوا جاسکتا ہے۔

چنانچہ میں نے ضروری اشیاء کے ساتھ اپنا سفری بیگ تیار کیا اور ساون پور کی گاڑی میں سوار ہوگیا۔

یہ محض اتفاق ہی تھا کہ مجھے شام چار بجے والی ٹرین ملی تھی جو کہ دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب مجھے ساون پور میں اتارتی......!!! میں یہ طویل اور اکتا دینے والا سفر کرنے پر مجبور تھا کیونکہ میں وسیم کو زبان دے چکا تھا اور مجھے ہر حال میں اس کی شادی میں شریک ہونا تھا۔

میرا یہ سفر عوامی کمپارٹمنٹ [illegible] تھا۔ دراصل میں [illegible] لوگوں کے ہجوم کے درمیان [illegible] وقت انگیز وقت کاٹنا چاہتا تھا۔

میرے اندازے کے مطابق ابھی وسیم کی شادی میں پانچ دن باقی تھے، لیکن میں وقت سے پہلے وہاں پہنچ کر اس خاندان کا جائزہ لینا چاہتا تھا کہ جو کسی [illegible] بدروح کی طرح اس کوٹھ پر مسلط تھا۔

مجھے ٹرین میں کافی مناسب جگہ ملی تھی، جہاں سے میں کھڑکی کے قریب رہ کر قدرتی مناظر سے پوری طرح لطف اندوز ہوسکتا تھا، میں نے دوسرے لوگوں کی طرح اپنا سامان بھی برتھ پر رکھ دیا تھا۔

آہستہ آہستہ ٹرین مسافروں سے بھرنے لگی تھی۔ اس کمپارٹمنٹ میں بھی کافی رونق دکھائی دے رہی تھی......!!

بھانت بھانت کی آوازیں چاروں طرف سے آتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں، بعض اوقات تو یوں لگتا تھا

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

جیسے کسی نے ٹین کے ڈبے میں کچھ پتھر ڈال کرانھیں زور زور سے ہلانا شروع کردیا ہو......!!

عین اسی وقت کمپارٹمنٹ میں سوار ہونے والے کچھ مسافروں نے میری توجہ اپنی جانب مبذول کرلی۔

یہ ایک بڑے میاں تھے۔ جنھوں نے سفید کرتا پاجامہ زیب تن کررکھا تھا اوران کے سر پر لال رنگ کی پھندنے والی ترکی ٹوپی موجود تھی۔ جو کہ اب اس دور میں تقریباً ناپید ہوچکی ہے...... میرا خیال ہے کہ اسی ٹوپی کی وجہ سے میں اس جانب متوجہ ہوا تھا۔ ان بڑے میاں کے ساتھ ہی ایک موٹی سی عورت بھی تھی جو کہ گھیر والے برقعے میں ملبوس تھی۔

ان دونوں کے ساتھ مجھے ایک لڑکی بھی دکھائی دی، جس نے برقعے کے ساتھ ساتھ چہرے پر نقاب بھی لگا رکھا تھا۔ لیکن میں اس کی بے نقاب آنکھیں دیکھ کر شرطیہ کہہ سکتا تھا کہ یہ لڑکی بے حد حسین اور دلکش خدوخال کی مالک ہوگی......!! اس کے گورے گورے ہاتھ اور سبک وسڈول پاؤں دور سے ہی چمکتے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

نہ جانے کیوں میرے دل میں خواہش ابھری کہ میں اس نقاب پوش حسینہ کے حسن سے آشکارا ہوجاؤں......!!

ان لوگوں کے عقب میں قلی بھی نمودار ہوا، جس نے دو بڑے سائز کے صندوق دونوں ہاتھوں میں سنبھال رکھے تھے اور اب بڑے میاں کے اشارے کا منتظر تھا۔

وہ لوگ اسی جانب قدم بڑھا رہے تھے، میں سنبھل کر بیٹھ گیا تھا، اتفاق سے میرے سامنے والی سیٹ خالی پڑی تھی......!! بڑے میاں نے بھی اسی طرف رخ کیا اور پھر قلی کی جانب گھوم گئے۔

''اب کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو میاں......!! بے وجہ اتنا بوجھ اٹھائے کھڑے ہو...... خواہ مخواہ......!! رکھ دو اوپر......!!''

''جی...... جی......!!'' قلی نے فوراً ہی برتھ کا رخ کیا تھا اور تیزی سے سامان رکھ کر ان کی طرف مڑا۔

بڑے میاں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا:

''اب کیا ہے...... خواہ مخواہ......؟''

''جی...... میرے پیسے......!!'' قلی نے دانتوں کی نمائش کردی۔

''ایں......!! اچھا...... کتنے پیسے ہوئے......؟'' بڑے میاں نے آنکھیں چندھیاتے ہوئے پوچھا، جیسے کھلے آسمان کے نیچے دھوپ کی زد میں آ گئے ہوں۔

''ساٹھ روپے دے دیں آپ......!!'' قلی نے حساب لگاتے ہوئے جواب دیا۔

''ساٹھ روپے......!!'' بڑے میاں نے سر ہلایا۔''خواہ مخواہ......؟''

''خواہ مخواہ نہیں جناب......!!'' قلی برامان گیا۔

''میں پلیٹ فارم سے آپ کا سامان اٹھا کر لایا ہوں......!! ہاں......!!!''

''یہ ان کا تکیہ کلام ہے بیٹا......!!'' ادھیڑ عمر عورت فوراً بولی تھی: ''تم برا مت مانو......!!''

''[illegible]......!!'' قلی نے بھی تائید کی: ''تم تو برا مان گئے...... خواہ مخواہ......!!''

یہ کہہ کر بڑے میاں نے اپنی قمیص کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

فوراً ہی قلی نے ہاتھ اٹھا کر سلام کیا اور وہاں سے رفو چکر ہوگیا۔ جلد ہی تینوں میرے سامنے آ کر بیٹھ گئے تھے......!!

میں نے ان پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور بہ ظاہر کھڑکی کی جانب متوجہ ہوگیا تھا...... لڑکی میرے بالکل سامنے کھڑکی کے پاس ہی آ کر بیٹھ گئی تھی......!! میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھے دیکھ رہی تھی......!!

بڑے میاں کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ جلد ہی مجھ سے مخاطب ہونے والے ہیں اور میں خود بھی اسی کا منتظر تھا......!! تاکہ سفر کچھ دلچسپ ہوجائے۔

بڑے میاں کے تکیہ کلام نے مجھے کافی محظوظ کیا تھا......!! لیکن ان سے بے تکلف ہونے کے لئے

ضروری تھا کہ میں لڑکی کو گھورنے سے اجتناب کرتا...... اور میری شرافت سے قائل ہوکر وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہوتے......!!

فی الحال وہ اپنی بیگم سے سرگوشیوں میں باتیں کررہے تھے......!! لڑکی نے میری طرف دیکھا اور دوبارہ کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔

اسی اثناء میں چند افراد مزید اس کمپارٹمنٹ میں داخل ہوگئے۔ یہ گویا ایک ٹولہ تھا، جن میں زیادہ تعداد جوان آدمیوں کی تھی اور یہ تقریباً آٹھ دس افراد ہوں گے......!!

نہ جانے کیوں یہ لوگ مجھے کچھ اچھے نہیں لگ رہے تھے......!! ان میں دو افراد کافی نمایاں اور لمبے چوڑے ڈیل ڈول کے مالک تھے...... انھوں نے کافی گہری نگاہوں سے کمپارٹمنٹ کا جائزہ لیا تھا......!!

عین اسی وقت ٹرین کی وسل سنائی دی اور وہ حرکت میں آگئی......!!!

آہستہ آہستہ ٹرین کی رفتار میں تیزی آتی جارہی تھی، اور پھر پلیٹ فارم کا وہ وسیع احاطہ نظروں سے [illegible] سامنے سے گزرنے لگے۔

چاروں طرف ہریالی ہی ہریالی تھی۔ گھنے درختوں کی قطاریں اور ان کے ساتھ ساتھ چٹانوں اور میدانی علاقوں سے گزرنے کے بعد ٹرین اب ایسی جگہ سے گزر رہی تھی کہ جہاں دونوں جانب کھیت اور کھلیان تھے......

شاید کسانوں نے نئی فصلوں کی داغ بیل ڈالی تھی، تب ہی ہر طرف ننھے ننھے پودوں کی کونپلیں پھوٹ کر آنکھوں کو اچھا لگ رہی تھیں۔

میں ان قدرتی نظاروں میں کھویا ہوا تو تھا، لیکن میری پوری توجہ ریل کے اس ڈبے میں موجود خاص الخاص لوگوں کی طرف بھی تھی۔

بڑے میاں اور ان کی فیملی تو گویا میرے پڑوس میں ہی واقع تھی، البتہ اس ''ٹولے'' کو میں گاہے بگاہے دیکھ رہا تھا......!!

میں نے محسوس کیا تھا کہ ان لوگوں نے کمپارٹمنٹ کے کونوں کا انتخاب کیا تھا اور وہ جوڑوں کی صورت میں ان سیٹ‌ھیوں پر نیم دراز ہوکر خوش گپیوں میں مصروف تھے......!!

نمایاں دکھائی دینے والے دونوں آدمی ایک ہی جگہ پر موجود تھے اور وہ سیٹوں پر گویا نیم دراز ہوچکے تھے......!!!

سورج کی کرنیں اب اپنی تمازت کھوتی جارہی تھیں، گویا شام کا جھٹپٹا شروع ہوچکا تھا......!!

بڑے میاں اب غور غور سے میری طرف دیکھ رہے تھے......!! پھر وہ محتاط انداز میں مجھ سے اچانک ہی مخاطب ہوئے:

''سنو نوجوان......!! کیا میں تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟''

''خواہ مخواہ......؟؟'' میرے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

میں نے محسوس کیا کہ لڑکی کے نقاب کے پیچھے ایک بے ساختہ قسم کی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی، البتہ بڑے میاں کی بیگم کا منہ بن گیا تھا۔

وہ فوراً ہی انہیں کہنی مار کر بولیں۔

''اب تم اس خواہ مخواہ کا پیچھا چھوڑ دو...... ہر کوئی تمہارا مذاق بناتا ہے......!!''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے خالہ جان......!!'' میں فوراً بول اٹھا: ''میں ہمیشہ وہ چیز اپناتا ہوں، جو مجھے اچھی لگتی ہے......!! مجھے ان کا تکیہ کلام بہت پسند آیا ہے۔''

''خواہ مخواہ......!!'' بڑے میاں جھینپ گئے۔

''ارے میاں...... تم نے تو ہم سے گفتگو کیے بغیر ہی ہمارا خواہ مخواہ پکڑ لیا......!! کان بہت تیز معلوم ہوتے ہیں تمہارے......!!''

''کچھ ایسا ہی سمجھ لیں......!!'' میں سر ہلا کر بولا:

''میرے والدین دوسرے کمرے میں لڑ رہے ہوتے تھے اور اسکول کا کام کرتے ہوئے میں ان کی باتوں کا

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

لفظ بہ لفظ سن رہا ہوتا تھا......!! اب تو خیر وہ دونوں ہی اس دنیا سے چلے گئے......!!"

"اوہ......!!!" بیگم صاحبہ بولیں: "افسوس ہوا بیٹا......!! کیا کوئی حادثہ پیش آیا تھا؟"

"جی ہاں......!!" میں آہستہ سے بولا۔

"بہت جان لیوا حادثہ ہوگا برخوردار......!!" بڑے میاں کے لہجے میں تاسف تھا: "جس میں دونوں ہی جہان فانی سے کوچ کر گئے......!!"

"جان لیوا......؟؟" میرے منہ سے نکلا۔

پھر میں جلدی سے بولا:

"بالکل جناب......!! کافی جان لیوا حادثہ تھا...... جس نے میرا گھر ہی اجاڑ دیا...... میری پیاری سی دو بہنیں بھی اس کی نظر ہو گئیں!!!"

"اف......!! کتنی درد ناک کہانی ہے تمہاری......!!" بیگم صاحبہ بولیں! "پھر اب تم کہاں رہتے ہو؟ کیا گھر میں کوئی اور موجود ہے؟"

"نہیں خالہ جان......!!" میں نے نفی میں سر ہلایا: "میں اپنے ماموں کے گھر چلا گیا ہوں......!! اب ان ہی کے ساتھ رہتا ہوں۔"

"اچھا...... تو اب کہاں کی روانگی ہے......؟ کہاں رہتے ہیں تمہارے ماموں؟" "وہ تو شہر ہی میں رہائش پذیر ہیں۔ میں تو ایک دوست کی شادی کے سلسلے میں سونال گوٹھ جا رہا ہوں......!!"

"اوہ اچھا......!!" بڑے میاں نے سر ہلایا: "ہم لوگ بھی اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں کوٹام پور جا رہے ہیں......!! وہیں اس کا بیاہ ہو رہا ہے......!!"

"خواہ مخواہ......!!" لڑکی نے بڑی بے چینی سے پہلو بدلا تھا اور اپنی سریلی سی آواز میں بڑبڑائی:

"لو......!! اب میری شادی بھی خواہ مخواہ ہو گی......!! لو بھی خوب ہیں......!!"

☆......☆......☆

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا کہ اچانک ہی میری آنکھ کھل گئی......!!!

ہاں......!! میں اس گہری غنودگی کو نیند سے ہی تعبیر کروں گا۔ جو مجھ پر کافی دیر سے طاری تھی......!!

بڑے میاں کی بیگم اور ان کی بیٹی تو کافی دیر پہلے ہی نیند کی آغوش میں غرق ہو چکی تھیں، البتہ وہ خود مجھ سے ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول تھے......!!

اسی دوران وہ مجھے اپنی جوانی کا کوئی واقعہ سنا رہے تھے کہ مجھے نیند کا جھونکا لگ گیا......!!

ایک جھٹکے سے آنکھ کھلنے کا مطلب کافی دیر بعد میری سمجھ میں آ سکا تھا۔ کمپارٹمنٹ میں اس وقت چھوٹے چھوٹے ٹمٹماتے ہوئے بلبوں کی دھیمی اور ناکافی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ایسے میں دو انسانی وجود کسی سائے کی مانند کمپارٹمنٹ میں دندناتے پھر رہے تھے......!!

ان کے ہاتھوں میں ٹارچیں تھیں، جن کے دائروں کا روشن حصار وہ مسافروں پر ڈالتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے......!! گویا چیک کر رہے تھے کہ رات کے اس پہر کوئی جاگ تو نہیں رہا......!!

[illegible] دیئے...... اچانک میرے ذہن میں جھماکہ سا ہوا، یہ لوگ یقیناً وہی تھے کہ جن کا ٹولہ ٹرین میں سوار ہوا تھا اور میں نے ان کے متعلق کوئی اچھی رائے قائم نہیں کی تھی......!!

میں نے نیم روشنی میں یہ بھی دیکھا کہ ان کے دونوں لحیم شحیم ساتھی ہاتھوں میں پستول لئے آرام سے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے......!!

جلد ہی ٹارچ والوں نے برتھ کا رخ کیا اور سامان اتار اتار کر اس کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئے......!!

وہ اپنے کام کی چیزیں ایک طرف نکالتے جا رہے تھے......!! ایسے میں لحیم شحیم میں سے ایک بولا۔

"جلدی کرو تم لوگ......!! پھر ان سب کو جگا کر ان کی جیبیں بھی خالی کرنی ہیں...... اسٹیشن آنے والا ہے......!!"

میرے کان کھڑے ہو گئے...... لیکن میں سوتا ہی بنا رہا اور اپنے جسم کو بے حس و حرکت ہی پڑا رہنے دیا۔

یہ حقیقت تھی کہ اس وقت سب ہی خواب خرگوش کی لذتوں میں گم تھے...... ان بے چاروں کو کیا معلوم کہ ایک انجانی مصیبت ان کے سروں پر کھڑی ہوئی ان کی شامت کو آواز دینے والی ہے......!!

سامان کی اچھی طرح تلاشی لینے کے بعد اور قیمتی سامان ایک چادر میں باندھ کر اب وہ لوگ مسافروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

اسی اثناء میں لحیم شحیم آدمیوں نے کھڑے ہو کر اپنی پستولیں مسافروں کی طرف تان لیں......!!

مسافروں کو جگایا گیا، جن میں میری بھی شمولیت تھی......!! پستولوں کو دیکھ کر سب ہی کی ہوا خراب ہو گئی...... نیند سے جاگی ہوئی آنکھوں میں خوف اور دہشت نے عجیب سا سماں پیدا کر دیا......!!

بڑے میاں تو پریشان تھے ہی، ان کی دونوں [illegible] آوازیں بلند ہونے لگیں......!!

پورے کمپارٹمنٹ میں عجیب سی سنسنی پھیل گئی تھی، ایسے میں لحیم شحیم میں سے ایک نے بلند اور بارعب آواز میں کہا:

"شور شرابا بند کرو...... اور جو کچھ بھی تم لوگوں کی جیبوں میں ہے وہ جلدی سے نیچے ڈال دو...... کسی بھی قسم کی ہوشیاری اور چالاکی خود تم لوگوں کے لئے نقصان دہ ثابت ہو گی......!!"

"خواہ مخواہ......!!" بڑے میاں چیخے: "ارے ظالموں......!! یہ کیا کر رہے ہو...... کچھ تو رحم کھاؤ......!!! میری بیٹی کی شادی ہو رہی ہے......!! دن رات ایک کر کے تو انتظام کیا ہے میں نے...... خواہ مخواہ......!!!"

"اوہ...... تو وہ تمہارا سامان تھا......!!" ایک ٹارچ والے نے دانت نکالے: "جس میں سے سونے کا سیٹ نکلا ہے؟"

"کیا......؟؟؟" بڑے میاں اور ان کی بیگم بے ساختہ بول اٹھے: "تو...... تم نے سامان بھی کھول ڈالا......؟"

"ہاں......!! تم لوگوں کی نیند خراب نہیں کی......!!" اس نے سر ہلایا۔ "لیکن اس وقت جگانا مجبوری تھی......!!!"

میں نے صاف طور پر محسوس کیا کہ ان بے چاروں کے چہرے فق ہو گئے تھے۔ یوں جیسے کسی نے جسم سے خون ہی نچوڑ لیا ہو:

"کیا ہوا بڑے میاں......!!" اسی ٹارچ والے نے چھیڑا: "تمہاری تو سٹی ہی گم ہو گئی......!! ایسا بھی کیا......؟؟"

"یہ بتاؤ کہ تم نے سامان میں سے کیا نکالا ہے؟" بڑے میاں مضطرب لہجے میں بولے۔

"زیورات کا سیٹ......!!" جواب ملا: "مجھے اندازہ لگا تھا کہ وہ یقیناً سونے کا ہوگا۔"

"اوہ...... اوہ......!!" بڑے میاں ہلکان ہو رہے تھے۔ وہ بے ساختہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے: "خدا کے واسطے وہ واپس کر دو...... تم نہیں جانتے کہ میں نے کس طرح اس سیٹ کا انتظام کیا ہے...... میں قسم کھا کر......"

"بکواس بند کر بڈھے......!!" ٹارچ والا یکدم ہی غرایا تھا اور اس کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

اب وہاں سفاکی اور بے رحمی کے سوا کچھ نہیں تھا، وہ دوبارہ بولا: "مجھے اس سے کیا غرض کہ تم نے کون سی چیز کس طرح حاصل کی ہے۔ وہ سیٹ اب ہم لوگوں کا ہے...... ہمارے استاد کی بھی شادی ہونے والی ہے، اب وہ سیٹ اسی کے کام آئے گا...... اب تم آرام سے بیٹھ جاؤ...... اور ہاں...... جیب سے بھی مال متاع نکالو...... جب تم بیٹی کی شادی کرنے جا رہے ہو تو نوٹ بھی ٹھیک ٹھاک ہوں گے تمہارے پلے...... جلدی سے نکالو......!!"

"تمہارا استاد کون ہے......؟" میں اچانک ہی

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

بول اٹھا: "میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔"
میری آواز کافی بلند تھی، چنانچہ یہ الفاظ سنتے ہی سب لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے۔
ناریج والا تو بڑے خونخوار انداز میں متوجہ ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ دونوں لحیم شحیم بندے خاص طور پر یہ جملہ سن کر میری طرف متوجہ ہو چکے تھے۔
تیر تو اب کمان سے نکل ہی چکا تھا اور میں اپنے جملے کی بدولت اب کافی نگاہوں کا مرکز بن چکا تھا......!!
"یہ کیوں پوچھا تم نے؟" ناریج والے کا لہجہ سرد تھا: "کون ہو تم......؟؟"
"چھوڑ جیدے......!!" عقب سے ایک بھاری بھرکم آواز ابھری: "تم لوگ جلدی جلدی اپنا کام نمٹاؤ......!! اسٹیشن آنے والا ہے......!!"
"اچھا دوست......!!" ناریج والا فوراً بولا۔
پھر وہ کمپارٹمنٹ کے مسافروں کی طرف دیکھ کر بلند آواز میں بولا: "تم لوگ چاروں طرف سے گولیوں کی زد پر ہو، اس لئے ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر اپنی جیبیں خالی کر دو......!! جلدی کرو......!!"
یہ سن کر سب ہی کے ہاتھ اپنی اپنی جیبوں میں گھس گئے، ادھر استاد بھی تلے قدموں سے میری طرف بڑھنے لگا اور قریب آ کر اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں اور زوردار آواز میں دھاڑا:
"بول......!! کیا بولتا ہے......!! میں ہوں استاد......!!"
میں نے غور سے اس کی طرف دیکھا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔
صورت حال کافی نازک تھی، اور میرا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ چنانچہ میں نرم لہجے میں بولا:
"استاد......!! اس غریب لڑکی کے ساتھ یہ تو کھلا ہوا ظلم ہے......اس کے باپ نے نہ جانے کس طرح اس کی شادی کا انتظام کیا ہوگا......!!"
"تو پھر......؟؟" استاد نے تمسخرانہ انداز میں آنکھیں نکالیں: "کیا کروں......؟ سارا سامان واپس کر دوں؟"
"اگر ایسا ہو جائے تو بڑی اچھی بات ہے......" میں جلدی سے بولا: "باقی تمہاری مرضی ہے......!!"
"یہ ہیرو بن رہا ہے......" دوسرے لحیم شحیم کی آواز آئی: "گولی مار دوں استاد......؟"
ساتھ ہی اس نے اپنا ریوالور سیدھا کیا تھا......!!
ادھر اس کے گرگے مسافروں سے سامان بٹورنے میں مصروف تھے۔
"نہیں......!!" لڑکی بے ساختہ بول اٹھی: "انہیں کچھ مت کہنا......!!"
"ارے......" استاد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا: "یہ گڑیا تو بولنے والی ہے......اس میں موٹر کہاں لگی ہے......ذرا دیکھوں تو......!!"
اس نے یہ کہہ کر لڑکی کی طرف قدم اٹھایا ہی تھا کہ میں نے اپنی سیٹ چھوڑ دی اور ان دونوں کے درمیان میں آ گیا......!!
اس کے ساتھ ہی میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال [illegible] کمپارٹمنٹ میں ایک [illegible] طاری ہو گیا۔ شاید کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ میں یہ حرکت کر بیٹھوں گا۔
مجھے یقین ہے کہ تمام دیکھنے والوں کی سوچ بھی ہوگی کہ میں نے اپنی شامت کو آواز دی ہے......
لیکن اس وقت تو میری پوری توجہ صرف اور صرف استاد کی طرف تھی......!!
جس کے بائیں ہاتھ میں پستول چمک رہا تھا......اور اب چہرہ بھی غصے سے دہک رہا تھا......!!
"گولی مار دو سالے کو......!!" استاد کے "جوڑی دار" کی آواز ابھری تھی۔
"نہیں......!!" استاد کا لہجہ کافی زہریلا تھا: "اس کے جسم پر گولی ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں...... میں اس دھان پان سے وجود کو گلا گھونٹ کر ہی مار ڈالوں گا......!!"
یہ کہہ کر اس نے میری گردن کی طرف ہاتھ

بڑھایا......!! اسی وقت نقاب پوش لڑکی کے منہ سے خوف کے عالم میں چیخ نکل گئی تھی۔
اور میرے لئے یہی موقع بہترین تھا۔ میں نے بجلی کی سرعت سے اس کے بائیں ہاتھ سے ریوالور جھپٹا اور ایک لمحہ بھی ضائع کئے بغیر ریوالور کی نال اس کے سینے پر لگا دی:
"خبردار......!! اگر کسی نے مجھ پر گولی چلائی تو میں استاد کے سینے میں ساری گولیاں اتار دوں گا......!!"
یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا تھا کہ کسی کو سوچنے یا کچھ کر گزرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ یوں بھی اس "لٹیرے گروپ" کے باقی کارکن مسافروں سے مال بٹورنے میں مصروف تھے......!!
یہ کایا پلٹ ان لوگوں کے لئے بھی حیران کن ثابت ہوئی تھی۔
استاد کے ساتھی کا تو منہ ہی کھلا رہ گیا تھا۔ میں نے پستول کو استاد کے سینے میں چبھویا:
"میری بات غور سے سننا استاد......!! اگر تمہیں زندگی عزیز ہے تو اپنے گرگوں سے کہو کہ وہ پستولوں کو [illegible] دسویں سیکنڈ میں اس ریوالور کی گولیاں تمہارے سینے میں اتار دوں گا۔"
استاد نے خون خوار نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور پھر کچھ سوچے بغیر ہی بلند آواز میں بولا:
"ہاں بھئی......مت کرنا کوئی غلط حرکت......یہ خبیث ایسا ہی کر گزرے گا۔"
"ٹھیک ہے استاد......!!" کئی آوازیں ابھریں۔
عین اسی وقت ٹرین کی رفتار آہستہ ہونے لگی۔ شاید کوئی اسٹیشن آنے والا تھا......!!!

☆......☆......☆

یہاں بھی قسمت نے میرا ہی ساتھ دیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس لوٹ مار کے سامان میں بہت اہم اور قیمتی چیزیں شامل تھیں جو کہ اس بے چاری لڑکی کا جہیز تھا۔
اسی لئے قدرت نے مجھے یہ موقع فراہم کیا تھا کہ میں اس چیز کی حفاظت کر سکوں، اور اسے غلط ہاتھوں میں نہیں جانے دوں۔ کیونکہ جہیز وہ چیز ہے کہ جس کو جمع کرنے کے چکر میں ماں اور باپ کو سالوں لگ جاتے ہیں......!!
میں اور استاد بھی اسی حالت میں تھے کہ ریوالور کی نالی استاد کے سینے میں گڑی ہوئی تھی......!!
اس کے ساتھیوں نے اپنا اپنا اسلحہ ایک کونے میں ڈال دیا اور پیچھے ہٹ گئے۔
میں چوکنا تھا اور ان لوگوں کے پیچھے ہٹتے ہی میں بلند آواز میں بولا:
"مسافرو......!! بھائیو......!! ان بدبختوں کے ہاتھ پاؤں باندھتے ہیں......!!"
"لیکن......یہاں رسی کہاں ہے؟" مسافروں کی آوازیں ابھریں۔
"یہ تو کرنا ہوگا......!! میں نے تیز لہجے میں کہا: "اگر کپڑے ہوں تو ان ہی سے کام چلا لوں......لیکن جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرو......!!"
اسی اثناء میں ٹرین رک گئی۔ کسی کو خبر بھی نہیں تھی کہ اس کمپارٹمنٹ میں کیا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔
میرے اندازے کے مطابق یہ ریلوے اسٹیشن بے آباد تھا......صرف خانہ پری کے لئے ٹرین کو یہاں روکا گیا تھا۔
عین اسی وقت نقاب پوش لڑکی نے اپنا نقاب اتار دیا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے بادلوں کی اوٹ سے چاند نے جھانکا ہو......!!!
وہ واقعی بہت خوب صورت اور دلآویز نقوش کی مالک تھی، وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی تھی......لیکن صورت حال کے پیش نظر اس نے چپ سادھ رکھی تھی......بس وہ ٹکر ٹکر میری طرف دیکھ رہی تھی۔
کمپارٹمنٹ کے مسافروں پر بھی جوش طاری ہو گیا تھا۔ اور شاید اسی وجہ سے ان کی ہمت بھی بندھ گئی تھی......انہوں نے استاد کے تمام ساتھیوں کو کسی نہ کسی طرح باندھ کر بنڈل بنا دیا تھا۔ جبکہ استاد ابھی تک

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

میرے ہی "شکنجے" میں جکڑا ہوا تھا۔
چنانچہ جب اس کے ساتھیوں کو جکڑ دیا گیا تو اس کے حوصلے بھی پست ہوتے ہوئے دکھائی دینے لگے۔
آخرکار وہ غرایا:
"یہ تم لوگوں نے اچھا نہیں کیا...... !! بہت جلد میں اس کا جواب دوں گا۔"
"بھائی...... !!" میرا لہجہ نرم تھا: "ہم نے تو تم سے کوئی سوال ہی نہیں کیا۔"
"زبان بھی لمبی ہے تمہاری......" استاد کا لہجہ کافی خراب تھا: "مجھے امید نہیں تھی کہ تم مجھے اور میرے ساتھیوں کو چوہوں کی طرح پکڑ لو گے...... !!"
"یہ سب کچھ اس لڑکی کے زیور نے کیا ہے...... !!" میں سنجیدگی سے بولا: "جس کی قدر و قیمت کا تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتے...... !!"
یہ کہہ کر میں ریوالور اسی کی طرف رکھ کر پیچھے ہٹنے لگا...... پھر میں نے مسافروں سے کہا:
"اسے بھی جکڑ لو...... !! اگر مزاحمت کرے تو گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دینا...... !! اور اس سے پہلے کہ ٹرین روانہ ہو، ان لوگوں کو ریل میں موجود پولیس کے حوالے کرنا ہے...... !!"

☆......☆......☆

ان لٹیروں کو پولیس کے حوالے کر دیا گیا...... !! ٹرین کی روانگی میں تھوڑی تاخیر ہو گئی تھی، لیکن جب سفر شروع ہوا تو ہر طرف سے میری واہ واہ ہو رہی تھی...... خاص طور پر وہ لڑکی اور اس کے ماں باپ تو مجھ پر فدا ہوئے جا رہے تھے۔
میرا شکریہ ادا کرتے ان کی زبان نہیں تھک رہی تھی۔ لڑکی کا نام نگہت تھا...... وہ لب طبیعت سے میرا انٹرویو لے رہی تھی اور میں گویا اس کے آگے گھن چکر بنا ہوا تھا۔
جب میں نے انہیں مختصراً اپنے بارے میں بتایا تو بڑے میاں فوراً ہی بولے:
"صاحب زادے...... !! تم بھی ہمارے ساتھ ہی چلو...... خواہ مخواہ...... !!"
"نہیں جناب...... !!" میں فوراً بولا: "میں جس کام کے لئے نکلا ہوں، سب سے پہلے وہیں جانا پسند کروں گا...... کیونکہ میرا دوست انتظار کر رہا ہوگا۔ البتہ میں واپسی میں کوشش کروں گا کہ آپ کی طرف آ جاؤں...... !!"
"وعدہ کرو...... خواہ مخواہ...... !!"
میں ہنس دیا اور بولا:
"چلیں...... !! اگر وعدہ خواہ مخواہ ہے تو کر لیتا ہوں...... !!"
میرے ساتھ نگہت بھی ہنس پڑی تھی اور بڑے میاں کھسیانے سے ہو گئے۔

☆......☆......☆

میرا اسٹیشن نگہت وغیرہ سے پہلے ہی آ گیا تھا، چنانچہ مجھے وہاں اترنا محال ہو گیا، سب ہی میرے آگے پیچھے جا رہے تھے۔ خاص طور پر نگہت اور اس کے گھر والوں کا تو بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ مجھے اترنے ہی نہ دیں۔ ایسے میں نگہت کے منہ سے نکلا [illegible] "بھیا...... !!" [illegible]
میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا، ایک بار پھر ذہن نے ماضی کے دریچوں میں ایک دم چھلانگ ماری تھی...... جہاں میری دونوں بہنیں مجھے اکلوتا ہونے کی وجہ سے "بھیا" کے نام سے ہی مخاطب کرتی تھیں۔
کسی کو بھلانا شاید ممکن نہیں ہوتا...... ہم بھی دنیا سے گزر جانے والے کسی نہ کسی صورت یا بہانے سے اپنی یادوں میں زندہ جاوید ہو جایا کرتے ہیں۔ لاکھ کوشش کریں لیکن اس کے باوجود [illegible]
میرے سامنے اپنی دونوں معصوم بہنوں کی شکلیں لہرانے لگیں اور آنکھوں میں نمی دوڑ گئی۔
نگہت صاف طور پر میری کیفیت کو بھانپ چکی تھی...... چنانچہ وہ فوراً بولی:
"بھیا...... !!!! کیا ہوا......؟ آپ افسردہ کیوں ہو گئے؟"

"یادِ ماضی کبھی کبھی کسی عذاب کی صورت میں سامنے آ کھڑی ہوتی ہے۔" میں بجھے بجھے سے انداز میں مسکرایا: "اور میں دعا ہی کرتا رہ جاتا ہوں کہ مجھ سے میرا حافظہ چھین لیا جائے۔"
"خواہ مخواہ...... !!" بڑے میاں نے آنکھیں نکالیں: "ایسی باتیں نہیں کرتے برخوردار...... !! بری بات ہوتی ہے...... !!"
میں نے خاموشی سے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنا سامان اٹھا کر دروازے کی طرف بڑھا...... !! کئی ہاتھ اٹھے تھے، جنہوں نے مجھے الوداع کہا تھا...... !! اور پھر میں نے ریلوے پلیٹ فارم پر قدم رکھ دیا...... !!

☆......☆......☆

بیل گاڑی کے سفر کے لئے مجھے تھوڑی دور پیدل چلنا پڑا تھا...... یہ ایک چھوٹی سی جگہ تھی...... اگر اسے ننھا منا سا گاؤں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا...... !!
یہاں مزدور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ باقاعدہ گھاس پھونس سے بنے ہوئے گھروں میں آباد [illegible] یہاں آباد ہو گئے تھے...... ان کا یہی کام تھا کہ وہ اپنی بیل گاڑیوں میں مسافروں کو قریبی گاؤں دیہات میں اجرت لے کر پہنچایا کرتے تھے...... !!
اور شاید اپنی گزر بسر اوقات کی وجہ سے ہی ان لوگوں نے اپنا گاؤں یہاں بسا لیا تھا۔
اس اسٹیشن پر میرے ساتھ اور بھی کئی لوگ اترے تھے...... چنانچہ کئی بیل گاڑیوں میں وہ مسافر سوار ہو گئے۔ میں بھی اسی جانب لپکا تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی سونال گوٹھ کی سواری نہیں تھی۔
میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ دور سے ایک بیل گاڑی اسی طرف آ رہی تھی، میں شاید سونال گوٹھ جانے والا اکیلا ہی مسافر تھا، چنانچہ میں اسی جانب لپکا۔ اور پھر دور سے ہی اشارہ کر کے ہاتھ ہلا دیا۔
سفید کرتا اور دھاری دار دھوتی پہنے ہوئے ایک بڑے میاں اس بیل گاڑی کے مالک تھے، انہوں نے اپنے سر پر ایک بڑا سا پگڑ باندھ رکھا تھا۔
میرا اشارہ سمجھتے ہوئے انہوں نے بیل گاڑی وہیں روک دی اور ٹوٹی ہوئی سی اردو میں بولے:
"ہاں بچہ...... !! تم کدھر جائے گا؟"
"سونال گوٹھ جانا ہے بابا جی...... !!" میں قدرے بلند آواز میں بولا:
انہوں نے چاروں طرف دیکھا اور سوالیہ انداز میں بولے:
"کوئی اور ہے تمہارے ساتھ......؟"
"نہیں...... !!"
"ارے...... پھر تو مشکل ہے......" وہ زور سے نفی میں سر ہلا کر بولے: "تم اکیلے کو لے جانا بھاری پڑے گا...... نہ بابا...... !!"
"کیوں...... کیا وہاں اکیلے جانا منع ہے؟"
"یہ بات نہیں ہے...... !!" وہ فوراً بولے:
"ایسے ہمارا حساب نہیں بنے گا...... تم چار آدمی اور کر لو...... !! پھر میں چلتا ہوں۔"
"اب میں چار آدمی کہاں سے لاؤں......؟" میں سٹ پٹا گیا "لیکن مسئلہ کیا ہے؟"
"ارے بھائی...... تم تو ایک بندے کا کرایہ دے گا...... ہے نا......؟" اس نے سمجھایا: "صرف تمہارے کرائے سے تو ان دونوں بیلوں کی گھاس بھی نہیں آئے گی۔"
"اوہ...... تو یہ بات ہے...... !!" میں نے سر ہلایا۔
پھر میں جلدی سے بولا۔
"چاچا...... !! تم ایسا کرنا کہ مجھ سے چار آدمیوں کا کرایہ لے لینا...... !!"
یہ سن کر بڑے میاں کی آنکھیں چمک اٹھیں، لیکن وہ ذرا تیوری چڑھا کر بولے:
"وہ تو ٹھیک ہے...... لیکن تم نے مجھے چاچا کیوں بولا...... !! اب تو میں تم سے آٹھ آدمیوں کا کرایہ

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

وصول کر کے بھی وہاں نہ جاؤں گا......!!"
میں نے غور سے ان کی طرف دیکھا، چہرے پر پڑی ہوئی جھریاں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں کہ انہیں چاچا یا بابا ہی بولا جائے......
میں سر پکڑ کر رہ گیا، یہ ایک نئی صورت حال سامنے آئی تھی...... پھر چند لمحوں بعد میں نے ان سے پوچھا تھا:
"اچھا تو...... آپ کو کس نام سے پکارا جائے؟"
"میرا نام دلاور ہے۔" وہ سینہ ٹھونک کر بولے:
"اور تم مجھے دلاور بھیا بول سکتے ہو...... ہاں......!!"
میں نے بڑی مشکل سے اپنی ہنسی ضبط کی تھی اور پھر سنبھل کر بولا: "اوہ اچھا...... تو دلاور بھیا...... چلیں......؟"
"ہاں...... بالکل......!!" فوراً ہی جواب ملا تھا۔
میں ہلکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجاتے ہوئے بیل گاڑی میں سوار ہو گیا۔
بڑے میاں نے فوراً ہی سائیڈ میں رکھا ہوا بید اٹھایا اور بیل کی کمر پر جڑ دیا......!!
یہ سگنل ملتے ہی جگالی کرنے کے سے انداز میں منہ چلانے والے بیل نے گردن ہلائی اور اس کے بھاری بھرکم وجود میں حرکت ہوگئی۔
جلد ہی ناہموار زمین پر ڈانواں ڈول ہوتی اور بل کھاتی ہوئی بیل گاڑی اپنے سفر پر روانہ ہوگئی۔
دھوپ میں کافی شدت تھی، خاص طور پر شہر کے مقابلے میں مجھے یہاں زیادہ گرمی کا احساس ہو رہا تھا......!!
ارد گرد درختوں اور جھاڑیوں کی بہتات تھی، ان ہی کے درمیان میں ایک پتلی سی پگڈنڈی پر چلتے ہوئے دلاور نامی بڑے میاں نے مڑ کر مجھ سے پوچھا:
"ہاں شہری بابو...... سونال گوٹھ کیسے آنا ہوا؟"
"وسیم نامی ایک نوجوان وہاں کا رہائشی ہے۔" میں نے بتایا۔ "شہر میں ہم دونوں ایک ہی جگہ نوکری کرتے ہیں۔ وہ اپنی شادی کے سلسلے میں یہاں آچکا ہے، اور میں اسی کی دعوت پر یہاں آیا ہوں۔"
"اوہ...... اچھا......!!" بڑے میاں نے سر ہلایا، پھر وہ رازدارانہ انداز میں قدرے جھک کر بولے تھے۔
"میں ایک بات کہوں؟"
"ضرور......!!"
"تم وہاں جا تو رہے ہو...... لیکن ذرا ہاتھ پاؤں بچا کر رکھنا......!!"
"جی...... کیا مطلب......؟" میں نے گویا حیرت کا اظہار کیا تھا۔
"وہاں جن لوگوں کا سکہ چلتا ہے، وہ لوگ بہت خراب ہیں...... تم ان سے بچ کر ہی رہنا اور اپنے کام سے کام رکھنا......!!"
"میں وہاں کوئی غیر قانونی کام کرنے نہیں جا رہا۔" میں جلدی سے بولا: "ایک دوست کی شادی میں شرکت کرنے جا رہا ہوں......!!"
"کچھ بھی سہی......!! بس میری نصیحت کو یاد رکھنا...... وہاں [illegible] اجارہ داری ہے اور وہ لوگ بڑے ظالم ہیں۔"
"اچھا......!!" میں نے سر ہلایا: "کیا کرتے ہیں وہ لوگ......؟"
"جان سے بھی مار دیتے ہیں......!! باقی الگ قصہ ہے......!!"
"اوہ......!!!" میرے منہ سے نکلا۔
اس کا مطلب یہ تھا کہ وسیم نے مجھ سے دروغ گوئی سے کام نہیں لیا تھا......!!
تھوڑی دیر بعد ہی آبادی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ اسی وقت "دلاور بھائی" نے کہا:
"لو......!! سونال گوٹھ آ گیا......!!"
اتنا کہہ کر انہوں نے بیلوں کی باگیں کھینچیں اور بیل گاڑی رک گئی۔
میں نے حیرت سے ان کی شکل دیکھی:
"لیکن آبادی تو ابھی دور ہے۔"

"ہاں......!! اور تمہیں پیدل کا سفر طے کرنا پڑے گا......!!"
"کیوں......؟"
"میں آبادی میں نہیں جاؤں گا۔"
"اس کی وجہ......؟"
"ان لوگوں کا کوئی بھروسہ نہیں ہے...... اس سے پہلے بھی کئی بیل گاڑیوں پر وہ لوگ قبضہ کر چکے ہیں، اور اب سب ہی لوگ گوٹھ کے اندر داخل ہونے سے کتراتے ہیں......!! تم مجھے کرایہ دے دو، تاکہ میں واپس جاؤں......!!"
"اچھا بھئی دلاور بھائی......!!" میں نے طویل سانس لے کر کہا اور بیل گاڑی سے چھلانگ لگا دی: "مرضی ہے آپ کی......!!"
پھر میں نے انہیں کرایہ دیا اور اپنا بیگ کندھے سے لٹکا کر پیدل ہی گوٹھ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

☆......☆......☆

سونال گوٹھ...... کچے اور اینٹوں سے بنے ہوئے مکانوں کا امتزاج تھا...... گویا ایک چھوٹا سا شہر [illegible] میں واقع تھا......!!
میں یہاں جس راستے سے داخل ہوا تھا، اس جانب جنگلی درختوں اور جھاڑیوں کی بہتات تھی......
کچھ لوگ بھی دکھائی دیئے، جو مجھے گھورتی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور میں ان سے بظاہر بے نیاز ہو کر اپنے راستے پر گامزن تھا۔
وسیم کا بتایا ہوا پتا میرے ذہن نشین تھا، چنانچہ جلد ہی میں ایک کچے مکان کے سامنے موجود تھا۔ جس کی دیواریں بغیر پلاستر کی تھیں۔
دروازہ کھٹکھٹایا تو وسیم ہی کی شکل دکھائی دی۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے دیئے جل اٹھے۔
اور پھر وہ خوشی کے عالم میں جھومتا ہوا مجھ سے لپٹ گیا:
"میرے دوست...... میرے عزیز...... بہت خوب......!! کتنی شدت سے مجھے انتظار تھا...... آؤ...... آؤ......!!"
وہ مجھے اندر لے گیا...... مجھے گھر میں کافی گھما گھمی محسوس ہوئی...... شور شرابا بھی عروج پر تھا۔ وسیم مجھے دروازہ کے قریب ہی ایک چھوٹے سے خالی کمرے میں لے آیا تھا...... جہاں کافی لمبی چوڑی چارپائی بچھی ہوئی تھی......
عین اسی وقت چند چھوٹے چھوٹے سے بچوں نے کمرے میں آ کر جھانکا اور پھر وسیم کو دیکھتے ہی وہاں سے رفو چکر ہو گئے......!!
"ان لوگوں نے گھر کو سر پر اٹھا رکھا ہے......!!" وسیم ہنس کر بولا: "سارے بچے مل کر اتنا شور شرابا کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ!!"
"یہ تو ہے......" میں نے سر ہلایا: "جہاں بچے ہوں، وہاں شرارتیں تو ضرور ہوتی ہیں...... ساتھ میں شور شرابا تو لازمی ہے......!!"
"بس کیا بتاؤں......!!" اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری: "خیر...... یہ سب تو چلتا ہی رہے گا۔ میں تمہارے نہانے اور پھر کھانے کا بندوبست کرتا ہوں......!!"
"ارے رہنے دو ابھی......!!" میں نے ادھر ادھر دیکھا: "یہ بتاؤ کہ یہاں کوئی کرائے کا گھر مل سکتا ہے...... میرا مطلب ہے کہ ایک کمرے کا مکان ہو۔"
"کیوں......؟" اس نے حیرت سے میری شکل دیکھی......!!"
"میں اپنے لئے بول رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا:
"اچھا...... وہ کس لئے؟" اس نے غور سے مجھے دیکھا۔
"بھئی...... میں ایک اجنبی ہوں۔" میں نے اسے سمجھایا: "اور تمہارے گھر میں یوں بھی مہمانوں کا تانتا بندھا ہوا ہوگا۔ اس لئے میرا یہاں رکنا کچھ مناسب نہیں ہوگا۔"

https://www.urdutubes.com/
www.urdutubes.com
Digitized by Google

''ہوں......تو یہ بات ہے۔'' اس نے سر ہلا کر جواب دیا۔

اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے اسے غصہ آ گیا ہو اور وہ اسے ضبط کر رہا ہو۔

پھر وہ اٹھتے ہوئے بولا:

''تم بیٹھو......میں ابھی آتا ہوں۔''

''کہاں......؟؟'' میں نے بے ساختہ پوچھا۔

''تمہارے سوال کا جواب لینے جا رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا۔

میں بے خیالی اور الجھن کے عالم میں پہلو بدل کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وسیم نے عجیب سی بات کہی تھی اور اس کی وضاحت کئے بغیر ہی باہر چلا گیا تھا۔

اور پھر تھوڑی دیر بعد وسیم کی واپسی ہوئی تو اس کے ہمراہ دو افراد اور بھی تھے۔ ان میں سے ایک تو کافی بوڑھا سا آدمی تھا، جس نے سر پر سفید رنگ کی بڑی سی پگڑ باندھ رکھی تھی۔ یہ یقیناً وسیم کا باپ تھا......جبکہ ان کے ساتھ آنے والا نوجوان وسیم کی مشابہت رکھتے ہوئے میرے اندازے کے مطابق اس کا بھائی تھا۔

میں بے اختیار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ بوڑھے شخص کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔

میں حیرت زدہ سا رہ گیا۔

☆......☆......☆

دفعتاً بوڑھے نے ہی زور دار انداز میں سر ہلاتے ہوئے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھتے ہوئے پوچھا:

''کیوں جی......!! یہ میں کیا سن رہا ہوں......!!''

''جی......!!'' میں ٹپٹا گیا۔ ساتھ ہی میں نے وسیم کو گھورا تھا: ''میں سمجھا نہیں......کیا سنا ہے آپ نے......!!''

''لو اور سنو......!! بوڑھا اب وسیم کی طرف گھوما:

''انہوں نے کہہ تو سب کچھ دیا پر سمجھا کچھ نہیں......!!''

''یہ......یہ میرے والد ہیں۔'' وسیم نے جلدی سے تعارف کروایا: ''اور یہ میرا چھوٹا بھائی آصف ہے۔''

فوراً ہی آصف نے گرم جوشی کے انداز میں مجھ سے ہاتھ ملایا تھا۔ میں اب بھی الجھن کے عالم میں تھا۔ آخر وسیم کا باپ غصے میں کیوں تھا؟

''آپ لوگوں سے مل کر بے حد خوشی ہوئی۔'' میں نے کہا۔ ''لیکن آپ کے اس جملے نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔''

''بھئی سیدھی بات ہے۔'' وسیم کے باپ نے ہاتھ اٹھا کر کہا: ''اگر ہمارا کوئی مہمان ہم سے یہ کہے کہ میں آپ کے گھر میں نہیں رک سکتا تو یہ سراسر ہمارے لئے تکلیف دہ بات ہے......کیا ہمارا گھر اتنا ہی برا ہے؟''

''میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ اب بات میری سمجھ میں آ چکی تھی......وسیم کا سادہ لوح باپ یہ سن کر پریشان ہو گیا تھا کہ وسیم کا دوست کہیں اور جا رہا ہے۔

چنانچہ میں مسکراتے ہوئے بولا:

''خاور میاں......!! میں [illegible] پریشانی کی خاطر کہہ دیا تھا۔''

''بالکل کوئی ضرورت نہیں ہے کہیں جانے کی۔'' وسیم کے باپ نے آنکھیں نکالیں۔

پھر وہ وسیم کی طرف گھوما اور بولا:

''تم کیا منہ دیکھ رہے ہو......؟ جاؤ......اپنے دوست کے نہانے دھونے اور کھانے پینے کا انتظام کرو......!! جاؤ بھئی......!!

اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ وسیم سمیت سب ہی لوگ مخلص اور مہمان نواز تھے......وسیم کا شہری دوست ہونے کے ناطے میرا اور بھی خیال رکھا جا رہا تھا......!! خوب ہی آؤ بھگت ہو رہی تھی۔

دوسرے دن ہی وسیم کی شادی تھی، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ عین نکاح کے موقع پر بڑے چوہدری صاحب خود اس جگہ موجود ہوں گے اور ان کی غیر

موجودگی میں نکاح نہیں ہو سکتا۔

یہ بات مجھے وسیم نے بتائی تھی۔

''بڑی بے تکی سنائی تم نے......'' میرے منہ سے نکلا: ''اگر کسی وجہ سے بڑے چوہدری صاحب نہ آ سکے تو کیا شادی نہیں ہو گی؟''

''بالکل نہیں۔'' وسیم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

''مطلب......؟''

''بارات واپس لوٹ جائے گی۔'' اس نے بتایا۔

''یہ کیا بکواس ہے......''

''میں سچ کہہ رہا ہوں میرے دوست۔'' وسیم دھیرے سے بولا۔ ''ابھی تمہیں معلوم ہی کیا ہے؟ آگے آگے دیکھنا کہ یہاں کیا کیا ہوتا ہے۔''

''ایسے دیکھنے سے تو بہتر ہے کہ میں اپنی آنکھیں ہی بند کر لوں......!!'' میں نے منہ بنایا: ''کیونکہ یہ سراسر زیادتی ہے......بھلا دو زندگیوں کے بندھن میں کسی اور کا کیا کام......؟ قاضی اور گواہ تو چلو......سمجھ میں آتے ہیں......''

''[illegible] جان......یہاں تو کچھ ایسا معاملہ ہے کہ قاضی ہو یا نہ ہو، لیکن چوہدری صاحب کی موجودگی لازمی ہے......''

''دیکھنا ہی پڑے گا تمہارے چوہدری صاحب کو......'' میں کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''اور میں یہاں اسی وجہ سے آیا ہوں کہ ذرا اس قبیلے سے آمنا سامنا کر سکوں......''

☆......☆......☆

میں نے یہ دو دن گھر کے اندر ہی گزار دیئے تھے۔ حالانکہ وسیم نے بھی مجھ سے کئی بار کہا کہ میں ذرا باہر نکلوں اور گھوموں پھروں لیکن میں نے ہنس کر ٹال دیا تھا......!!

اس دوران وسیم کا باپ سلطان اور چھوٹا بھائی بھی گاہے بگاہے میرے پاس آتے رہے......

بچوں کے شور شرابے کے باوجود میں نے خود کو اسی گھر میں قید کر لیا تھا......اور اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ فی الحال میں لوگوں کی نظروں سے بچنا چاہتا تھا......

بہرحال شادی کی گھڑی آن پہنچی......وسیم کو دولہا بنا گیا اور رشتے داروں کے ساتھ ساتھ دوستوں کے غول کے ساتھ بارات روانہ ہو گئی۔

میں اس دن گھر سے باہر نکلا تھا۔ اور مجھے وسیم نے اپنے ساتھ ہی رکھا تھا......ایک سجی سجائی کار میں مجھے وسیم کے ساتھ ہی بٹھایا گیا تھا۔

راستے میں وسیم نے مجھے بتایا کہ یہ کار چوہدری صاحب کی مرہون منت ہے......اور دولہا دلہن کے لئے چوہدری گھرانہ ہی یہ انتظام کرتا ہے۔

''شاید اسی وجہ سے چوہدری صاحب کی یہاں موجودگی ضروری ہے......؟'' میں نے پوچھا تھا۔

وسیم نے فوراً ہی اپنے چہرے پر سے سہرے کی جھالریں ہٹائیں اور خوف زدہ انداز میں ڈرائیور کو کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا:

''کیوں شادی سے پہلے ہی مروانے کے چکر میں ہو......ارے خدا کے لئے ایسی باتیں مت کرو......کسی نے سن لیا تو مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔

میں خاموش ہو گیا......!! بارات کے دوسرے لوگ پیچھے ایک بس میں سوار ہو کر آ رہے تھے......!! مجھے واقعی کافی عزت دی گئی تھی، شاید اسی لئے میں دولہا کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا......!!

آخرکار یہ قافلہ ایک چھوٹے سے گھر کے سامنے پہنچ کر رک گیا......جہاں قدرے فاصلے پر شامیانہ لگا ہوا تھا اور کچھ لوگ پھول اور پتیاں لے کر دولہا کے استقبال کے لئے موجود تھے......!!

چند رسموں کے بعد ہمیں اسٹیج پر بیٹھا دیا گیا......!! یہاں بھی رسموں کا آغاز ہوا، لیکن یہ سب کچھ مردوں ہی کے درمیان تھا......ابھی تک مجھے عورتوں کی جھلک بھی دکھائی نہیں دی تھی......!! اور یہ ایک عجیب بات تھی۔

میں نے وسیم کے کان میں سرگوشی کی:

https://www.urdutubes.com/

"عورتیں دور دور تک نظر نہیں آ رہیں...... یہ کیا چکر ہے؟"

"ہماری شادیوں میں تمام عورتیں صرف گھر تک محدود رہتی ہیں......!!" اس نے بتایا: "اور لڑکی کی ساری رسومات وہی کرتی ہیں...... دولہا اور دلہن صرف سیج والے کمرے میں ہی آمنے سامنے آتے ہیں......!!"

"اوہ...... اچھا......!!" میں نے سر ہلایا۔

تھوڑی دیر گزری تھی کہ وسیم کے باپ اور بھائی وہاں آ گئے۔ ان کے ساتھ ان کے کئی دوست احباب بھی گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے تھے......!! ان لوگوں کی کانا پھوسی جاری تھی......!! ہنسی اور قہقہے بھی بلند ہو رہے تھے......!!

اب میرا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں تھا...... چنانچہ میں وہاں سے ہٹ کر ایک کرسی پر آ بیٹھا......!!

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ سفید شلوار قمیص میں ملبوس دو لمبے تڑنگے جوان شامیانے میں داخل ہوئے اور دولہا کی طرف قدم بڑھانے لگے......!!

میں غور سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا، البتہ میں نے گوارہ نہیں کیا تھا کہ میں کرسی سے اٹھ جاؤں......!!

ان دونوں کو دیکھ کر وسیم کا باپ اور بھائی اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ پھر ان لوگوں کی آپس میں کچھ بات چیت بھی ہوئی تھی۔

میں نے محسوس کیا کہ سلطان صاحب کے چہرے پر یک دم ہی مردنی چھا گئی تھی......!! وسیم کے بھائی کے تاثرات بھی کچھ اچھے نہیں تھے......!!

پھر سفید سوٹ والے چلے گئے تھے اور وہ دونوں پتھر کے بتوں کی طرح ساکت کھڑے رہ گئے......!!

تھوڑی دیر بعد سلطان صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں اعلان کرنے والے انداز میں کہا:

"واپس چلو...... یہ شادی نہیں ہوگی......!!"

☆......☆......☆

ماحول پر سکوت سا طاری ہو گیا۔ یہاں لڑکی والے بھی موجود تھے۔ سب ہی اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

کئی زبانیں کھل گئیں اور سب کا ایک ہی سوال تھا:

"کیوں بھئی......!! کیا ہوا......؟؟"

"یہ شادی فی الحال ملتوی ہو گئی......!!" سلطان احمد کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے برآمد ہوئی تھی: "نئی تاریخ کا اعلان جلد ہی کر دیا جائے گا۔"

"لیکن کیوں سلطان احمد؟" ایک عمر رسیدہ آدمی نے درشت لہجے میں کہا: "تم ہمارے ساتھ یہ ظلم کیوں کر رہے ہو......؟ تم جانتے ہو کہ لڑکی والوں کا کیا معاملہ ہوتا ہے؟ یہ سب کچھ کانچ سے بھی زیادہ نازک ہوتا ہے۔"

"میں سب جانتا ہوں......!!" سلطان صاحب نے اسی لہجے میں جواب دیا: "لیکن میں مجبور ہوں...... بڑے چوہدری صاحب کسی مجبوری کے تحت یہاں آ نہیں سکیں گے......!!"

"وہ نہ آئیں......!!" ایک اور شخص بھاری آواز میں بولا تھا: "ہمیں ان سے کیا سروکار......؟ نکاح تو قاضی صاحب پڑھائیں گے......!!"

"قاضی صاحب بھی ان کے ساتھ ہی تھے......!!" سلطان صاحب نے وضاحت کی تھی: "لیکن اب وہ بھی نہیں آ سکیں گے......!!"

"تو آپ کسی اور کا بندوبست کر لیں......!!" وہی شخص بولا۔

میرا خیال ہے کہ یہ آدمی یقیناً لڑکی کا باپ تھا......!! اور عمر رسیدہ شخص بھی اسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا......!!

سب ہی اٹھ کھڑے ہوئے تھے اور اسٹیج کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا تھا...... میں بھی اب وہاں بیٹھ کر کیا کرتا......!!

اس بھیڑ بھاڑ میں میری کوشش تھی کہ میں وسیم کے قریب پہنچ جاؤں۔

اسی وقت سلطان صاحب کی آواز گونجی:

"عارف صاحب......!! معاملہ کچھ اور ہے...... جس شادی میں بڑے چوہدری صاحب شریک نہ ہوں، وہاں نکاح نہیں ہو سکتا...... ابھی جو بندے یہاں آئے تھے، وہ یہی اطلاع دینے آئے تھے کہ شادی روک دی جائے...... کیونکہ چوہدری گھرانے میں کوئی حادثہ پیش آ گیا ہے......!!" سلطان صاحب نے مبہم سی تفصیل بتائی۔

لڑکی والوں میں سے اکثر لوگوں کا منہ بن گیا۔ میں غور سے سب ہی کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

بہرحال کافی بحث اور مباحثے کے بعد روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ ان کی عورتیں بھی گھر سے نکل آئی تھیں...... ہر طرف چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں......!!

میں وسیم کے قریب ہی موجود تھا، عین اسی وقت ایک آدمی قریب آیا اور وسیم سے مخاطب ہو کر سرگوشیانہ انداز میں بولا:

"میں نے پتا لگایا ہے وسیم بھائی......!! چوہدری صاحب کی چھوٹی بیٹی پر کل رات سے ایک جن عاشق ہو گیا ہے...... وہ اسی کی وجہ سے پریشان ہیں......!!"

☆ ☆ ☆

وسیم نے سہرا ہٹا دیا، اس وقت میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ کافی مرجھایا ہوا تھا۔ موجودہ صورت حال سے وہ کافی متاثر ہوا تھا......!!

لڑکی والے کسی اور سے آئے تھے...... یہی وجہ تھی کہ ان کے لئے ایک گاڑی تیار کھڑی تھی......!!

باری باری سب اس میں سوار ہو گئے...... آخر میں دلہن کو بھی سوار کیا گیا اور پھر وہ لوگ وہاں سے روانہ ہو گئے......!!!

شامیانہ بے آباد ہو کر رہ گیا تھا...... جبکہ سلطان صاحب اور وسیم کا بھائی عابد ایک طرف کھڑے ہو کر تشویش کن انداز میں رخصت ہونے والوں کو دیکھ رہے تھے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" وسیم نے اسے گھورا۔

"میں...... میں ٹھیک کہہ رہا ہوں...... کل رات ہی رانی بی بی پر ایک خطرناک جن سوار ہو گیا ہے...... اور پورا گھرانہ اسی میں لگا ہوا ہے...... اب تک کئی پیر فقیروں کو حویلی میں لایا گیا ہے...... لیکن سنا ہے کہ وہ جن بہت ہی زبردست ہے......!!"

"اوہ...... اچھا......!!" وسیم کے چہرے کی مردنی مزید گہری ہو گئی۔

وہ لڑکا سر ہلا کر چلا گیا تھا۔ میں نے اب وسیم کو غور سے دیکھا اور بولا:

"جن کا معاملہ تو دوسرا ہی ہے...... لیکن اگر تمہارے چوہدری صاحب کو نزلہ کھانسی بھی ہوا تو کوئی سہاگ رات نہیں منا سکتا...... کیوں......؟"

"اڑا لو مذاق بھائی......!!" وسیم کا منہ پھول گیا:

"اب تم نہیں بولو گے تو کو بولے گا......!!"

"لیکن میں غلط نہیں بول رہا......!!" میرا لہجہ تیز تھا: "کیا تم لوگوں کی عقلیں ماتم کرنے چلی گئی ہیں؟ ارے بے وقوف انسان......!! کیا تمہیں اندازہ ہے کہ اس وقت کیا سانحہ ہوا ہے؟ لڑکی کا یہاں آنا اور پھر واپس چلے جانا انسانیت کی کتنی بڑی تذلیل ہے......!!"

"کیا کروں......!! اس قانون کے آگے میں بھی مجبور ہوں......!!" وسیم بے چارگی سے بولا۔

"ایک بات بتاؤ......!!" میں کچھ سوچ کر بولا۔

"کیا......؟"

"لڑکی والے کہاں سے آئے تھے؟"

"قریبی گاؤں سے......!!"

"اچھا...... کیا تم وہاں جا کر شادی نہیں کر سکتے؟"

"نہیں......!!"

"کیوں......؟"

"یہ بھی اس گوٹھ کی روایات میں شامل ہے......" وسیم نے بتایا: "یہاں کا باشندہ اسی گوٹھ میں شادی کی رسومات ادا کرے گا...... اور اگر اس نے کہیں اور شادی کر لی تو پھر اس کا سونال گوٹھ سے کوئی تعلق نہ ہوگا......!! یہی وجہ ہے کہ اسی میدان میں شادیاں ہوتی ہیں......

https://www.urdutubes.com/

لڑکی والوں کو یہاں بلایا گیا تھا!!

"اور پھر انہیں اسی حال میں واپس بھیج دیا گیا۔" میرا لہجہ طنزیہ تھا۔

وسیم سے کوئی جواب نہ بن پڑا......وہ نظریں چرا رہا تھا، بغلیں جھانک رہا تھا......!!

اس وقت چاروں طرف پھیلی ہوئی تیز دھوپ عجیب طرح سے جسم میں چبھتی ہوئی محسوس ہورہی تھی۔

وسیم کا باپ یعنی سلطان احمد اب گھر کی طرف قدم بڑھا رہا تھا، لیکن اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کوئی بہت بڑا جوئے باز ہو اور اپنا سب کچھ ہارنے کے بعد اب گھر کا رخ کررہا ہو۔

☆......☆......☆

تھوڑی دیر بعد وسیم کے خاندان والے بھی چھٹ گئے......یہاں تک کہ گھر میں موجود تمام رشتے دار بھی رخصت ہوگئے تھے......!!

پھر میں بھی وسیم کے ساتھ گھر کی طرف چل دیا، دروازے سے اندر داخل ہوئے تو گھر میں موت کا سناٹا طاری تھا......!! اس قدر بھرا پرا گھر تھا یہ کچھ دیر پہلے اور اب ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کسی کھنڈر میں آ گیا ہوں......!!"

اپنے مخصوص کمرے میں آ کر میں پلنگ پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ وسیم بھی دھم کرکے میرے برابر میں ہی بیٹھ گیا تھا......!!

"کیوں بے چارے پلنگ پر اپنا غصہ اتار رہے ہو؟" میں نے اسے گھورا: "اس مظلوم نے تمہارا کیا بگاڑا ہے......؟"

"بس بھائی شکیل......!!" اس نے ٹھنڈی سانس بھری: "بہت خفت اٹھانی پڑی ہے آج...... میں تو دلہن کا چہرہ بھی نہیں دیکھ سکا......!!"

"اتنی ہمت تو لاؤ اپنے اندر......!!" میں نے ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا: "صرف آنسو بہانے سے مسئلے حل نہیں ہوتے......!!"

"تو پھر کیا کروں......؟" اس نے سوالیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

"جاؤ......اور لڑکی کے گاؤں میں جا کر ہی نکاح کرلو......"

"پھر......؟؟"

"پھر اسے عزت سے اپنے گھر میں لے آؤ......!!"

"یہ سب کچھ کہہ دینا آسان ہے......لیکن کرنا جیسے مشکلوں کے پہاڑ کی طرح ہے......!!"

"یہ پہاڑ تم نے خود ہی کھڑا کیا ہے......!!" میں نے جواب دیا: "اگر تم گوٹھ والے مل کر احتجاج کرو تو چوہدری کی مجال نہیں ہے کہ وہ اس طرح کے قانون بنا سکے......!!"

"یہ بہت مشکل کام ہے......بلکہ ناممکن ہے......!!"

"کچھ مشکل نہیں ہے میری جان!!" میں دھیرے سے مسکرایا: "تم ابھی میرے ساتھ چلو......میں نکاح پڑھواتا ہوں تمہارا......بولو......!!"

وسیم تھوڑی دیر خاموش رہا اور پھر آہستہ سے بولا: "بات [illegible] ہو، اسی لئے تم ہمارے گوٹھ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتے......چوہدری صاحب کے حکم کی خلاف ورزی کی سزا بہت دردناک ہے......!!!"

"کیا سزا ملتی ہے......؟"

"جان سے بھی مار دیا جاتا ہے......!!" اس نے بتایا: "اگر ایسا نہ ہو اور انہیں کچھ رحم آجائے تو بس معذور کرکے چھوڑ دیا جاتا ہے......!!"

یہ سن کر میری بھنوئیں تن گئیں اور میں غرا کر بولا: "میں دیکھتا ہوں اس جلاد کو......اور میں یہاں آیا بھی اسی لئے ہوں۔"

وسیم نے چونک کر میری طرف دیکھا: "کیا مطلب......؟"

"ہاں......میں اس گوٹھ کو ظلم کے چنگل سے نکالنے کے لئے آیا ہوں......آگے رب کی مرضی

ہے......اسی نے ہمت دی تو میں کچھ نہ کچھ کر گزروں گا۔"

"تم......تم اکیلے کیا کرسکو گے؟"

"یہ ابھی مجھے بھی نہیں معلوم......!!" میں نے ٹھنڈی سانس بھری اور پھر بے خیالی کے عالم میں چھت کو گھورنے لگا۔

☆......☆......☆

سونال گوٹھ کا ماحول ہی بے سدھ ہو کر رہ گیا تھا اور اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ بڑے چوہدری صاحب کی [illegible] زادی کی طبیعت کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی......!!

گوٹھ کے لوگ تو کیڑے مکوڑے کی مانند تھے......اور اگر حویلی کے مکینوں کو بخار بھی ہوجائے تو [illegible] پورے گوٹھ پر گرتا تھا......!!

بہرحال اب میں نے فیصلہ کیا کہ حویلی کا رخ کیا جائے......میں اس نئی صورت حال کو دیکھنا چاہتا تھا......ممکن تھا کہ چوہدری کی لڑکی کے لئے میں کچھ کرسکتا......!!

[illegible] اپنے خیالات سے وسیم کو آگاہ کیا تو وہ چونک اٹھا:

"کیا......؟؟ تم حویلی میں جاؤ گے......؟"

"ہاں......کیوں......؟؟"

"پاگل ہوگئے ہو کیا......؟" وہ بول اٹھا: "تم اپنی شامت کو خود کیوں بلانا چاہتے ہو......؟"

"ابھی تم کس طرح کہہ سکتے ہو کہ میری شامت آ گئی ہے......!!" میں نے اسے تیز نگاہوں سے گھورا: "یہ کسی اور کی بھی ہوسکتی ہے......!!"

"حویلی کا رخ کرنا......اپنی خود ہی شامت کو آواز دینے کے برابر ہے......!!"

"میرے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے......!!" میں لاپرواہی سے بولا: "میں تو خود موت کی تلاش میں رہتا تھا......!! اب اس دنیا میں میرا کون رہ گیا ہے......!! میں جارہا ہوں......"

"کہاں......؟"

"حویلی کی طرف......!!"

"تم میری شادی میں آئے تھے، جو ہو نہیں سکی......اب تم واپس لوٹ جاؤ......!!"

"ہاں......اب یہ سمجھ لو کہ میں واپس ہی لوٹ گیا......!!" میں نے جواب دیا: "اب میں یہاں سے جارہا ہوں......!!"

"کوئی بے وقوفی مت کرنا شکیل......!!" اس نے کہا: "ان لوگوں کا سامنا کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے......!!!"

"میں اسی میں سکون محسوس کرتا ہوں۔" میرا جواب تھا۔

وسیم نے میری ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیئے اور پھر بولا: "اچھا......میں اپنے والد کو کیا جواب دوں......!!"

"کہہ دینا کہ میں واپس لوٹ گیا......!!"

"ٹھیک ہے......لیکن ایک بار پھر سوچ لو......!! کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری کسی پریشانی کا میں باعث بن جاؤں......کیونکہ میں تمہیں یہاں لانے کا روادار ہوں......!!"

"تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی......اور نہ ہی مجھے تم سے کوئی شکایت ہوگی......فکر مت کرو......!!!"

☆......☆......☆

میں جلد ہی چوہدری گھرانے کی حویلی کے سامنے موجود تھا......!!!

یہاں آ کر مجھے معلوم ہوا کہ بڑے چوہدری کی بیٹی کا نام کنول تھا......جو کہ اوپری اثر میں تھی......اس کے لئے ہنگامی طور پر حویلی کی بیٹھک کھول دی گئی تھی۔

"جہاں کئی لوگ موجود تھے......ان میں حکیم بھی تھے اور پیر فقیری سے متعلق کچھ بزرگ ٹائپ کے لوگ بھی دکھائی دیئے......!!

https://www.urdutubes.com/

معلوم ہوا کہ یہ سب ہی کنول کے سلسلے میں بلائے گئے ہیں اور انہیں چوہدری صاحب نے ہی مدعو کیا تھا......!!

میں بھی اسی بیٹھک کی طرف بڑھا تو ایک پہرے دار نے مجھے روک لیا:

”ہاں میاں......!! کہاں......؟“

”میں کنول بی بی کے سلسلے میں آیا ہوں......!!“ میں آہستہ سے بولا۔

”کہاں سے آئے ہو؟ کیا بلوایا تھا تمہیں......؟“

”نہیں......!! میں خود ہی آیا ہوں......!!“ میں نے جواب دیا: ”اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟“

”ویسی ہی ہے......!! تم کہاں سے آئے ہو؟“

”شہر سے......!!“ میں نے جواب دیا: ”میں اپنے ایک دوست کی شادی کے سلسلے میں یہاں آیا تھا......کنول صاحبہ کا معلوم ہوا تو یہاں آ گیا......!!“

”ہوں......!!“ پہرے دار نے مجھے گھورا: ”تم تماشہ دیکھنے آئے ہو؟“

”نہیں......!!“ میں نے جواب دیا: ”تماشہ دکھانے آیا ہوں......!! میں بس ایک نظر کنول صاحبہ کو دیکھنا چاہتا ہوں......“

”ہوں......!! کیسا تماشہ......؟“

”تم پہلے چوہدری صاحب کو میرا حوالہ دو......!! اس کے بعد ہی میں اپنے بارے میں کچھ بتا سکوں گا۔“

پہرے دار نے مجھے گھورا اور پھر اندر کی طرف چلا گیا، جلد ہی اس کی واپسی ہوئی اور اس نے کہا:

”تم مہمان خانے میں بیٹھو......جلد ہی چوہدری صاحب بذات خود تم سے رابطہ کریں گے......!!“

میں حویلی میں داخل ہو گیا......اس ہال نما بڑے کمرے میں کئی لوگ موجود تھے......جو حلیے اور رنگ ڈھنگ سے حکمت اور پیر فقیری سے متعلق دکھائی دے رہے تھے......!!

سب ہی نگاہوں نے میرا محاصرہ کر لیا......!! کچھ چبھتی ہوئی نظریں بھی تھیں جن میں مجھے حقارت اور تمسخر کا عنصر چھلکتا ہوا دکھائی دیا۔

جلد ہی میں ان لوگوں کے درمیان ایک دری پر بیٹھ گیا......!!!

میرے برابر میں ہی ایک بوڑھا آدمی موجود تھا......!!

تھوڑی دیر بعد ہی وہ جھک کر بولا:

”کیوں نوجوان......؟ یہاں کس سلسلے میں آنا ہوا......؟“

”میں اس جن کو دیکھنے کا خواہاں ہوں۔“ میں آہستہ سے مسکرا کر بولا: ”جس کو قابو کرنے کے لئے آپ سب یہاں آئے ہوئے ہیں......!!!“

میرا یہ جملہ جن لوگوں نے بھی سنا، ان کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ ہنسی نمودار ہو گئی۔

وہی بوڑھا بول اٹھا:

”میں ایک نامور حکیم ہوں......!!! ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ رانی صاحبہ کے ساتھ کیا معاملہ ہے......میں تھوڑی دیر میں اندر جانے والا ہوں لیکن اگر وہ [illegible] سے تو دو گیارہ ہو جاتا......کیونکہ جن بچوں کو ضرور نقصان پہنچاتے ہیں، خاص طور پر جو بچے کمزور ہوں......!!“

ان کی اس بات پر کئی چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ میں بالکل پرسکون رہا، پھر آہستہ سے بولا:

”آپ نے میرے متعلق غلط اندازہ لگایا جناب......!! میں کمزور ہرگز نہیں ہوں......!!“

”تو کیا تم گاما پہلوان ہو......؟“

”نہیں......!!“ میں نے کہا: ”میرا نام شکیل آقا ہے......اور میں اندرونی طور پر کافی طاقت ور انسان ہوں......!!“

”اچھا......وہ کیسے......؟“ ایک بابا ٹائپ ادھیڑ عمر نے مذاق اڑانے والے انداز میں پوچھا:

”اس کا مظاہرہ میں صرف چوہدری صاحب کے سامنے ہی کروں گا......!!“ میں نے جواب دیا۔

چہ میگوئیاں سی ہونے لگیں......پھر اسی بوڑھے حکیم نے مجھ سے کہا:

”ٹھیک ہے......پھر تم ہی پہلے اندر جانا......!!“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں......!!“

تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ اندرونی حصے کا دروازہ کھلا اور ایک نوکر ٹائپ آدمی نمودار ہوا ساتھ ہی اس نے آواز لگائی:

”حکیم فالوس کو چوہدری صاحب بلا رہے ہیں......!!“

وہی بوڑھا حکیم اٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

”نہیں......میں بعد میں جاؤں گا......پہلے اس نوجوان کو اندر بھیجو......!!“

”کیوں......؟“ نوکر نے حیرت سے پوچھا۔

”ہم لوگ دیکھنا چاہتے ہیں کہ چوہدری صاحب اس کے ساتھ کیا معاملہ کرتے ہیں......!!! یہ بڑے بڑے دعوے کر رہا ہے......!!“

”چلو بھئی تم آ جاؤ......!!“ نوکر نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: ”[illegible]......؟“

”شکیل آقا......!!“

”ٹھیک ہے......آؤ......!!“

میں اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا......ایک بڑے سے کمرے میں چار افراد موجود تھے......جو کہ حلیے سے ہی چوہدری خاندان کے دکھائی دے رہے تھے......!!

ان میں دو نوجوان سال آدمی تھے جبکہ ایک بڑی عمر کی عورت کے ساتھ ہی اس کے ہم عمر ایک باوقار اور مضبوط تن و توش کا مالک آدمی موجود تھا......!!

مجھے یقین تھا کہ یہی بڑا چوہدری تھا جبکہ برابر میں بڑی چوہدرانی بھی موجود تھی۔

سامنے ہی ایک خوب صورت مسہری پر ایک حسین لڑکی دم سادھے پڑی تھی......اس سناٹے میں اس کی سانسوں کی آواز کمرے میں گونجتی ہوئی صاف محسوس ہو رہی تھی......!!!

سب کی نگاہیں مجھ پر جم گئیں، جن میں حیرت اور الجھن صاف دکھائی دے رہی تھی۔

پھر باوقار دکھائی دینے والے بوڑھے شخص نے مجھے مخاطب کیا:

”تم کون ہو نوجوان......؟“

”میرا نام شکیل ہے چوہدری صاحب......!!“ میں نے پرسکون انداز میں جواب دیا: ”اور میں آپ کی بیٹی کے لئے کچھ کر گزرنے آیا ہوں۔“

”تم بھلا کیا کر سکو گے؟“ اس کے لہجے میں حقارت تھی: ”کل سے ہم لوگ بڑے بڑے نامور لوگوں کو یہاں لا چکے ہیں......لیکن نتیجہ صرف نکلا ہے......!! کوئی فائدہ نہیں ہوا......!!“

”ہو سکتا ہے کہ میں کچھ کر سکوں......!!“

”اگر تم یہاں صرف وقت گزاری کے لئے آئے ہو تو اس کی سزا بہت دردناک ہے......تمہاری نسلیں بھی اس غلطی کو یاد کر کے رویا کریں گی۔“ ایک جوان آدمی نے درشت لہجے میں کہا۔

”ایسا کچھ نہیں ہے جناب......“ میں تحمل سے بولا: ”اگر میں نے محسوس کیا کہ میں وقت ضائع کر رہا ہوں تو میں خود ہی اپنے لئے سزا تجویز کر لوں گا......!!“

”جملے اچھے بول لیتے ہو......!!“ وہی ہنس کر بولا تھا۔

پھر بوڑھا شخص آگے بڑھا اور بولا:

”میرا نام چوہدری شجاعت ہے......اور اس گوٹھ کا بچہ بچہ میرے نام سے کانپتا ہے......تم مجھ سے واقف نہیں ہو، شاید اسی لئے میرے سامنے تن کر کھڑے ہو......!!“

”کسی حد تک تو میں نے آپ کے چرچے سن رکھے ہیں......!!“ میں آہستہ سے بولا: ”اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ پہلے آپ کو اپنی بھی ایک جھلک دکھا دوں......!! کیا آپ میرے لئے کوئی لوہے کی موٹی اور مضبوط چیز فراہم کر سکیں گے؟“

”کیا کرو گے اس کا؟“

https://www.urdutubes.com/

"میں اسے موم بنادوں گا......!!"
"واقعی......؟"
"آزمائش شرط ہے......!!" میرا جواب تھا......!!

ان لوگوں نے آپس میں چہ میگوئیاں کیں اور پھر تھوڑی دیر بعد ہی ایک ملازم نے میرے سامنے لوہے کی ایک بھاری اور موٹی سلاخ لاکر رکھ دی۔

جواں سال لڑکا جو کچھ دیر پہلے مجھ سے مخاطب ہوا تھا، اب مذاق اڑانے والے انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا......!!

پھر وہ بولا تھا:
"اب تم اس کا کیا کروگے؟"
"اگر آپ برا نہ مانیں تو ذرا اسے ہاتھ لگا کر دیکھیں......!!"

میرا لہجہ کچھ ایسا ہی تھا کہ اس نے بے اختیار آگے بڑھ کر لوہے کی سلاخ کو جانچا تھا...... وہ اسے بمشکل ہی اٹھا سکا تھا......!!!

میں نے آگے بڑھ کر سلاخ اس کے ہاتھ سے لے لی اور پھر اپنی زور آزمائی کا آغاز کردیا......!!

چند لمحوں بعد ہی میں نے سلاخ کو موڑا اور ایک طرف ڈال دیا......!!!

میں لاپروائی سے ہاتھ جھاڑ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ جبکہ دیکھنے والوں کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی کے دیئے جل اٹھے تھے۔

کافی دیر تک کمرے میں موت کا سناٹا طاری رہا۔ پھر وہی نوجوان بولا تھا۔
"ناقابل یقین...... حیرت انگیز......!!"
"شکریہ......!!" میں نے سر کو خم کیا۔
"تم کون ہو نوجوان......!!" بوڑھے چوہدری نے بہ غور میری طرف دیکھ کر پوچھا: "اور تم میری بیٹی کے لئے کیا کرسکتے ہو......؟"
"تھوڑا بہت علم سیکھا ہے میں نے...... وہ آزمانے کی کوشش کروں گا!!"

"ٹھیک ہے آؤ......!!" بڑے چوہدری نے میرا ہاتھ تھام لیا: "میں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں......!!"
"میں سمجھتا ہوں......!!" میں نے جواب دیا: "اسی وجہ سے یہاں آیا ہوں......!!"
"اگر میری بیٹی ٹھیک ہوگئی تو میں تمہیں انعام و اکرام سے نواز دوں گا......!!"

میں نے کوئی جواب نہیں دیا...... پھر تھوڑی دیر بعد میں نے کہا:
"کیا میں کنول صاحبہ کا معائنہ کرسکتا ہوں؟"
"ضرور...... دیکھو بیٹا......!!" بوڑھی عورت بول پڑی: "اب تک درجنوں لوگ اسے دیکھ چکے ہیں...... لیکن کسی سے کوئی افاقہ نہیں ہوا......!!"
"انہیں کیا ہوا ہے؟" میں نے پوچھا۔
"کل شام سے ہی اس کی عجیب حالت ہے......" وہی بولیں: "مجھ سے ہی باتیں کررہی تھی کہ اچانک ہی اسے چپ سی لگ گئی اور آنکھیں اوپر کو چڑھ گئیں...... گویا وہ پتھر کا بت بن گئی تھی...... میں نے اسے غور سے دیکھا...... بلایا جلایا لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی...... پھر اچانک ہی اس نے بھرائی ہوئی سی آواز میں ایک قہقہہ لگایا اور بولی:
"میں جان لیوا ہوں...... مجھ سے دور ہوجاؤ...... ورنہ میں سب کی جان لے لوں گا......!!!"

بڑی چوہدرانی کا یہ جملہ ایسا تھا کہ جو میرے لئے کسی شاک سے کم نہ تھا......!!

جان لیوا کا نام اتنے عرصے بعد میرے کانوں سے ٹکرایا تھا...... اور وہ بھی بس اچانک ہی......!! مجھے ہرگز امید نہیں تھی کہ اتنی دور آنے کے بعد یہاں اس چھوٹے سے گوٹھ میں یوں اچانک اس کا ذکر چھڑ جائے گا......!!!

میں نے چونک کر بڑی چوہدرانی کی طرف دیکھا:
"یہ...... یہ آپ نے کیا کہا ابھی......؟"

انہوں نے اپنی بات دہرائی تو میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ جس نوجوان نے میرا مضحکہ اڑایا تھا، وہ اب بھی عجیب سے انداز میں میری طرف دیکھ رہا تھا......!!

پھر اس نے اپنے ساتھ والے سے سرگوشی کی اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

چوہدری انہیں جاتے ہوئے خاموشی سے دیکھتا رہا۔ پھر بڑبڑانے کے انداز میں بولا:
"نہ جانے کون سا پہاڑ ٹوٹے گا تو ان دونوں کی عقل ٹھکانے آئے گی...... پاؤں ہی زمین کو نہیں چھوتے......!!"

یہ جملہ میرے کان کھڑے کر گیا...... لیکن میں نے اس جملے کی گہرائی میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔

میں خاموش ہی سر جھکائے کھڑا رہا، پھر وہ خود ہی مجھ سے مخاطب ہوا تھا:
"آؤ برخوردار......!! تم بھی کنول کو دیکھ لو ذرا...... [illegible]"

میں نے بیٹی کی طرف قدم بڑھا دیئے...... وہ دونوں بھی میرے ہمراہ آگے بڑھے تھے۔

لیکن جیسے ہی ہم لوگ کنول کے نزدیک پہنچے، ایک جانی پہچانی سی کڑک دار آواز کمرے میں گونج اٹھی:
"ٹھہرو......!!!"

☆......☆......☆

میں یکدم ہی گھوما تھا، میں نے دیکھا کہ وہی نوجوان دروازے میں تن کر کھڑا تھا...... جس نے میرا مذاق اڑایا تھا۔

اس کے تیور کافی خراب تھے اور اس کی بھنوئیں تنی ہوئی تھیں۔ بڑے چوہدری نے وہیں سے پوچھا:
"کیا ہوا جمیل......!! کیا معاملہ ہے......؟"
"اس شخص کو یہاں سے باہر نکالو......!!" وہ گرج کر بولا: "میں نہیں چاہتا کہ یہ میری بہن کے قریب جائے......!!"
"کیوں......؟ ایسا کیا ہوا ہے......؟" چوہدری شجاعت نے الجھن آمیز لہجے میں پوچھا تھا۔
"یہ یقیناً کوئی بہروپیہ ہے...... اور سوانگ بھر کر کسی غلط مقصد کے تحت اس حویلی میں داخل ہوا ہے......!!"
"تم یہ بات کس طرح کہہ رہے ہو......؟" چوہدری شجاعت نے اسے گھورا: "کیا تم نے ابھی ابھی کچھ دیکھ لیا ہے؟ یا پھر کسی نے تمہیں بتایا ہے؟"
"سب لوگ یہی کہہ رہے ہیں......!!" جمیل نے برا سا منہ بنا کر کہا: "اس نے ضرور ہماری نظر بندی کی ہے...... تاکہ ہم لوگوں پر اپنی دھاک جما سکے......!!"
"لیکن مجھے ایسا کرنے سے کیا فائدہ ہوگا جمیل صاحب؟" میں بول اٹھا: "کوئی وقتی تماشہ دکھا کر میں کتنی دیر اس کا فائدہ اٹھا سکوں گا؟"

بات معقول تھی، چنانچہ جمیل کچھ دیر وہیں کھڑے رہ کر اپنے ہونٹ دانتوں سے چباتے ہوئے مجھے گھورتا رہا، پھر یک دم ہی پلٹا اور سر جھٹک کر وہاں سے چلا گیا۔

اب میں چوہدری شجاعت کی طرف مڑا اور بولا:
"میں جا رہا ہوں چوہدری صاحب...... آپ کسی اور کو بلالیں......!!"
"نہیں......!!" وہ سختی سے بولا: "تم اس منہ زور اور حرام زادے کی گیدڑ بھبکیوں میں نہیں آؤ...... یہ تو بکتا ہی رہتا ہے کچھ نہ کچھ......!!"
"چوہدری صاحب......" چوہدرانی نے احتجاجاً کچھ کہنا چاہا تھا، لیکن شجاعت نے فوراً ہی اس کی بات کاٹ دی:
"تم تو خاموش ہی رہو......!! مجھے آج یہ دن تمہاری بدولت ہی دیکھنے پڑ رہے ہیں......!!"
"میری وجہ سے کیوں......؟"

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT

"ہاں اور کیا......!!" شجاعت جھلا کر بولا:
"تمہارے بے جا لاڈ پیار نے ان دونوں کو اس قدر بگاڑا ہے کہ آج انہوں نے پورے گوٹھ کو جہنم بنا کے رکھ دیا ہے......کاش......کاش میں کسی کو یہ بتا سکتا کہ......"
"اب آپ خاموش ہوجائیں......!!"
چوہدرانی نے فوراً ہی ہاتھ اٹھا دیا۔
شجاعت کے ہونٹوں کو چپ لگ گئی، ویسے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی بات مکمل کرنے کے لئے کافی بے چین تھا۔
کافی عجیب سی صورت حال تھی...... میں اسے پوری طرح سمجھنے سے تو قاصر تھا، لیکن اتنا ضرور اندازہ لگا چکا تھا کہ چوہدری شجاعت کلی طور پر اپنی اولاد سے نالاں تھا......!!!
یہ سب کچھ میرے لئے کافی دلچسپی کا باعث تھا......صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ آنے والا وقت میرے لئے کافی اہم اور مفید یا نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتا تھا......!! ابھی یہ بات سمجھنا مشکل تھا کہ میں آگے کسی مشکل کے دلدل میں پھنستا ہوں یا پھر کوئی آسانی میرے لئے باہیں پھیلا کر میرا انتظار کر رہی ہے......!!
میں اسی سوچ بچار میں تھا کہ چوہدری شجاعت کی آواز نے مجھے خیالات کے کنوئیں سے باہر کھینچ نکالا:
"آؤ میرے بچے......!! نہ جانے کیوں میرا دل تمہاری طرف مائل ہوتا جارہا ہے......!!
"ہونہہ......!!" یہ آواز چوہدرانی کے منہ سے نکلی تھی......!!
پھر وہ بھی پاؤں پٹخ کر وہاں سے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی رخصت ہوگئی......
اب یہاں میں، چوہدری شجاعت اور بے ہوشی کے عالم میں بے سدھ پڑی ہوئی کنول تھی......!!
"ان لوگوں پر خاک ڈالو بیٹا......!!" وہ بولا:
"میں جانتا ہوں کہ یہ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے ہیں......تم فی الحال کنول کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور یکسوئی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دیکھو......!!! اگر تم اس کے لئے کچھ کرسکے تو بہتر ہے ورنہ پھر میں حتیٰ الامکان ان درندوں سے بچانے کی کوشش کرتے ہوئے تمہیں یہاں سے نکالنے کی بھرپور کوشش کروں گا...... آگے تمہارا نصیب ہے......!!"
"میں سمجھا نہیں آپ کی بات......!!" میں قدرے انجان بن کر بولا تھا۔
چوہدری میری بات کا جواب دیئے بغیر ہی کنول کے بیڈ کی طرف بڑھا۔
مجبوراً مجھے بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ میں اس سوئے ہوئے حسین پیکر کا جائزہ لینے لگا۔
اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ کنول ایک حسن و جمال کا اعلیٰ نمونہ تھی......!! سینے سے اٹھنے والا لمبی لمبی سانسوں کا جوار بھاٹا اس وقت نہ جانے کیوں میرے دل کے سمندر میں جیسے ہچکولے کھانے لگا تھا......!!
میں نے سر کو جھٹکتے ہوئے اپنے آپ کو سنبھالا اور رحیم بابا کی بتائی ہوئی چند دعائیں یاد کرنے لگا۔ چلے کے دوران انہوں نے مجھے چند عوامل ایسے بھی بتائے تھے کہ جن کے ذریعے جنوں کو روبرو حاضر کیا جاسکتا ہے...... کیونکہ جن بھی آخر ایک مخلوق ہی تھا۔
میں نے ان ہی کا بتایا ہوا ایک عمل دل ہی دل میں دہرایا اور پھر چوہدری صاحب سے مخاطب ہو کر بولا:
"میں آپ کی بیٹی کے ہاتھ کی ایک انگلی کو دبانا چاہتا ہوں......کیا آپ کی اجازت ہے؟"
"ضرور......!!" چوہدری شجاعت سر ہلا کر بولا۔
میں نے کنول کی طرف آہستہ آہستہ بڑھا اور اس کے داہنے ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی کو زور سے دبا دیا......!!
[illegible] میں پڑھائی میں مصروف ہوگیا...... ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی اور میں ابھی اپنا عمل مکمل بھی نہیں کرسکا تھا کہ اچانک ہی کنول کے جسم میں حرکت ہوئی......!!!
(جاری ہے)

خونی حسینہ

عامر شہزاد۔ننکانہ صاحب

آدھی رات تک لڑکی نے صبر کیا لیکن نشہ جب حد سے بڑھا تو وہ بے قابو ہوگئی اور پھر اپنے نوکیلے دانت اپنے محبوب کی گردن میں پیوست کردیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا محبوب ٹھنڈا ہوگیا تو پھر......

خوف وہراس کی پگڈنڈی پر محو پرواز اپنی نوعیت کی ہیبت ناک اور حیرت ناک کہانی

قسمت کی بات ہے کہ اتنے حسین لوگوں میں بوٹا کالی رنگت کے ساتھ پیدا ہوا حالانکہ اس کے نقوش خوب صورت اور صحت اچھی تھی مگر کالی رنگت اسے دوسروں سے ممتاز کرنے کا سبب رہی تھی۔ کالا اچھا، رحم دل اور ہمدرد قسم کا لڑکا تھا سوائے گوری رنگت کے اس میں سارے گن موجود تھے۔ سب اس کی تعریف کرتے تھے مگر رشتہ دینے سے سب انکاری تھے۔
کالا جس کا اصل نام بوٹا تھا مگر کالی رنگت کی وجہ سے سارے گاؤں میں کالے کے نام سے مشہور تھا عرف کالا بہت پریشان تھا اس کی پریشانی بھی برحق تھی اس کے تمام ہم عمر لڑکوں کی شادی ہو چکی تھی اب صرف وہی کنوارہ بچا تھا۔ ان کا گاؤں پہاڑوں میں گھرا ہوا بہت خوب صورت سرسبز وادی میں ندی کے کنارے بہت دلکش نظارہ پیش کرتا تھا، بہترین آب وہوا کی وجہ سے یہاں کے باشندے خوب صورت، گورے، صحت مند اور دلکش نقوش کے مالک تھے انہی خصوصیات کی بنا پر وہ پورے ملک سے زیادہ حسین اور ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

غریبوں کا ساتھی، بیواؤں اور یتیموں کا ہمدرد، بہنوں کا بھائی، غیرت مند اور سب کا احترام کرنے والا لڑکا تھا۔
گاؤں کی رسم کے مطابق اس کی شادی کسی اور علاقے میں بھی نہیں ہو سکتی تھی۔

شنو گاؤں کی حسین ترین لڑکیوں میں شمار ہوتی تھی کالا اسے چاہنے لگا۔ مگر شنو اسے گھاس نہیں ڈالتی تھی ایک دو بار کالے نے اس سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ حقارت اور غصے سے بولی۔

اچھا تو اب تم مجھ سے محبت کرو گے؟ اب جا جا کر آئینے میں اپنا چہرہ تو دیکھ بڑا آیا پیغام محبت لے کر، اس کے بعد اگر مجھ سے بات کرنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی اور نہ ہوگا۔

ایک دن شنو کا اکلوتا بھائی ندی میں نہا رہا تھا کہ اچانک ڈوبنے لگا اس منظر کو گاؤں کے بہت سے بہادر نوجوان دیکھ رہے تھے۔ شنو بھی موجود تھی جو مدد کے لئے چیخ و پکار کر رہی تھی مگر کسی نے اس کی مدد نہ کی اتنے میں کالا بھی وہاں پہنچ گیا اور فوراً شنو کے بھائی کو بچانے کے لئے ندی میں کود گیا، کافی جدوجہد کے بعد وہ اسے بچانے میں کامیاب ہو گیا اس کے کارنامے کو پورے گاؤں میں سراہا گیا اب اسے پورا یقین تھا کہ وہ شنو کے دل میں اپنے لئے جگہ بنانے میں کامیاب ہو جائے گا مگر یہ صرف اس کا وہم تھا کیونکہ شنو نے اس بار پہلے سے بھی زیادہ اس کی بے عزتی کر ڈالی۔

کالے کو اس بات کا شدید دکھ ہوا اسے احساس محرومی اور احساس کمتری نے آن گھیرا اور وہ اپنی زمینوں پر بنی حویلی جو گاؤں سے کافی فاصلے پر تھی میں رہنے لگا وہ لوگوں سے بالکل کٹ چکا تھا۔ سارا سارا دن فصلوں میں کام کرتا اور رات کو سونے کے لئے حویلی میں چلا جاتا۔
اب وہ اکثر پریشان اور کھویا کھویا سا رہنے لگا گھنٹوں غمگین گانے سنتا رہتا۔

"جانے کیوں لوگ محبت کیا کرتے ہیں۔ دنیا میں کتنا غم ہے میرا غم کتنا کم ہے۔ جانے کہاں گئے وہ دن، زندگی کی نہ ٹوٹے لڑی، اور اس دل میں کیا رکھا ہے، میں تیرا شہر چھوڑ جاؤں گا، تیری گلیوں میں نہ رکھیں گے قدم اور آخری گیت سنانے کے لئے آئے ہیں" اس کے پسندیدہ گانے تھے جنہیں وہ بار بار سنتا اور غم فراق میں تڑپتا رہتا۔

گرمی کے موسم میں ایک شام ٹھنڈی ہوا چلنے لگی آسمان پر گہرے بادل چھا گئے ہلکی ہلکی بوندا باندی کے بعد تیز بارش شروع ہو گئی کالے کو ایسا موسم بہت پسند تھا مگر جب انسان اندر سے خوش نہ ہو تو باہر کا موسم اس کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

وہ سونے کی تیاری کر رہا تھا کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی وہ بھی حیران ہوا کہ اتنی تیز بارش میں بھلا کون ہو سکتا ہے؟

اس نے حیرانگی سے دروازہ کھول دیا۔ سامنے ایک حسین و جمیل لڑکی کھڑی تھی سرخ پھول دار کپڑوں میں ملبوس اور بارش سے مکمل بھیگی ہوئی دوپٹے سے آزاد اوپر سے اس کا انگ انگ واضح نظر آ رہا تھا۔ جو سونے پر سہاگے کے مترادف تھا کالا اسے مسلسل تک رہا تھا پھر وہ حسینہ خاموشی توڑتی ہوئی بولی! کیا مجھے اندر آنے کو نہیں بولو گے؟

کالا فوراً خوشی سے بولا! کیوں نہیں آئیے، تشریف لائیے! [illegible] یہاں...... اندر آ کر وہ حسین چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی!

دراصل میں مسافر ہوں مرکزی سڑک پر بذریعہ سفر کر رہی تھی کہ تیز بارش اور زبردست طوفان کی وجہ سے بس خراب ہو گئی۔ مسافروں میں صرف میں ہی واحد لڑکی تھی بس تو صبح ہی ٹھیک ہوگی اس لئے میں نے آپ کی حویلی کا رخ کر لیا کہ شاید کوئی سر ڈھانپنے کی جگہ مل جائے۔

کالا اس حسن کی دیوی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، کالے نے اس کے لئے کھانے کے لئے جو کچھ موجود تھا سامنے رکھ دیا اور چائے بھی بنائی مگر حسینہ کھانے میں دلچسپی نہیں لے رہی تھی کالا سمجھا شاید امیر گھرانے کی ہونے کی وجہ سے اسے غریبوں کا کھانا پسند نہیں آ رہا مگر بات دراصل کچھ اور ہی تھی...... تھوڑی دیر میں ہی وہ آپس میں خوب گھل مل گئے رات گزارنے کے لئے وہ ایک ہی بستر پر لیٹ گئے۔

کالا حیران تھا کہ حسین اجنبی لڑکی جس کا نام امبر تھا جسے اس نے پہلے کبھی دیکھا تک نہ تھا اتنی جلدی کیسے اس کے ساتھ سونے کے لئے تیار ہو گئی؟ اس نے اپنا نام امبر بتایا۔

پھر امبر نے اسے بتایا کہ وہ بہت امیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے بہت عرصہ قبل ہی اس کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے اور اس کا چچا اس کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے لئے اس کی شادی اپنے ذہنی معذور بیٹے سے کرنا چاہتا ہے، اسی لئے وہ گھر سے بھاگ آئی اور اب وہ اس کے پاس ہے۔

بجلی کڑک رہی تھی بارش اور زیادہ تیزی سے برسنے لگی، ایسے سہانے موسم میں جب ایک خوب صورت اور جوانی سے بھرپور حسینہ بانہوں میں ہو تو کسی نوجوان کو اور کیا چاہئے؟

پھر کالے نے امبر کی رضامندی کو بھانپتے ہوئے "دوری نہ رہے کوئی آج اتنے قریب آؤ کہ میں تم میں سما جاؤں، تم مجھ میں [illegible]" کالا نے اسے [illegible]

آسمان پر بجلی کڑک رہی تھی بالکل اسی طرح جس طرح ان دونوں کے سینے میں بھی ایک طوفان برپا ہو چکا تھا پھر کالے نے یہ شعر کہتے ہوئے بلب بند کر دیا۔

آج شب وصل ہے گل کر دو ان چراغوں کو
خوشی کے بزم میں کیا کام جلنے والوں کا

پھر ان دونوں نے جذبات کی تمام حدوں کو نہ صرف پار کیا بلکہ ایک دوسرے کے جسموں سے خوب فیض یاب ہوئے۔

کالے نے اس کی ہر ممکن خدمت کی۔
اتفاق سے ان دنوں بارش کی جھڑی لگ گئی جو تقریباً چودہ روز تک جاری رہی۔ امبر کالے سے بہت پیار اور شفقت سے پیش آتی اسے ہر طرح سے مکمل خوش رکھتی دونوں اکٹھے جینے مرنے کے وعدے کرتے اور قسمیں اٹھاتے کالے کو اور چاہئے بھی کیا تھا؟ وہ بے چارا تو پہلے ہی اپنوں کا دھتکارا ہوا تھا وہ امبر کے پیار اور حسن و شباب میں مکمل طور پر کھو گیا۔

کالے نے واضح محسوس کیا کہ امبر یا تو کھاتی ہی نہیں اگر کھاتی بھی ہے تو انتہائی کم وہ ہر وقت پریشان اور الجھی سی رہتی، یہ بات کالے کے لئے انتہائی پریشان کن تھی وہ اسے ہر طرح سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا مگر امبر کسی طرح خوش نہ ہوتی۔ البتہ امبر اس کو خوش رکھنے اور اعتماد میں لینے کے لئے اس کی راتوں کو حسین سے حسین تر بناتی رہی، کالا بھی اپنی جذباتی پیاس خوب بجھاتا۔ وہ ہر حال میں اپنی محبوبہ کو خوش دیکھنا چاہتا تھا، اس نے امبر کو اپنی قسم دے کر پوچھا کہ آخر معاملہ ہے کیا؟
تب امبر نے کچھ ایسا کہہ ڈالا جس کا کالے نے تصور تک بھی نہ کیا ہوگا!

وہ بولی! میری جان میرے دلبر مجھے غلط مت سمجھنا دراصل میرا تعلق ایک آدم خور آسیبی قبیلے سے ہے اور ہماری خوراک انسانی گوشت و خون ہے اور پچھلے ایک ہفتے سے مجھے میری خوراک نہیں ملی اس لئے میرا سارا جسم ٹوٹ رہا ہے۔ دل گھبراتا ہے اگر کچھ دن اور مجھے خوراک نہ ملی تو میں مر جاؤں گی۔

پہلے تو کالا اس کی حقیقت جان کر پریشان ہوا مگر اتنی مشکل سے تو اسے کوئی چاہنے والی ملی تھی اور پھر اس حسینہ نے اپنے حسن و شباب کا نظارہ بھی اسے خوب کروایا تھا اب وہ کسی صورت اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے دل بڑا کر کے اس کی خوراک کے انتظام کے لئے مشکل اور خطرناک فیصلہ کر لیا۔

سب سے پہلے وہ اپنے دوست بھولے کو ورغلا کر حویلی لے گیا جسے دیکھتے ہی امبر فوراً اس پر جھپٹ پڑی اور اپنے دانت اس کی گردن میں پیوست کر کے خون پینے لگی بھولے کو محسوس ہوا جیسے کوئی پہاڑ اس پر گر گیا ہو تھوڑی ہی دیر میں امبر نے اس کا سر تن سے الگ کر دیا اور مزے سے اس کا گوشت کھانے لگی اس کے حسین لبوں پر لگا تازہ خون دیکھ کر ایک بار تو کالے کو

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
urdutubes.com

بھی سانپ سونگھ گیا۔

مگر وہ محبت کے ہاتھوں مجبور تھا امبر نے پہلے اس کے سینے، بازو اور پیٹ کا گوشت خوب مزے سے کھایا اور ٹانگیں اگلی خوراک یعنی صبح ناشتے کے لئے سنبھال کر رکھ لیں جبکہ کالا ثبوت مٹانے کے لئے اس جگہ کو اچھی طرح صفائی کرنے لگا۔

امبر نے خوشی میں کالے کی یہ رات اتنی رنگین بنادی جس کا کوئی انسان صرف تصور ہی کرسکتا ہے۔

اگلے دن پورے گاؤں میں بھولے کی گمشدگی کا چرچا ہونے لگا مگر کسی کا شک حویلی تک نہ پہنچ پایا پھر دھیرے دھیرے کالا مختلف بہانوں اور چالاکیوں سے امبر کی خوراک کا ریگولر انتظام کرتا رہا جب گاؤں میں غائب ہونے والے نوجوانوں کی تعداد بڑھنے لگی تو پولیس سے رابطہ کیا گیا حیرت انگیز طور پر امبر صرف نوجوانوں کا خون پیتی اور گوشت کھاتی تھی۔

پولیس اور گاؤں والوں نے اس معمہ کو حل کرنے کے لئے ہر ممکن ٹھوس اقدامات کرنے کا حتمی فیصلہ کیا اور ساتھ ہی پورے گاؤں کے گرد سخت پہرہ لگادیا۔ اس صورت حال میں امبر کی حالت بہ خراب ہوگئی اور وہ سخت پریشان رہنے لگی کالا چاہتے ہوئے بھی اپنی محبوبہ کے لئے کچھ کرنے سے قاصر تھا۔

خوراک کی عدم دستیابی کی وجہ سے امبر کا انگ انگ ٹوٹنے لگا خوب صورت چہرہ مرجھانے لگا کالا امبر سے عشق کی حد تک محبت کرنے لگا تھا۔

امبر کی خراب ہوتی حالت کالے سے نہ دیکھی جاتی پھر بہت سعی اور چالاکی سے وہ ایک اور شکار لانے میں کامیاب ہوگیا اور امبر نے اس کا خون پینے کے بعد تھوڑا تھوڑا گوشت کھانے پر ہی اکتفا کیا۔

دوسری طرف پہرے میں مزید سختی کردی گئی حتیٰ کہ حویلی کے بالکل سامنے بھی کچھ پہریدار تعینات کردیئے گئے۔

حالات بد سے بدتر ہونے لگے کالا مکمل طور پر بے بس ہوگیا امبر کا سر درد اور بھوک سے برا حال ہوگیا، کمزوری اور نقاہت کی وجہ سے وہ بیڈ پر لیٹ گئی۔ یہاں تک کہ اس سے بولا بھی نہیں جاتا تھا۔

کالا اس کے پاس بیٹھ کر تسلی دینے لگا کہ میری جان صبر کرو بس چند دنوں کی بات ہے حالات جلد بہتر ہوجائیں گے اور میں پھر سے پہلے کی طرح تمہاری خوراک مہیا کرتا رہوں گا۔ پولیس انسپکٹر کا کہنا تھا کہ وہ تب تک آرام سے نہیں بیٹھیں گے جب تک کہ اس معمہ کو حل نہیں کرلیتے مگر امبر کی بے چینی، نشہ اور بھوک حد سے بڑھنے لگی کالا اس کے نرم و ملائم بالوں اور گورے چہرے پر ہاتھ پھیرتا اور تسلیاں دیتا سو گیا۔

آدھی رات تک امبر نے صبر سے کام لیا لیکن جب نشہ حد سے زیادہ تنگ کرنے لگا تو اس نے ایسا فیصلہ کیا جو غیر مناسب اور خلاف توقع تھا اس نے اپنے نوکیلے اور تیز دانت کالے کی گردن میں پیوست کردیئے تو کالا درد سے تڑپتا ہوا اٹھنے کی کوشش کرنے لگا مگر اپنی محبوبہ کی طاقتور بانہوں سے آزاد ہونے میں ناکام رہا تھوڑی دیر تڑپنے کے بعد وہ ٹھنڈا ہوگیا پھر تسلی سے امبر نے کالے کا گوشت کھایا۔

اتنا لذیذ، صحت مند گوشت اور تازہ مزیدار و خوش ذائقہ خون اس سے پہلے اسے کبھی میسر نہیں آیا تھا مکمل طور پر [illegible] کے بعد [illegible] سے وہ حویلی سے نکل کر کسی اور کالے کی تلاش میں چل پڑی۔ حویلی کے سامنے موجود تمام پہرے دار امبر کا سایہ تک نہ دیکھ سکے۔

کچھ دن بعد جب پولیس نے محسوس کیا کہ کالا حویلی سے نکل کیوں نہیں رہا؟ تب انہوں نے اندر جا کر دیکھا تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور بیڈ کے ٹکڑوں میں انسانی ہڈیاں اور کھوپڑیاں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔

تمام تر کوششوں اور پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے باوجود بھی پولیس اس معمہ کو حل کرنے میں ناکام رہی۔ البتہ دوسرے نوجوانوں کی طرح کالے کا نام بھی گمشدگان کی لسٹ میں درج ہوگیا۔

☠

بیوی

ضرغام محمود۔ کراچی

https://www.urdutubes.com/
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

اچانک دوشیزہ کے منہ سے نکلا۔ "پھر بتا کیسی ہوتی ہے بیوی اور کس حق سے تو میرے ساتھ وقت گزار رہا تھا۔ دوشیزہ نے اپنے زخمی ہونٹوں سے بہتے لہو کو ہاتھ کی ہتھیلی سے صاف کیا اور مسکرانے لگی۔

حقیقت پر مبنی ذہن سے محو نہ ہونے والی رائٹر کے قلم سے نکلی ہوئی دلکش وشاہکار کہانی

[illegible] پر ایک مشہور فلمی گانے کی دھن [illegible] گنگناتا چلا جارہا تھا رات بھیگ چکی [illegible] گھڑی میں وقت دیکھا رات کے تین بج [illegible] گھڑی میں وقت دیکھنے کے بعد میرے قدم خود [illegible] سردیوں کی آمد آمد تھی لہذا تھوڑی خنکی ہو [illegible] میں نے اپنے ہاتھ سینے پر باندھ لئے اور سیٹی [illegible] قدموں سے چلنے لگا مجھے اپنے گھر پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں ہے کیونکہ اس بھری دنیا میں، میں اکیلا ہوں اور کوئی ایسا نہیں ہے جو گھر میں میرا انتظار کررہا ہو جس کی وجہ سے میں گھر جانے کی جلدی کروں لہذا میں سرور کی کیفیت میں چلا جارہا تھا آخر کو میں اس بازار سے آرہا ہوں جہاں کا نام بھی شریف آدمی اپنی زبان پر نہیں لاتا اور پھر میں نے شراب بھی پی ہوئی ہے لہذا قدم تو میرے لڑکھڑا رہے ہیں۔ راہ چلتے ہوئے مجھے ڈر صرف

پولیس والوں کا تھا کیونکہ اگر میرا سامنا پولیس سے ہو گیا تو۔۔۔تو وہ میری جیب خالی کر دیتے۔۔

میں نے اپنی گلی میں داخل ہو کر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا تا کہ گھر کی چابی نکال سکوں۔ گھر جانے کے خیال سے ہی مجھے کوفت ہونے لگتی ہے خالی گھر مجھے کاٹ کھانے کو دوڑتا ہے۔ میرے کولیگ کہتے ہیں کہ میں شادی کر لوں تو گھر میں کوئی میرا انتظار کرے تو میں جلدی گھر جایا کروں گا۔۔ مگر مجھے شادی کے چکروں سے بڑا ڈر لگتا ہے اور میں شادی کی ذمہ داریوں سے دور بھاگتا ہوں۔ میرے والد کا انتقال میرے بچپن میں ہی ہو گیا تھا اور پھر جب میں نوکری پر آیا تو میری والدہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں لہٰذا جب سے میں اکیلا ہی رہ رہا ہوں۔

اپنی گلی میں جیسے ہی میں داخل ہوا مجھے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی میں نے شوہ کر کے کتے کو ہنکارا تو کتا خاموش ہو کر واپس اپنی جگہ پر چلا گیا وہ سمجھ گیا تھا کہ کوئی جان پہچان والا ہے میں نے اپنے مکان کے سامنے پہنچ کر جیب سے چابی نکالی اور دروازے پر لگا تالا کھولنے لگا اسی وقت میری نظر گھر کے سامنے بنے چبوترے پر پڑی چبوترے پر کوئی شخص سکڑا ہوا لیٹا تھا۔

"سالا ہیروئنچی ہوگا۔۔" میں نے سوچا اور آگے بڑھ کر ایک زوردار لات سوئے ہوئے شخص کی کمر پر ماری۔

"آہ۔۔" ایک نسوانی چیخ بلند ہوئی تو میں بوکھلا گیا چبوترے پر سویا ہوا وجود اٹھ کر بیٹھ گیا وہ ایک جوان لڑکی تھی جو اب سہمی ہوئی نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"کون ہو تم۔۔؟" حواس بحال ہونے پر میں نے سخت لہجے میں پوچھا

"م۔۔ میں۔۔" اس کی زبان لڑکھڑانے لگی

"گھر سے بھاگ کر آئی ہو۔۔؟" میں نے پھر پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا

"پھر کون ہو تم۔۔۔ اور اتنی رات گئے میرے مکان کے سامنے کیوں سو رہی ہو۔۔؟"

"مصیبت کی ماری ہوں۔۔۔ کچھ غنڈے میرے پیچھے پڑے تھے ان سے جان بچا کر یہاں آ گئی۔۔" وہ لڑکی میرے سامنے بے بسی کی تصویر بنی کھڑی تھی۔

"اچھا اندر آ جاؤ۔۔" میں نے اپنے مکان کا دروازہ کھولتے ہوئے اس لڑکی سے کہا تو وہ لڑکی جلدی سے گھر کے اندر گھس گئی میں بھی اس لڑکی کے پیچھے پیچھے گھر میں داخل ہوا اندر پہنچ کر میں نے لائٹ جلائی اور لڑکی کی جانب دیکھا وہ پچیس چھبیس سال کی لڑکی تھی سانولا رنگ اور جاذب نظر تھی اس کے چہرے اور ہاتھ پیروں پر خراشوں کے نشان تھے۔

"اوہ تم تو زخمی ہو۔۔" میں نے لڑکی سے کہا جو سہمی ہوئی دیوار سے چپکی کھڑی تھی پھر میں نے اپنی جیکٹ اتاری اور کرسی پر رکھی اور شوکیس سے زخموں پر لگانے والی لال دوائی اٹھا کر لے آیا۔

"ادھر آؤ۔۔۔ اور پلنگ پر بیٹھ جاؤ۔" میں نے روئی کو دوائی میں بھگوتے ہوئے لڑکی سے کہا تو وہ کسی روبوٹ کی مانند میرا حکم مان کر پلنگ پر بیٹھ گئی۔

جب وہ لڑکی پلنگ پر بیٹھ گئی تو میں نے اس کے زخموں پر دوائی لگانا شروع [illegible] ہو رہی تھی کیونکہ اس کی [illegible]

"کیا نام ہے تمہارا؟" دوائی لگاتے ہوئے میں نے پوچھا

"زلیخا۔۔" اس لڑکی نے مختصر سا جواب دیا۔

"کون ہو تم کہاں سے آئی ہو اور۔۔۔ یہ زخم۔۔" میں نے ایک ساتھ کئی سوال کر دیئے۔

"یہ بہت لمبی کہانی ہے۔۔۔ مگر ابھی مجھے بھوک لگی ہے۔۔" زلیخا کافی حد تک سنبھل گئی تھی۔

"شائد ریفریجریٹر میں کچھ ہو۔۔" میں کمرے سے نکل کر کچن کی جانب بڑھا

"ریفریجریٹر میں تو صرف یہ آدھا برگر ہے اور وہ بھی ٹھنڈا۔۔" میں کمرے میں واپس آیا تو میرے ہاتھ میں آدھا برگر تھا۔

زلیخا نے جلدی سے میرے ہاتھ سے وہ آدھا ٹھنڈا برگر لیا اور کھانے لگی وہ ندیدوں کی طرح اس ٹھنڈے اور سخت برگر پر ٹوٹ پڑی تھی شائد وہ بہت بھوکی تھی ٹھنڈا برگر کھاتے ہوئے زلیخا کو زور کا ٹھسکا لگا تو میں نے فوراً کمرے میں رکھے جگ سے پانی نکال کر اسے دیا اور اس کی پیٹھ سہلانے لگا تھوڑی دیر میں زلیخا کی سانس بحال ہو گئی اور وہ اطمینان سے برگر کھانے لگی۔

"مجھے بہت زور کی نیند آ رہی ہے برگر کھا کر تم میرے پلنگ پر سو جانا میں باہر آنگن میں سو جاؤں گا۔۔" میں نے زوردار جمائی لیتے ہوئے زلیخا سے کہا تو وہ اپنا سر ہلانے لگی کیونکہ اس کے پیٹ میں برگر بھرا ہوا تھا۔

اگلی صبح میری آنکھ کھلی تو کچھ دیر میں خالی ذہن بستر پر لیٹا رہا پھر بستر سے اٹھ کر میں نے ہاتھ منہ دھویا اور کمرے میں جھانکا تو دیکھا کہ زلیخا بے سدھ سو رہی تھی اس کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی میں اس کے چہرے کو دیکھتا رہا پہلے میں نے ارادہ کیا آواز لگا کر زلیخا کو اٹھاؤں مگر پھر میں نے اپنا ارادہ بدل دیا اور زلیخا کو سونے دیا اور خود ناشتہ کرنے ہوٹل پر چلا گیا ہر روز میں ہوٹل پر ہی [illegible] کرتا تھا [illegible] ایک تلا ہوا انڈا اور چائے [illegible] پارسل بنوایا اور گھر آ گیا زلیخا ابھی تک سو رہی تھی میں نے تمام سامان کچن میں رکھا اور خود نہا دھو کر دفتر جانے کے لئے تیار ہونے لگا تیار ہونے کے بعد میں نے دوبارہ کمرے میں جھانکا زلیخا اسی طرح بے سدھ سو رہی تھی میں آہستہ سے مسہری کے قریب گیا اور زلیخا کو غور سے دیکھنے لگا سانسوں کے زیر و بم کے ساتھ زلیخا کا ابھرتا ہوا سینہ میری آنکھوں میں چبھ رہا تھا میں نے جلدی سے اپنی نظروں کا زاویہ بدلا اور کندھا ہلا کر زلیخا کو اٹھایا میرے ہلانے سے زلیخا نے آنکھیں کھول دیں۔

"ناشتہ کچن میں رکھا ہے کھا لینا۔۔۔ میں دفتر جا رہا ہوں۔۔" میں نے زلیخا سے کہا تو وہ سر ہلانے لگی اس کی آنکھوں میں ابھی تک نیند تھی میں اپنی بات کہہ کر کمرے سے نکل گیا اور دفتر کے لئے روانہ ہو گیا۔

زندگی میں پہلی بار دفتر کے کام میں میرا جی نہیں لگ رہا تھا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جاؤں۔ آج دفتر میں کام بھی زیادہ تھا لہٰذا آدھے دن کی چھٹی بھی نہیں لے سکتا تھا آخر خدا خدا کر کے پانچ بجے تو میں نے اپنے فائل بند کی اور گھر جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آج بازار میں بالکل نیا مال آیا ہے۔۔۔ چل رہا ہے میرے شیر۔۔" میرے دفتر کے کولیگ اور ہم مزاج دوست انور نے دفتر بند ہونے کے بعد میرے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں یار۔ آج مجھے ذرا جلدی گھر جانا ہے۔۔" میں نے انور کو جواب دیا تو انور حیران نظروں سے مجھے دیکھنے لگا اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔

"وہ۔۔۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔ رات تھوڑا بخار ہو گیا تھا اس لئے گھر جا کر آرام کروں گا۔۔" میں نے جلدی سے انور کو وضاحت دی۔ میری وضاحت سے انور مطمئن ہوا یا نہیں۔۔۔ میں نہیں جانتا بس میں جلدی سے دفتر سے نکلا اور گھر کے لئے روانہ ہو گیا گھر آتے ہوئے میں نے راستے سے کھانا پارسل بنوایا اور گھر کی جانب جلدی جلدی قدم اٹھانے لگا۔

گھر کے سامنے پہنچ کر میں نے دروازے کا تالا کھولا دروازے میں، میں اس لئے تالا لگا کر گیا تھا کہ محلے والوں کو شبہ نہ ہو کہ میرے گھر میں ایک لڑکی موجود ہے۔ لہٰذا گھر کے دروازے کا تالا کھول کر میں گھر میں داخل ہوا اور پلٹ کر دروازے کی کنڈی لگا دی اور گھر کے اندر کی جانب چل دیا گھر کے اندر پہنچ کر میں ٹھٹک کر رک گیا۔

"یہ میرا گھر ہے۔۔" میں نے چاروں طرف نظریں دوڑا کر دیکھا گھر کا آنگن نکھرا نکھرا صاف ستھرا دھلا ہوا تھا میلے کپڑے بھی دھل کر رسی پر سوکھنے کے لئے لٹک رہے تھے میں کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ کمرہ بھی صاف ستھرا ہے اور مسہری پر صاف چادر بچھی ہوئی ہے زلیخا مسہری پر بیٹھی ہوئی تھی مجھے کمرے میں داخل

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ہوتے دیکھ کر جلدی سے کھڑی ہوگئی اور مجھے سلام کیا۔
"تم نے گھر کی صفائی کیوں کی۔۔؟" میں کھانے کا پارسل زلیخا کو دیتے ہوئے کہا
"کیوں آپ کو برا لگا؟" زلیخا نے میرے سوال کا جواب دینے کے بجائے الٹا مجھ سے سوال کر ڈالا
"نہیں۔۔۔نہیں" میں نے جلدی سے تردید کی" اچھا لگ رہا ہے بلکہ برسوں بعد مجھے اپنا مکان گھر جیسا لگا۔۔۔کچھ اپنا اپنا سا۔۔۔اماں بی کی انتقال کے بعد سے تو اس گھر میں جھاڑو بھی نہیں دی گئی۔۔۔میں تو صرف اس لئے کہہ رہا تھا کہ تم زخمی تھی۔۔۔کیوں فالتو میں اتنی محنت کی۔" میں نے جلدی سے زلیخا کو وضاحت دی تو وہ اپنا سر ہلانے لگی۔
"ایسے بھی کوئی زخم نہیں تھے چند خراشیں ہی تھیں۔۔" زلیخا نے جواب دیا اور میرے ہاتھ سے کھانے کا پارسل لے کی کچن میں چلی گئی۔
تھوڑی دیر میں ہم دونوں ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کھانے کے دوران زلیخا نے اپنی کہانی سنائی کہانی وہ ہی تھی جو تقریباً اس طرح کی لڑکیوں کی ہوتی ہے۔
زلیخا گاؤں میں غیر برادری کے لڑکے کی محبت میں گرفتار ہوگئی دونوں چھپ چھپ کی ملتے رہے لیکن کب تک آخر ایک دن ان کے پیار کے بارے میں ان کے گھر والوں کو معلوم ہو گیا زلیخا پر پابندیاں لگا دی گئیں اور اس کی شادی برادری ہی میں طے کردی گئی زلیخا نے اس ظلم کے خلاف احتجاج کیا مگر کسی نے اس کے احتجاج پر کان نہ دھرا۔۔اور شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں شادی سے ایک دن پہلے زلیخا اور اس کا پریمی گھر سے بھاگ کھڑے ہوئے اور شہر آگئے گھر سے بھاگتے ہوئے زلیخا اپنے ساتھ کافی روپیہ اور زیور بھی لے آئی جب تک روپیہ اور زیور باقی رہا وہ لڑکا زلیخا کے ناز اٹھاتا رہا پھر جب روپیہ پیسہ ختم ہو گیا تو وہ زلیخا کو ایک کوٹھے والی نائیکہ کے ہاتھ فروخت کرکے بھاگ گیا۔
تین سال تک زلیخا کوٹھے پر مردوں کا پہلو گرم کرتی رہی آخر ایک روز اسے موقع مل گیا اور وہ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی اور جو پہلی ٹرین اسے نظر آئی اس میں بیٹھ کر اس شہر میں آگئی مگر اکیلی عورت کے لئے ہمارے معاشرے میں ہر طرف بھیڑیئے ہی بھیڑیئے ہیں وہ لاچار بھوکی پیاسی سب سے بچتی ہوئی میرے گھر کی دہلیز پر تھک کر گر پڑی۔
زلیخا کی کہانی سن کر مجھے بہت افسوس ہوا اور میں نے اسے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دی گھر میں رہنے کے بدلے میں زلیخا
میرے گھر کا کام کاج کرنے لگی گھر کی صفائی کے ساتھ اب وہ کھانا بھی پکانے لگی اور مجھے ہوٹل کے تیز مرچوں والے کھانے سے نجات مل گئی۔
ایک رات جب میں آنگن میں مچھر دانی لگائے سو رہا تھا کہ اچانک مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے میرے اوپر پانی ڈالا ہو میں بوکھلا کر اٹھ بیٹھا تو دیکھا کہ تیز بارش ہو رہی ہے میں جلدی سے چارپائی سے نیچے اترا اور اپنا بستر لپیٹ کر اٹھایا اور سیدھا کمرے میں داخل ہو گیا بارش کی تیز آواز سے زلیخا بھی اٹھ گئی تھی۔
"اچانک تیز بارش شروع ہو گئی۔۔۔بستر بھی گیلا ہو گیا۔۔" میں نے کمرے میں داخل ہو کر بستر ایک جانب رکھا اور زلیخا کو جواب دیا
"آپ تو گیلے ہوگئے ہیں۔۔۔جلدی سے سر پونچھ لیجئے ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی۔۔" زلیخا نے تولیہ مجھے دیتے ہوئے کہا میں نے جلدی سے تولیے کی جانب ہاتھ بڑھایا اور تولیہ اپنی جانب کھینچا۔۔تولیہ زلیخا نے اپنے ہاتھ سے چھوڑا نہیں تھا لہذا میرے تولیہ کھینچنے پر زلیخا کو زور کا جھٹکا لگا اور وہ میرے سینے سے آ لگی اور میں بھی اس اچانک لگنے والے جھٹکے کے لئے تیار نہ تھا لہذا زلیخا کو ساتھ لیتے ہوئے مسہری پر گر پڑا زلیخا میرے اوپر تھی اس کے بدن کی دھیمی دھیمی آنچ مجھے جلانے لگی۔
آسمان پر بادل گرج رہے تھے اور کمرے میں ہم دونوں کے بدن دھک رہے تھے میری سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں زلیخا کی سانسیں بھی تیز چل رہی تھیں اس کے ہونٹ لرز رہے تھے میری آنکھوں میں

پیاس تھی تو زلیخا کی آنکھوں میں دعوت تھی کہ اپنی پیاس ان جھیل جیسی آنکھوں میں ڈوب کر بجھا لو۔۔۔
میں نے تولیہ مسہری کے سرہانے اچھالا اور زلیخا کو اپنی بانہوں میں جکڑ لیا باہر تیز بارش ہو رہی تھی اور کمرے میں ہم دونوں ایک دوسرے میں مدغم ہو رہے تھے ہم دونوں پر مدہوشی طاری تھی اور پھر طوفان گزر گیا آسمان بھی پرسکون ہو گیا اور ہم دونوں کے اندر کا طوفان بھی تھم گیا۔
اس رات کے بعد ہم دونوں کمرے میں ایک ساتھ مسہری پر سونے لگے پھر جب مجھے تنخواہ ملی تو گھر میں راشن کے علاوہ میں نے زلیخا کو کافی شاپنگ بھی کرائی ہم دونوں ہر روز شام کو گھومنے جانے لگے ہم نے زلیخا نے ایک ساتھ کئی فلمیں بھی دیکھیں زلیخا کے آنے کے بعد سے میری زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آگیا۔
پھر ایک شام میں دفتر سے گھر آیا تو میں نے زلیخا کو محلے کی ایک خاتون سے بات کر رہی ہے زلیخا کے ہاتھ میں سبزی کی ٹوکری ہے شائد وہ مارکیٹ سے سبزی وغیرہ خرید کر آ رہی تھی۔۔میں تیکھی نظروں سے زلیخا کو گھورتا ہوا گھر میں داخل ہو گیا میرے پیچھے پیچھے زلیخا بھی دوپٹہ اور سبزی کی ٹوکری کچن میں رکھ کر آئی۔
"کس سے بات کر رہی تھی؟" میں نے تیکھے لہجے میں زلیخا سے پوچھا
"دو گھر آگے رہتی ہے۔۔۔کل ان کے گھر نیاز ہے اس کی دعوت دے رہی تھی۔۔" زلیخا اپنے دوپٹے کا پلو پکڑتے ہوئے بولی
"بڑے تعلقات بڑھا لئے ہیں محلے والوں سے۔۔۔" میرا موڈ بدستور خراب تھا۔
"یہاں رہتے ہیں تو محلے والوں سے سلام دعا کرنی پڑتی ہے۔۔" زلیخا نے اطمینان سے جواب دیا
"محلے والوں نے پوچھا نہیں کہ تم کون ہو اور کس حیثیت سے یہاں رہتی ہو۔۔" میں نے اپنے ذہن میں ابھرتے سوالوں کو زبان پر لاتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں پوچھا تھا۔۔" زلیخا اطمینان سے جواب دے رہی تھی
"پھر کیا جواب دیا تم نے۔۔" میری پیشانی پر بل پڑ گئے
"میں نے کہہ دیا میں آپ کی بیوی ہوں۔۔۔"
زلیخا اطمینان بھرے لہجے میں بولی زلیخا کا جواب سن کر میرا دماغ گھوم گیا
"بیوی۔۔" میں نے ایک زوردار طمانچہ زلیخا کے گال پر مارا میرے طمانچے کی وجہ سے زلیخا فرش پر گر پڑی میں نے آگے بڑھ کر اس کی کمر پر لات رسید کی پھر اپنی پینٹ سے بیلٹ نکالی اور فرش پر پڑی زلیخا پر برساتے ہوئے چیخنے لگا
"ذلیل عورت۔۔۔تو میری بیوی ہے۔۔بیوی ایسی ہوتی ہے۔۔تیرے ساتھ احسان کیا کردیا کہ تو پھیل ہی گئی اپنے آپ کو اس گھر کی مالکن سمجھنے لگی۔۔" میں مسلسل زلیخا پر بیلٹ برسا رہا تھا ساتھ ہی میری زبان شعلے اگل رہی تھی
"کمینی۔۔دو ٹکے کی عورت۔۔تیرے ساتھ دو چار راتیں کیا میں نے گزار لیں تو میری بیوی ہوگئی۔۔۔ذلیل عورت۔۔۔بیوی ایسی ہوتی ہے کیا۔۔؟"
میری بات سن کر زلیخا طیش میں کھڑی ہوگئی اور اس نے ہاتھ بڑھا کر میرا بیلٹ والا ہاتھ پکڑ لیا پھر پھنکار کر بولی
"پھر بتا کیسی ہوتی ہے بیوی۔۔۔اور۔۔۔اور کس حق سے تو میرے ساتھ راتیں گزارتا رہا ہے، کیا حق ہے تجھے جو تو میرے کھانے اور میرے سلیقے کی تعریف کرتا ہے کیوں مجھے شاپنگ کرواتا ہے اور۔۔۔اور۔۔۔" زلیخا نے اپنے زخمی ہونٹوں سے بہتے لہو کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی سے پونچھا اور زخمی مسکراہٹ کے ساتھ بولی
"اور آج۔۔۔آپ نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر مجھے بیوی ہونے کا آخری حق بھی دے دیا۔۔"
زلیخا کی بات سن کر بیلٹ میرے ہاتھ سے گر پڑا۔

https://www.urdutubes.com/

خونی عفریت

طارق محمود۔ کامرہ اٹک

نوجوان کے سامنے جب خوب صورت عورت آئی تو اسے دیکھ کر نوجوان کو زبردست جھٹکا لگا، کیونکہ عورت کا دھڑ ایک سانپ کا تھا، اور پھر عورت گویا ہوئی کہ میں......

حقیقت سے چشم پوشی کرنے والے اکثر گھاٹے میں رہتے ہیں، ثبوت کہانی میں موجود ہے

وہ میمونہ کو لے جا رہے تھے۔ لیکن تاران کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ وہ ایک پہاڑی پر پتھر کے پیچھے چھپ کر انہیں جاتا دیکھ رہا تھا، اس کے منہ سے آہستہ آہستہ ''میمونہ، میمونہ'' نکل رہا تھا۔ اس کے بھیگے لہجے سے ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اب بھی اونچی آواز سے رونے لگے گا کہ اتنے میں میمونہ نے پلٹ کر پیچھے دیکھا اس کی نگاہوں کا مرکز تاران ہی تھا۔ اس کے بعد تاران کے دل پر گھونسہ سا لگا۔ اور وہ اٹھ کر پہاڑیوں کے اوپر سے ان کے تعاقب میں دوڑ پڑا۔

لیکن وہ پیدل اور ننگے پاؤں تھا جبکہ میمونہ اور اس کو لے جانے والے بڑے بڑے طاقتور بیلوں پر سوار تھے اور وہ بیل پہاڑی سلسلے کے ساتھ بنے راستے پر دوڑے چلے جا رہے تھے۔ ننگے پاؤں ہونے کی وجہ سے پتھروں پر بھاگنا اس کے لئے مشکل ہو رہا تھا۔ اس کے پاؤں زخمی ہو رہے تھے اور ان زخموں سے خون نکلنے لگا تھا لیکن تاران بس ہر چیز سے بے نیاز ہو کر دوڑے جا رہا تھا۔

پہاڑی سلسلہ ختم ہوا تو اس سے کچھ فاصلہ پر اسے ایک خوب صورت شہر نظر آنے لگا جس کے سارے مکانات پختہ اور بہت ہی خوب صورت تعمیر کے نمونے تھے وہ سارے گھر چھوٹے چھوٹے محل نما تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے وہ سارے مکانات ایک ہی معمار سے بنوائے ہوں۔ میمونہ کو لے جانے والے اس شہر کے اندر جانے والے راستہ پر چلتے ہوئے ان محل نما گھروں کے اندر [illegible] دوڑتے قدموں سے شہر کے قریب پہنچا اور جھکتے ہوئے اندر جانے والے راستے سے شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ صاف ستھرا نیم پختہ گلیاں اور دل کو مسحور کر دینے والے گھروں کے ڈیزائن ایک دفعہ تو اس نے حیران اور مبہوت ہو کر ان محل نما خوب صورت گھروں کو دیکھا لیکن پھر اس نے سر کو جھٹکا اور دیواروں کے ساتھ چھپتا چھپاتا اسی راستے پر قدم بڑھانے لگا۔ اسے میمونہ کی خوشبو اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔

آبادی ختم ہوگئی۔ وہ ایک آخری راستے کے ساتھ بنے مکان کی دیوار کے نیچے کھڑا ہو گیا۔ اس نے حیران ہو کر قرب و جوار کے مکانات پر نظر ڈالی، اسے وہاں سے گزرتے ہوئے نہ تو کوئی انسان نظر آیا، نہ ہی ان گھروں میں سے کسی انسان کی آواز سنائی دی، اسے لگا جیسے وہ سب گھر خالی ہوں، وہ کچھ ساعت ان مکانوں میں کھو سا گیا اور پھر ایک دم وہ چونک اٹھا اور

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

جلدی سے راستے پر دور جاتے بیلوں کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت آگے والے بیل پر بیٹھے آدمی نے ہاتھ اٹھا کر رکنے کا اشارہ کیا اس کا بیل رک چکا تھا۔ پیچھے دیکھ کر اس نے ایک آدمی کی طرف اشارہ کیا اور وہ آدمی بیل سے کود کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ ان میں چند باتیں ہوئیں اور پھر نیچے اترنے والا آدمی تاران کی طرف تیز تیز قدموں سے چل کر آنے لگا۔ تاران نے جب اسے اتر کر اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگا، پیچھے ہٹتے ہوئے وہ ایک گلی میں مڑ کر بھاگنے لگا۔ سامنے ہی ایک دو منزلہ گھر تھا جس کے باہر ایک خوب صورت سا مینار بنا ہوا تھا جس کے ساتھ لوہے کی سیڑھیاں لگی تھیں۔ تاران نے اس کے سامنے، کھڑے ہو کر چند ساعت کچھ سوچا اور پھر جلدی سے سیڑھیاں چڑھنے لگا، چند ہی جستوں میں وہ مینار پر بنے چبوترے کے اندر غائب ہو چکا تھا، اس مینار کے سامنے محل نما گھر تھے اس لئے اسے دور سے نظر آنے کا ڈر نہ تھا۔ چبوترے کی ایک دیوار کے ساتھ بیٹھ کر اس نے دیوار پر بنے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے اپنی آنکھ لگا دی۔ اسے وہ آدمی اسی گلی میں داخل ہوتا نظر آیا۔ وہ زمین پر دیکھتے ہوئے چل کر عین اس مینار کے نیچے آ کھڑا ہوا۔

تاران کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس آدمی نے تاران کے قدموں کے نشانات دیکھ لئے تھے اور پھر لوہے کی سیڑھیاں چرچرا اٹھیں۔ سیڑھیوں پر چڑھتے قدموں کی چاپ سے تاران کے اعصاب تن سے گئے۔

میمونہ گھوڑے کی پیٹھ پر بڑی مشکل سے بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ پیچھے کر کے مضبوط رسی سے باندھ دیئے گئے تھے۔ اسے بہت افسوس ہو رہا تھا اس نے اپنی ماں اور چچا کی بات پر توجہ نہ دے کر غلطی کی تھی جو اسے اپنے علاقے سے دور جانے سے منع کرتے رہتے تھے۔ پھر اسے اپنا باپ یاد آنے لگا جس کے زندہ ہوتے ہوئے اس پر کچھ روک ٹوک نہ تھی۔ اس کا باپ اپنے قبیلہ کا سردار تھا، وہ نہایت بہادر اور نڈر انسان تھا۔ اس کے ہوتے ہوئے ان کے قبیلہ سے اس علاقے کے لوگ دب کر رہتے تھے لیکن اس کے مرنے کی خبر آہستہ آہستہ اس علاقے میں پھیلنے لگی تو سرکش قبیلہ والے آپس میں اکٹھے ہو کر میمونہ کے قبیلہ پر حملہ آور ہوئے کیونکہ اس قبیلہ کی عورتیں بہت زیادہ خوب صورت تھیں اور ہر قبیلہ کے مرد یہ چاہتے تھے کہ انہیں بومیرہ قبیلہ کی ہی عورت ملے۔

وہ چار سرکش قبیلے تھے جنہوں نے بومیرہ قبیلہ والوں پر حملہ کیا تھا لیکن میمونہ کے چچا جو کہ اب بومیرہ قبیلہ کے سردار تھے، انہوں نے بہترین جنگی حکمت عملی سے ان چاروں قبیلوں کو ایسی شکست دی کہ وہ سارے بلبلا اٹھے اور جس کا جدھر منہ اٹھا وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کے بعد میمونہ کے چچا نے اپنے قبیلے کے علاقے کے گرد ایک مضبوط کانٹے دار باڑھ لگوائی۔ اور اعلیٰ نسل کے بلڈاگ برفانی علاقوں سے منگوائے جو کہ اس سارے علاقے میں گھومتے رہتے تھے۔ ان کتوں کے ساتھ ایک رکھوالا ضرور ہوتا تھا جو کہ انہیں اپنے اور پرائے کی پہچان کراتا رہتا تھا۔

میمونہ کی عمر چودہ سال تھی وہ بچپن ہی سے بہت شرارتی [illegible] آج [illegible] کامیاب ہو گئی تھی۔ اسے پہاڑی پھل بہت پسند تھے جب اس کا باپ زندہ تھا تو وہ اپنے باپ کے ساتھ ان پہاڑوں پر آتی تھی اور خوب پھل کھاتی اور جب بھی اس کا باپ کہیں سفر پر جاتا تو واپسی پر وہ پہاڑی پھل ضرور لاتا لیکن ایک سفر میں اسے کسی درندے نے چیر پھاڑ کر رکھ دیا۔ اس کی کٹی پھٹی لاش قبیلے میں لائی گئی تو ایک کہرام سا مچ گیا۔ کیونکہ وہ نہ صرف قبیلے کا سردار تھا بلکہ ہر کوئی اسے اپنے باپ کی طرح سمجھتا تھا اور وہ بھی سب قبیلے والوں کو اپنی اولاد ہی کی طرح سمجھتا تھا۔ اس کے مرنے کے کچھ ہی ماہ بعد جب کچھ قبیلوں نے مل کر بومیرہ قبیلہ پر حملہ کیا تو تمام بچوں کو قبیلہ کی حدود سے باہر نکلنے سے منع کر دیا گیا خاص طور پر لڑکیوں پر حفاظت کی نظر رکھی جانے لگی۔

☆......☆......☆

دو سال ہو گئے تھے۔ میمونہ نے پہاڑی پھل نہیں کھایا تھا آج اس کا دل مچل رہا تھا۔ اسی لئے وہ نظر بچا کر اپنے قبیلے کے علاقے سے نکل آئی تھی ابھی وہ پہاڑیوں سے کافی دور تھی کہ اچانک کچھ گھنے درختوں میں سے تین گھوڑ سوار نکلے اور اس کے گرد گھیرا ڈال کر اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ ان تینوں کے سروں پر بڑی بڑی پگڑیاں تھیں اور منہ پر ڈھاٹے باندھے تھے، ان تینوں کی آنکھیں گہری سبز رنگ کی تھیں۔ میمونہ انہیں [illegible] یہ تو بومیرہ قبیلے کے سردار کی بھتیجی ہے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ باقی دو بجلی کی طرح گھوڑوں سے اترے اور [illegible] اس کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے اس کے [illegible] درختوں سے وہ ایک گھوڑا لے آئے اور اس پر میمونہ کو بٹھا دیا۔ میمونہ اب ہل بھی نہیں سکتی تھی اور پھر وہ ان تین گھوڑ سواروں کے ساتھ کسی نامعلوم منزل کی طرف نہ چاہتے ہوئے بھی جانے پر مجبور ہو گئی۔

[illegible] گھوڑے [illegible] دفعہ تو اسے آرام سے اٹھا کر دوبارہ گھوڑے پر بٹھا دیا گیا لیکن دوسری بار گرنے پر اسے اٹھانے والے نے دو ہاتھ بھی لگا دیئے، اس آدمی کے ہاتھ [illegible] تھا کہ میمونہ کو اپنا سر گھومتا محسوس ہوا۔ [illegible] میمونہ نے [illegible] کی کوشش نہ کی۔ اب وہ ان پہاڑوں کے پاس سے گزر رہے تھے جن کے اندر وہ پھل وافر مقدار میں تھے جو کہ میمونہ کو بہت پسند تھے۔ اور جنہیں کھانے کی خاطر آتے ہوئے وہ ان [illegible] کے ہتھے چڑھ گئی تھی۔ پتا نہیں وہ لوگ کون تھے اور اسے کہاں لے جا رہے تھے یہ سوچتے ہوئے وہ پریشان ہو رہی تھی۔

پہاڑ ختم ہوتے ہی اس کی سماعت سے پانی کا شور سا سنائی دیا اور اسے اچانک اپنی آزادی کی راہ نظر آنے لگی۔ لیکن میمونہ کو اس وقت سخت مایوسی ہوئی جب ان کا قافلہ اس بہتے دریا سے کافی دور سے گزرا۔ اب میمونہ سوچنے لگی کہ وہ کیسے اپنے والے گھوڑے کو اس طرف لے کر جائے کہ اچانک اس کی دائیں طرف والا گھوڑ سوار نے گھوڑے کو روک لیا۔ میمونہ والا گھوڑا بھی اچانک کسی چیز سے ڈر گیا اور بدک کر اپنی ٹانگیں اٹھانے لگا۔ میمونہ نے اپنے کچھ ہی آگے دیکھا ایک کالا ناگ پھن پھیلائے کھڑا تھا۔

میمونہ کے گھوڑے نے دائیں طرف ایک چھلانگ سی لگائی اور سرپٹ دوڑ پڑا۔ ان تین گھوڑ سواروں میں سے ایک نے تلوار نکالی اور ایک بھرپور وار ناگ پر کیا ناگ کا سر جسم سے الگ ہو گیا پھر وہ تینوں میمونہ کے پیچھے گھوڑے دوڑانے لگے۔ لیکن میمونہ کا گھوڑا اتنی دیر میں دریا کے قریب پہنچ چکا تھا۔

میمونہ نے پانی کے قریب پہنچتے ہی اپنے آپ کو زور لگا کر دائیں طرف گرا دیا وہ بہت زور سے گری تھی اسے جسم میں درد کی ٹیسیں اٹھتی محسوس ہوئیں لیکن وہ نشیب میں بہتے دریا کی طرف لڑھکتی چلی گئی اور پھر چھپاک سے دریا کے پانی میں جا گری۔ پانی میں گرتے ہی وہ پانی کے اندر ڈوب گئی۔ اسے اپنا سانس بند ہوتا محسوس ہوا اس نے ہاتھ ہلانے کی کوشش کی لیکن وہ تو مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے جو کہ بہت کوشش کے باوجود بھی نہ کھل سکے اور وہ ڈوبتی ابھرتی دریا کی طغیانی میں بہتی چلی گئی۔ جلد ہی پانی نے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے کی چادر تان دی۔

☆......☆......☆

تاران اپنی دادی کے ساتھ ایک جنگل میں رہتا تھا۔ جہاں وہ بھیڑ بکریوں کا ایک ریوڑ جو کہ اس کا اپنا تھا چراتا تھا اس کی دادی کافی بوڑھی تھی جس سے تاران نے اپنے دادا اور والدین کے بارے میں کافی پوچھا لیکن وہ بس اتنا ہی بتاتی کہ وہ تینوں ایک سفر میں گئے اور پھر واپس نہ آئے تاران اس وقت پانچ سال کا تھا لیکن اسے ان تینوں میں سے کوئی یاد نہ تھا اس نے جب سے ہوش سنبھالا تھا اپنے آپ کو اس جنگل میں اپنی دادی اور تین پہاڑی نسل کے کتوں کے ساتھ بھیڑ اور بکریوں

https://www.urdutubes.com/

کے ریوڑ چراتے ہی دیکھا تھا پہلے پہل دادی اس کے ساتھ ہی ریوڑ چراتی لیکن پھر وہ زیادہ بوڑھی ہوگئی تو ریوڑ تاران اور اس کے ساتھی کتوں کے حوالہ ہوگیا۔ اس کی دادی نے اپنے لکڑی کے بنے اس گھر کے ارد گرد سبزیاں اور کچھ پھلوں کے درخت بھی اگائے ہوئے تھے۔ مہینہ میں ایک دن تاران شہر سے راشن اور ضرورت کی کچھ چیزیں لے آتا تھا۔ اور کبھی جنگل کے ساتھ گزرتے دریا سے مچھلی بھی پکڑ لاتا تھا۔

آج بھی وہ مچھلی پکڑنے کے لئے دریا پر پہنچا اس نے پہلے نہانے کے لئے چھلانگ لگائی ہی تھی کہ اس کا ایک کتا جو کہ اس کے ساتھ آ گیا تھا دریا کی طرف دیکھ کر بھونکنے لگا تاران کو ایسا لگا کہ وہ جیسے کسی خطرہ کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہو تاران نے تیرتے تیرتے دریا کی طرف دیکھا تو اسے سرخ کپڑوں کی جھلک نظر آئی پہلے تو وہ ڈر گیا لیکن پھر اسے لگا کہ کپڑے ہل رہے ہوں اس کے ذہن میں فوراً آیا کہ کوئی انسان دریا کی روانی کے ساتھ بہہ کر آ رہا ہے اس نے تیزی سے آگے کی طرف تیرنا شروع کردیا کیونکہ وہ کپڑوں کی جھلک دریا کے درمیان میں تھی اور پھر دریا کی لہروں سے لڑتے ہوئے وہ اس لڑکی کو جو کہ میمونہ تھی نکال کر باہر لے آیا۔ باہر نکال کر اس نے لڑکی کے دل پر کان لگا کر دیکھا دھڑکن کی آواز آہستہ آہستہ آ رہی تھی اس نے لڑکی کو اٹھا کر کندھے پر رکھا تو پیٹ پر دباؤ پڑتے ہی لڑکی کے منہ سے پانی نکلنے لگا تاران میمونہ کو لئے ہوئے اپنی دادی کے پاس لے گیا اس کا کتا اس سے پہلے دادی کو خبردار کرچکا تھا اور تاران کی دادی جنگل کے کونے پر ان کا انتظار کررہی تھی، کتے کے لگا تار بھونکنے اور بھاگ بھاگ کر جنگل سے باہر جانے والے راستے پر جانے سے تاران کی دادی کو اتنا سمجھ آیا کہ تاران کو دادی کی مدد کی ضرورت ہے۔

"شاباش تم نے اس لڑکی کو کندھوں پر اٹھا کر عقل مندی کا کام کیا ہے۔ اس کے پیٹ سے پانی نکل گیا۔"

میمونہ کے پاس بیٹھی دادی، اس کے گال سہلانے لگی اور تاران کو جو کہ اپنی بہادری کا قصہ سنا رہا تھا کہ کیسے اس نے اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈال کر لڑکی کی جان بچائی۔ "تاران جا کر بکری کا گرم گرم دودھ لے کر آؤ اور تازہ کوئی پھل بھی لے آنا جلدی۔" اور تاران اس خوب صورت لڑکی سے ہٹنے پر مجبور ہوگیا۔ جب تاران دودھ لے کر آیا تو لڑکی کو ہوش آ چکا تھا۔ اور وہ دادی کے ساتھ چلتے ہوئے آہستہ آہستہ ان کے گھر کی طرف آ رہی تھی۔

دو دن وہ دادی کے ساتھ ہی اس کے کمرہ میں لیٹی رہی اور تاران بھیڑ بکریوں کے چھپر میں لیکن وہ بہانے بہانے سے کمرے کا چکر لگاتا رہتا اور جب میمونہ ٹھیک ہوگئی تو دادی نے اس سے پوچھا کہ "اسے کس نے باندھ کر دریا میں گرا دیا تھا۔"

میمونہ سچ بات نہیں بتانا چاہتی تھی کیونکہ اسے قبیلے کی زندگی سخت اور قید لگتی تھی اسی لئے اس نے جھوٹ موٹ ایک کہانی سنا دی کہ اس کے رشتہ دار اس کے باپ کے مرنے کے بعد اس کی زمین و جائیداد پر قبضہ کرنا چاہتے تھے [illegible] میری قسمت اچھی تھی کہ آپ کا پوتا وہاں نہا رہا تھا [illegible] نے میری جان بچائی۔" آخری الفاظ اس نے تاران کی طرف تشکر بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ادا کئے۔

تاران جو کہ اس کو محویت سے پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی شرما سا گیا۔ میمونہ کے آنے سے پہلے تاران اپنے کتوں کے ساتھ اور کبھی اکیلا جنگل اور دریا کی سیر کرتا تھا لیکن اب اس کے ساتھ میمونہ ہوتی وہ دونوں مل کر مچھلیاں پکڑتے اور جنگل میں خرگوش شکار کرتے میمونہ کو اپنے گھر والے یاد آتے تھے لیکن وہ دل کو مضبوط کر لیتی تھی کیونکہ اس جنگل کی زندگی اسے بہت پسند آئی تھی۔

تاران اور میمونہ کو ایک دوسرے سے انسیت ہوگئی اور ایک دوسرے کی عادت پڑ گئی۔

ڈیڑھ سال گزر گیا تاران کے چہرہ پر مونچھیں

نکل آئی تھیں جن کے سنہری بال اسے پہلے سے زیادہ خوب صورت بنا رہے تھے دوسری طرف میمونہ بھی نوجوانی میں قدم رکھ رہی تھی۔

ایک شام ان دونوں کو دادی نے اپنے پاس بٹھا لیا۔ "دیکھو تاران میں اب کافی بوڑھی ہوگئی ہوں اس لئے تم لوگ زیادہ دور نہ جایا کرو میرے آس پاس رہا کرو۔"

لیکن ایک شام وہ کھیلتے ہوئے بہت آگے نکل گئے میمونہ کہیں [illegible] ہوگئی اور تاران اسے ڈھونڈ رہا [illegible] بہت گھنا تھا میمونہ گھنے درختوں کے [illegible] غائب ہوگئی تھی۔ اور تاران گھنے درختوں میں خوب [illegible] کوئی آواز [illegible] بغیر دیکھتا جا رہا تھا۔ لیکن [illegible] تاران کو تشویش سی [illegible] ڈھونڈتا رہا کہ اچانک ایک [illegible] چاروں طرف پھیلی شاخوں کے درمیان [illegible] برآمد ہوئی اسے ایک بڑے قد کے آدمی نے [illegible] ہاتھ ڈال کر گردن سے قابو کیا ہوا تھا اور ساتھ [illegible] سر پر سفید پگڑ سا [illegible] نے اپنا منہ چھپایا ہوا تھا۔ اس آدمی [illegible] تاران کو دیکھ رہی تھیں۔

تاران یہ منظر دیکھ کر دہل سا گیا اسے سمجھ نہ آ سکی [illegible] یہ انجان آدمی آیا کہاں سے اور میمونہ کو کیوں [illegible] اسی وقت اس کے پیچھے کھٹکا سا ہوا اس نے [illegible] پیچھے سے کسی نے آ کر اسے بھی [illegible] کی طرح قابو کر لیا۔

اچانک اس افتاد سے وہ گھبرا گیا اور حرکت تک [illegible] ان دونوں کو قابو کرنے والے آدمیوں نے ایک درخت کے نیچے انہیں بٹھا دیا۔ درختوں کے اندر سے دو گھڑ سوار اور ان جیسے ہی حلیوں میں برآمد ہوئے اور ان میں سے ایک میمونہ کی طرف بڑھا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ "مرجان تم نے بالکل ٹھیک پہچانا یہ بومیرو قبیلہ کے سردار کی بیٹی میمونہ ہی ہے..... اور اب یہ ہمارے قبیلے کی سردار کی بیوی......" اس نے اتنا ہی کہا کہ۔

اچانک دائیں طرف سے ایک بلڈاگ چھلانگ لگا کر میمونہ کو قابو کرنے والے کے اوپر جھپٹا اس نے اس افتاد سے گھبرا کر میمونہ کو چھوڑ دیا اتنی دیر میں ایک اور کتا بھی تاران کو آزاد کروا چکا تھا۔ کتے ان دونوں آدمیوں سے اپنی زبان میں بات کرنے لگے۔ باقی رہ جانے والے دونوں آدمیوں نے تلواریں میان سے نکالیں اور کتوں پر حملہ آور ہوئے۔

لیکن ایک تیر سنسناتا ہوا آیا اور اس آدمی جو کہ باتیں کر رہا تھا کہ اس کی کنپٹی میں گھس گیا اس کے منہ سے "اوغ" نکلا اور وہ ادھر ہی الٹ گیا اس کے ساتھ ہی گھنے درختوں میں ہلچل سی مچی اور پانچ آدمی ہاتھوں میں تلواریں پکڑے برآمد ہوئے اور پھر نئے آنے والوں اور پہلے کے بچ جانے والے تینوں آدمیوں کے درمیان لڑائی شروع ہوگئی جو کہ جلد ہی پہلے والوں کے زیر ہوتے ہی ختم ہوگئی۔ کیونکہ یہ تین پانچ کا مقابلہ تھا۔

جس وقت تک لڑائی ہوتی رہی میمونہ اور تاران کے سامنے دونوں بلڈاگ محافظوں کی طرح کھڑے رہے جب تاران اور میمونہ کو قابو کرنے والے زیر ہوگئے تو نئے آنے والوں میں سے ایک آدمی نے منہ سے نقاب ہٹا دیا اور ان دونوں کی طرف غور سے دیکھا۔ ادھر میمونہ نے بھی غور سے دیکھا اور پھر اس کا جسم کانپنے لگا اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اس کے منہ سے نکلا۔ "چچا جان۔" ساتھ ہی وہ دوڑ کر اپنے چچا سے لپٹ گئی۔

"تم کہتی ہو تو چچا ہوں لیکن اپنے چچا کی بات نہیں مانتی...... جب سے تم غائب ہوئی ہو تو ہم لوگ تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر مایوس ہوچکے تھے۔" چچا بھتیجی میں گلے شکوے ہونے لگے اور قابو کئے گئے تین آدمیوں کو رسیوں سے باندھ دیا گیا۔

"یہ نوجوان کون ہے۔" چچا نے میمونہ سے تاران کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"چچا یہ تاران ہے جس نے میری جان

https://www.urdutubes.com/

بچائی......" میمونہ نے پورا قصہ سنا دیا کہ کیسے وہ چھپ کر قبیلہ کی حدود سے نکلی اور پھر ان تین آدمیوں کے قید میں جانے اور پھر وہاں سے دریا میں چھلانگ لگانے تک اس کے بعد تاران اور اس کی دادی کے بارے میں بتانے لگی۔ اس کے بعد وہ تاران کی دادی کے پاس چلے گئے۔ جہاں دادی نے انہیں رات ادھر ہی ٹھہرنے پر منا لیا۔

وہ رات میمونہ کے لئے خوشی اور ایک عجیب سی اداسی کی رات بھی تھی خوشی اس بات کی کہ وہ اپنوں میں جا رہی تھی وہاں اس کی ماں بھی اور اداس اس لئے تھی کہ تاران سے جدا ہو رہی تھی تاران نے وہ رات جاگ کر اور میمونہ کے بارے میں سوچتے ہوئے گزاری تو ادھر میمونہ بھی پوری رات نہ سو سکی تھی۔ صبح ہوتے ہی میمونہ کے چچا نے تاران اور اس کی دادی کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے وہ چل دیئے۔

تاران کچھ دیر تو چپ رہا لیکن دادی کے گھر کے اندر جاتے ہی وہ بھی اسی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ جس طرف میمونہ اور اس کے چچا گئے تھے۔ بھاگتے ہوئے جب وہ دریا تک پہنچا تو اس نے عجیب منظر دیکھا میمونہ کے قبیلہ والے دشمنوں کے سر قلم کر کے انہیں دریا میں بہا رہے تھے۔ ساتھ ہی پہلے تیر سے مرنے والی کی لاش بھی تھی اس کے بعد انہوں نے ان آدمیوں کے گھوڑے بھی دریا کی طرف ہنکا دیئے۔

تاران ان کی سخت دلی دیکھ کر بہت ڈر گیا۔ لیکن اس نے میمونہ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ تاران کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ سیڑھیوں پر چڑھنے والا آدمی کافی اوپر آ چکا تھا۔ تاران نے ان کی سخت دلی و بربریت دیکھ لی تھی اسی لئے اس کا دل آنے والے خطرہ سے تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ آدمی چبوترے پر اوپر آ جاتا اور لازماً اسے دیکھ لیتا پھر جانے اس کے ساتھ کیا ہوتا۔

اچانک اسے اپنے سامنے ایک دیوار سرکتی نظر آئی چبوترے کی دیوار کا وہ حصہ اتنا سرک کر اپنی جگہ سے ہٹ گیا کہ وہاں ایک دروازے جتنی جگہ بن گئی جسے دیکھ کر تاران ڈر گیا اور اٹھنے لگا لیکن ایک نسوانی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔

"اندر آ جاؤ جلدی سے ورنہ پکڑے جاؤ گے۔"

تاران نے اس طرف غور سے دیکھا لیکن اسے آواز والی عورت نظر نہ آئی۔ ادھر سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ کافی اوپر آ گئی تھی۔ تاران نے ایک لمحہ سوچا اور پھر زینہ پار کر گیا۔

دروازہ کے ساتھ ہی سنگ مرمر سے بنی خوب صورت سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں۔ تاران جلدی سے ان پر احتیاط سے قدم رکھتے ہوئے اترنے لگا۔ ساتھ ہی وہ ادھر ادھر بھی دیکھ رہا تھا لیکن اسے کوئی بھی نظر نہ آیا۔ تب وہ واضح طور پر گھبرا گیا اور سیڑھیاں اتر کر صحن میں پڑے ہوئے گھاس پھونس کے اندر ڈر کر کھڑا ہو گیا۔

"گھبراؤ نہیں وہ اندر نہیں آ سکتا۔" نسوانی آواز نے اسے کہا تو تاران نے سر اٹھا کر اس چبوترے کی طرف دیکھا وہ دروازہ اب بند ہو چکا تھا۔ اس کے بعد تاران نے جس سمت سے نسوانی آواز آ رہی تھی ادھر دیکھا لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ "تم کون ہو اور کہاں ہو؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"میں تمہارے سامنے نہیں آ سکتی کیونکہ تم مجھے دیکھتے ہی کہیں ڈر نہ جاؤ...... لیکن میں تمہیں کچھ نہیں کہتی۔" نسوانی آواز نے کہا۔

"نہیں...... نہیں میں نہیں ڈرتا بس تم سامنے آ کر بات کرو۔" تاران کے لہجے میں واضح کپکپاہٹ تھی۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ کیونکہ آواز تو آ رہی تھی۔ لیکن بولنے والی نظر نہیں آ رہی تھی جس نے تاران کے دل پر ایک خوف سا پیدا کر دیا تھا اور پھر ان محل کی طرح کے کمروں کے طلسم نے بھی اسے حیران و ششدر کیا ہوا تھا۔ جہاں آ کر کچھ وقت کے لئے اسے میمونہ بالکل بھول گئی۔

"میں سامنے آ رہی ہوں...... ڈرنا نہیں۔" نسوانی آواز نے کہا۔ اور پھر ایک کھٹکا سا ہوا اور

[illegible] کے ساتھ ہی ایک کمرے کا دروازہ کھل گیا [illegible] سے ایک عورت کا سر باہر نکل کر تاران کی [illegible] دیکھنے لگا۔

ادھر تاران اتنی خوب صورت چہرے اور سنہری بالوں والی عورت کو دیکھ کر مبہوت سا ہو گیا۔ اتنا خوب صورت چہرہ اور اتنے خوب صورت بال، اسی وقت وہ عورت آہستہ سے باہر نکل آئی تو تاران کو اس کا جسم دیکھ کر ایک جھٹکا لگا اتنی خوب صورت چہرہ والی عورت کا دھڑ [illegible]

"[illegible] کون سی دنیا کی مخلوق ہو......" تاران نے حیران ہو کر پوچھا۔ "میں انسان ہوں...... [illegible] سے اس خوب صورت شہر کے [illegible] طلسم میں قید ہیں، ہم میں سے کوئی [illegible] باہر نہیں جا سکتا اور نہ ہی ہم اپنے آپ کو [illegible] سے آزاد کر سکتے ہیں۔" تاران کو اس جگہ [illegible] طلسم سے یکدم خوف محسوس ہونے لگا اور وہ وہاں سے نکلنے کے لئے سوچنے لگا۔

[illegible]

[illegible] اور تاران وہاں سے نکلنے کا [illegible] میمونہ یاد آ رہی تھی۔

"[illegible] مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی......"

[illegible] تاران نے سیڑھیوں پر چڑھ کر دوڑ لگا دی۔ [illegible] وہ پھسلا لیکن سیڑھیوں [illegible] تک پہنچ کر ہی اس نے دم لیا۔ [illegible] دروازہ بند تھا جس میں سے گزر کر وہ [illegible] نے رحم طلب نظروں سے اس سانپ نما [illegible] کی طرف دیکھا لیکن اس کی آنکھوں میں غصہ [illegible] پھیلی ہوئی تھی۔ تاران وہاں سے باہر نکلنے کے [illegible] نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اس دروازہ کی اب سپاٹ [illegible] اس نے پھر اس ساحن کی طرف دیکھا جس [illegible] مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

اگلے ہی لمحہ وہ عورت سیڑھیوں پر پھسلتی ہوئی تاران کے سامنے پہنچ گئی۔ تاران اسے اپنے اتنے قریب دیکھ کر ڈر گیا۔

"مجھے پتا ہے تم کہاں جانا چاہتے ہو۔ لیکن تم ہماری مدد کے بغیر اسے حاصل نہیں کر سکتے کبھی نہیں۔" اس عورت نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

تاران اس کی بات سن کر چونک اٹھا لیکن اس نے مزید کوئی بات جاننے میں دلچسپی ظاہر نہ کی کیونکہ اب اسے اس ماحول اور اس عورت سے وحشت سی ہونے لگی تھی۔ "مجھے جانا ہے بس۔" اس نے دل کو مضبوط کر کے اس عورت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"ٹھیک ہے جاؤ لیکن یاد رکھو ہماری مدد کئے بغیر تمہیں اپنی منزل کبھی نہیں مل سکتی۔" ساحن نے بھی ٹھوس لہجے میں کہا تو تاران کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرائے لیکن پھر اس نے کنٹرول کر لیا اور سر کو آہستہ سے ہلا دیا۔

اسی وقت سامنے سے دیوار سرک گئی اور راستہ بن گیا جس سے تاران اتنی تیزی سے باہر نکلا کہ اسے ڈر ہو کہ کہیں وہ بھی اس خوب صورت شہر کے لوگوں جیسا نہ ہو جائے اس گھر سے نکلنے کے بعد اسی طرح تیزی سے وہ اس شہر سے بھی نکلا اور اسی طرف بھاگنے لگا جس طرف میمونہ اور اس کو لے جانے والے گئے تھے۔

کافی دیر بھاگتے رہنے کے بعد بھی اسے بیلوں کا وہ قافلہ جس میں اس کا چین وسکون جا رہا تھا نظر نہ آ سکا میمونہ نے اس کے ساتھ رہتے ہوئے اپنے قبیلے کے بارے میں بہت کچھ بتایا تھا لیکن وہاں تک پہنچنے کا راستہ اسے بھی معلوم نہ تھا۔

تاران زمین پر غور سے دیکھ کر آہستہ آہستہ چلنے لگا، وہ زمین پر بیلوں کے کھروں کے نشان دیکھنا چاہتا تھا لیکن شاید وہ راستہ بھٹک کر نشان گم کر بیٹھا تھا۔ پہاڑی راستوں پر دو دن تک ادھر ادھر دوڑتے ہوئے اچانک اسے دریا کے پانی کی روانی کی آواز

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

سنائی دی تو اسے ایسا لگا کہ جیسے اسے ایک نئی زندگی مل گئی ہو تاران پانی کی آواز کی سمت بھاگا اور پھر پہاڑی راستہ سے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک دریا تیزی سے بہتا نظر آیا، پھر تاران تھوڑا سا نیچے اتر کر پانی پینے لگا اور ساتھ ہی وہ دعا کر رہا تھا کہ یہ وہی دریا ہو جو کہ میمونہ کے قبیلہ سے کچھ ہی فاصلے پر ہے۔ جس کے بارے میں میمونہ نے اسے بتایا تھا کہ اس سے آگے قبیلہ تک جانے کا راستہ ہے۔

میمونہ کی وہ ساری باتیں وہ ساری نشانیاں اس دریا کے بارے میں ان پہاڑوں کے بارے میں اس کے دماغ میں حفظ تھیں، پانی پی کر اس نے اس دریا اور اس کے ساتھ پھیلے پہاڑوں کو غور سے دیکھا کچھ دیر ادھر ادھر چلنے اور غور سے دیکھنے کے بعد اس کے چہرے سے خوشی سی پھوٹنے لگی اور وہ ایک سمت تیزی سے چلنے لگا۔ اسے راستے میں نشانیاں نظر آنے لگیں۔ جنہیں دیکھتے ہوئے اس کے قدموں میں بجلی سی بھرنے لگی۔ وہ اتنی تیزی سے دوڑنے لگا جیسے کہ وہ کسی تیز ریس میں حصہ لے رہا ہو، کچھ ہی فاصلہ اس نے چند منٹوں میں طے کر لیا۔

اچانک سامنے آ جانے والی کانٹے دار باڑھ نے اسے رکنے پر مجبور کر دیا اس کی سانس بہت تیز چل رہی تھی لیکن وہ آرام کرنے کے بجائے باڑھ کے باہر گھوم پھر کر اندر جانے کا راستہ تلاش کرنے لگا۔ کیونکہ میمونہ کے قبیلے کے گرد بھی باڑھ لگی تھی۔ رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ پھیلنے لگا تھا۔ دور کہیں سے خطرناک کتوں کے بھونکنے کی بھاری آوازیں آنے لگیں۔

تاران نے وہ رات باہر ہی کہیں گزارنے کا پروگرام بنایا اور پھر جلد ہی اسے ایک پہاڑی نما غار نظر آ گیا جسے اس نے خوب غور سے اندر باہر سے دیکھا اور پھر اندر جا کر اس کے دہانے پر ایک بڑا سا پتھر رکھ دیا۔ اس نے دو دن سے کچھ کھایا نہ تھا اور پانی بھی آج اس دریا سے پیا اسے بھوک محسوس ہونے لگی۔ لیکن وہاں کھانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ اس نے بھوک کو بھولنے کے لئے اپنا دھیان میمونہ کی طرف لگا دیا اور ساتھ ہی اسے دادی بھی یاد آنے لگی ان ہی سوچوں میں کھوئے ہوئے تھکن سے بے حال جسم لئے وہ کب نیند کی وادی میں پہنچا اسے پتا ہی نہ چلا۔

کتوں کے بھونکنے کی بھاری آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی، وہ تیزی سے اٹھ کر اس کھوہ سے باہر نکلا ہی تھا کہ دائیں بائیں سے دو بلڈاگ نسل کے کتوں نے بھونکتے ہوئے اس پر حملہ کر دیا اور تاران کو دونوں نے مل کر نیچے گرا لیا۔

☆......☆......☆

ادھر میمونہ اپنے قبیلے میں اپنی ماں اور اپنے لوگوں میں آ کر خوش تھی لیکن تاران اور دادی اسے یاد آ رہے تھے بلکہ اسے تاران کی طرف سے زیادہ تشویش تھی کیونکہ وہ ان کے پیچھے آ رہا تھا اور پھر خوب صورت شہر میں گم ہو گیا۔ "جانے اس کے ساتھ کیا ہوا ہوگا وہ کہاں ہوگا۔" یہ سوچ اس کو اداس کر رہی تھی۔

چند ماہ بعد سردیوں سے کچھ ہی دن پہلے ان کے قبیلے میں ایک میلہ ہونے والا تھا جس میں مختلف قسم کے مقابلے منعقد ہوتے، تلوار بازی، دوڑ، کشتی اور بیلوں کی دوڑ ان مقابلوں میں جیتنے والے کسی بھی لڑکی سے شادی کر سکتے تھے اس میں بس قبیلے کے سردار کی بیٹیاں شامل نہ تھیں۔

میمونہ پریشان تھی کیونکہ اب وہ سردار کی بیٹی تھی اسی لئے اسے بھی کوئی جیتنے والا پسند کر سکتا تھا یہ بات اسے پریشان کر رہی تھی۔ کیونکہ اس نے تاران کو ہی اپنا سب کچھ مان لیا تھا۔

اس سے پہلے کہ تاران ان کتوں سے بچتا کتوں نے اسے نیچے گرا لیا اور بری طرح سے بھنبھوڑنے لگے۔ پھر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی اور ان کتوں کا رکھوالا وہاں آ پہنچا۔ اس نے کتوں کے نیچے آئے ہوئے تاران کو دیکھا اور کتوں کو آواز دے کر پچکارنے لگا، رکھوالے کی آواز سن کر کتے تاران کو چھوڑ کر دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچے اور تاران کی طرف منہ کر کے بھونکنے لگے جیسے کہ اس کو کچھ کہہ رہے ہوں

کہ تم ابھی بھی ہماری دسترس میں ہو۔

تاران کے جسم پر جگہ جگہ خراشیں سی پڑ گئی تھیں اور دو جگہ سے اس کے کپڑے بھی پھٹ گئے وہ بہت مشکل سے کھڑا ہوا اور رکھوالے کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے تم......" رکھوالے نے اسے پہچان لیا کیونکہ وہ بھی میمونہ کو ڈھونڈنے والے گروپ میں شامل تھا۔ اسی لئے وہ تاران کو اپنے ساتھ اپنے قبیلے میں لے گیا۔

اس دن تاران پورے قبیلے کا مہمان تھا اس نے صرف قبیلے کے پہلے سردار کی بیٹی کو ڈوبنے سے بچایا بلکہ اپنے پاس بحفاظت رکھا۔ یومیرہ قبیلے کے سب لوگ اس کے بہت مشکور تھے وہ دن اس کا بہت ہی اچھا گزرا اسے پہننے کے لئے نئے کپڑے دیئے گئے اور دعوت کر کے اس کی ضیافت کی گئی اس سب کے ساتھ وہ مضطرب سا تھا۔ قبیلے کے پتھر سے بنے گھروں کے درمیان سے گزرتے ہوئے اس کی آنکھیں بے قراری سے گھروں کے دروازوں پر لگے چمڑوں سے بنے پردے کو ہی دیکھتی رہیں لیکن اسے میمونہ کہیں نظر نہ آئی۔

[illegible] مہمان تھا جسے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا لیکن سردار ایک دفعہ اس کو خوش آمدید کہنے کے بعد پھر اس کے پاس نہ آیا۔ رات کا کھانا کھانے کے بعد اس کے پاس کچھ دیر لوگ بیٹھے رہے اور اس سے اس کے بارے میں پوچھتے رہے کہ وہ کون ہے کس قبیلے سے اس کا تعلق ہے لیکن تاران کو اپنی وادی کے علاوہ کسی اور چیز کا پتا نہ تھا تو وہ انہیں کیا بتاتا۔ پھر آہستہ آہستہ لوگ اٹھ کر جانے لگے اور آخر تاران وہاں اکیلا رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ میمونہ سے ملاقات کیسے ہو۔

اچانک مہمان خانے کا پردہ ہلا اور ایک پروقار سی عورت اندر داخل ہوئی، تاران اس کو دیکھتے ہی وہ کھڑا ہو گیا۔ کسی جانور کی چربی سے بنی مشعل دیوار پر لگی اس کمرہ کو مکمل روشن کر رہی تھی اس کی روشنی میں اس عورت کے چہرہ کو دیکھتے ہی تاران چونک اٹھا کیونکہ اس کا چہرہ میں میمونہ سے بہت مشابہت تھی۔

"تاران بیٹھ جاؤ۔" اس عورت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

تاران اس کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے بیٹھ گیا۔ "مجھے میمونہ نے سب کچھ بتایا ہے میں تمہارا اور تمہاری دادی کا بہت قرض محسوس کر رہی ہوں اور یہ قرض شاید میں پوری زندگی نہ اتار سکوں۔" کچھ دیر خاموش سی رہی اور پھر میمونہ کی ماں نے بات شروع کی۔ "تم جتنے دن یہاں رہو یہ لوگ تمہیں ایک مہمان ہی کی طرح عزت و احترام دیں گے لیکن......"

لیکن پہ تاران کا دل زور سے دھڑکا اور اس نے میمونہ کی ماں کی آنکھوں میں دیکھنے کی کوشش کی شاید وہ اپنے آنے والے وقت کے بارے میں کچھ دیکھنا چاہتا تھا۔

"لیکن ہمارے قبیلے کا یہ اصول ہے کہ ہم اپنے قبیلے کی عورت باہر نہیں دیتے کبھی نہیں۔"

تاران کے ہونٹ کچھ کہنے کے لئے پھڑپھڑائے لیکن اس کے منہ سے آواز نہ نکل سکی اور میمونہ کی ماں اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کمرے سے باہر نکل گئی۔

تاران پریشان سا پہلے ہی تھا میمونہ کی ماں نے یہ بات کہہ کر اس کی پریشانی میں مزید اضافہ کر دیا۔

وہ پوری رات تاران نے ٹہلتے اور لیٹ کر کروٹیں بدلتے گزار دی، میمونہ کے لئے سوچ سوچ کر اس کا دماغ دکھنے لگا، اسے میمونہ کو حاصل کرنے کا کوئی طریقہ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ جنگجو بھی نہ تھا کہ میمونہ کو لے کر بھاگ جاتا۔

آخر اسے ایک بات ذہن میں آئی کہ کسی طرح قبیلے کے سردار اور میمونہ کے چاچا سے بات کرنی چاہئے ہو سکتا ہے وہ مان جائے لیکن تاران کا دل اس بات کو تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔ اللہ اللہ کر کے وہ رات گزری اور دوسرے دن صبح تاران نے ایک خدمت گار سے سردار سے ملنے کا کہا۔

"میں تمہیں کچھ دیر تک آ کر بتاؤں گا کہ سردار تم

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

سے ملنا چاہتا ہے کہ نہیں۔" وہ خدمت گار ناشتہ کروا کر برتن لے گیا اور پھر مڑ کر آیا ہی نہیں دوپہر ہوگئی وہ ہی خدمت گار جب کھانا لے کر آیا تو تاران کے پوچھنے سے پہلے ہی اس نے کہا۔ "کھانا کھالو پھر تمہیں سردار سے ملانے لے چلوں گا۔"

تاران نے جلدی جلدی جیسے تیسے کھانا کھایا اور خدمت گار کے ساتھ چل پڑا جو کہ اسے قبیلے کے گھروں سے کافی دور گھنے درختوں کے نیچے لے گیا جہاں بچھی چارپائیوں پر سردار اور کچھ لوگ براجمان تھے۔ جب تاران ان لوگوں کے پاس پہنچا تو خدمت گار اور سردار کے علاوہ جتنے بھی لوگ وہاں بیٹھے تھے وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ کر دور چلے گئے۔ "نوجوان مجھے خادم نے کہا ہے کہ تم کوئی بات کرنا چاہتے ہو مجھ سے بولو کیا بات ہے؟ تم ہمارے خاص مہمان ہو بلا جھجک کہو۔" سردار کی بات سن کر تاران کو تھوڑا حوصلہ ہوا اور اس کے دل سے خوف کم ہونے لگا۔

"سردار...... میں اور...... میمونہ۔" تاران نے اٹکتے ہوئے اتنا ہی کہا تھا کہ سردار غصہ سے کھڑا ہوگیا۔ "اس کے بعد میری بیٹی کا نام بھی مت لینا...... ہم اپنے قبیلے کی بیٹیاں قبیلے سے باہر نہیں دیتے۔ تمہارا بہت بڑا احسان ہے ہم پر ورنہ۔" سردار کی آواز کسی شیر کی گرج سے مشابہہ تھی جسے سن کر تاران کانپنے لگا۔ سردار کی آواز کی گرج سن کر خدمت گار اور دو اور آدمی دوڑے چلے آئے۔

"ہمارے اس مہمان کو عزت سے قبیلے کی حدود سے باہر چھوڑ آؤ۔" سردار نے اپنے لوگوں سے کہا۔ اور پھر تاران کچھ دیر بعد قبیلے کی حدود سے باہر ایک پہاڑی کے اوپر بیٹھے میمونہ کے قبیلے کی طرف حسرت و یاس بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا وہ وہاں سے دور نہیں جانا چاہتا تھا۔

دو دن وہ قبیلے کی حدود سے ادھر ادھر گھومتا رہا اور کسی طرح میمونہ کو ملنے کے بارے میں سوچتا رہا اسے بھوک پیاس کا کچھ احساس نہ تھا۔

رات میں وہ ایک بڑے سے پتھر پر لیٹا تھا کہ پیچھے سے کسی نے آ کر اس کو قابو کر کے اس کے منہ اور ناک پر مضبوطی سے ہاتھ جما دیئے۔ جس سے اس کی سانس بند ہونے لگی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے نے یلغار کردی اور دماغ ماؤف ہوگیا۔

تاران کی آنکھ کھلی تو کچھ ساعت وہ لاشعوری طور پر لیٹا رہا، آہستہ آہستہ اس کا شعور بیدار ہوا تو وہ جلدی سے اٹھ بیٹھا۔ "میمونہ" اس کے منہ سے نکلا اور اس نے جلدی سے ادھر ادھر دیکھا اس نے اپنے آپ کو ایک انجان جگہ پایا تھا، یہ بھی پہاڑی علاقہ تھا مگر قبیلہ کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ تاران آہستہ آہستہ بے دلی سے پہاڑ پر سے اترنے لگا۔

پہاڑ کے دامن میں ایک چشمہ بہہ رہا تھا۔ جہاں سے اس نے پانی پیا، پیاس بجھاتے ہی اس کی بھوک چمک اٹھی۔ چشمہ کے ساتھ ہی چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں تھیں جن پر بیر لگے تھے۔ تاران بیر اتار اتار کر کھانے لگا جب اس کا پیٹ کچھ سکون میں ہوا تو اسے میمونہ کی یاد آئی۔ اس کا دل تڑپ اٹھا۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ اڑ کر میمونہ کے پاس پہنچ جائے۔ لیکن پھر یہ سوچ کر وہ پریشان ہو گیا کہ [illegible] میمونہ کو تاران کا نہ ہونے دیں گے اس کے دماغ میں طرح طرح کے باغیانہ خیال آنے لگے اور یہ سب سوچتے ہوئے وہ ایک طرف اضطراب کے عالم میں چلنے لگا کبھی وہ تیز چلنے لگتا اور کبھی دوڑنے لگتا۔

دوڑتے دوڑتے وہ ایک پہاڑی پر چڑھ گیا۔ دوسری طرف اترنے سے پہلے پہاڑی کے نیچے کا منظر دیکھ کر اس کے قدم جم سے گئے جیسے کہ زمین نے جکڑ لئے ہوں۔

پہاڑی کی دوسری طرف وہی خوب صورت شہر اپنی پوری خوبصورتی اور دلکشی سے سامنے تھا۔ تاران کو دا سانپ عورت یاد آئی اور پھر اس کے وہ آخری الفاظ "تم اپنی منزل کو ہماری مدد کے بغیر کبھی نہیں پا سکتے۔" تاران نے اس خوب صورت شہر کی طرف دوڑ لگا دی پھر کچھ ہی دیر میں شہر کے اندر داخل ہو کر اس نے وہ گھر ڈھونڈ لیا جس میں اس کی ملاقات سانپ عورت سے ہوئی تھی اس نے بغیر کچھ سوچے چبوترے کی سیڑھیاں تیزی سے چڑھیں اور پھر وہ چبوترے کے اندر تھا لیکن وہاں کا دروازہ بالکل سپاٹ دیوار کی طرح ہی بند تھا۔

"اے سانپ نما دوشیزہ میں آگیا ہوں کہاں ہو تم خدارا میری مدد کرو۔" وہ اونچی اونچی آواز میں چلانے لگا پھر اس کے دیکھتے ہی دیکھتے اسی جگہ سے دیوار کھسک گئی اور دیوار کے کھلتے ہی وہاں سے راستہ بن گیا۔ تاران جلدی سے اس میں سے گزر کر دوسری طرف پہنچا جہاں سنگ مرمر کی سیڑھیاں نیچے اس گھر کے بڑے سے صحن میں جا رہی تھیں۔ لیکن صحن کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ [illegible] انسانی سروں والے مرد و عورتوں سے بھرا ہوا تھا۔ تاران اتنا حیرت زدہ تھا کہ حیرت نے اس کو ہوش سے بیگانہ کردیا اور وہ سیڑھیوں سے لڑھکتا ہوا ناگن کے سامنے جا گرا۔

پانی کے قطرے [illegible] پر بارش کی طرح [illegible] اس کا ذہن بیدار ہوا اور وہ ہوش میں آ کر اٹھ بیٹھا۔ اٹھتے ہی اس نے اپنے سامنے بیٹھی ناگن کو دیکھا اور پھر نظریں گھما کر خوف سے اس صحن کو دیکھا جس میں اب ان دونوں کے علاوہ کوئی نہ تھا یا پھر اس کی نظروں سے اوجھل تھے پانی کا ایک ظروف ناگن کے پاس پڑا تھا جسے اپنی دم سے پکڑ کر اس نے تاران پر پانی ڈالا تھا۔ "وہ سب کہاں گئے۔" تاران نے خوفزدہ لہجے میں ناگن سے پوچھا۔

"تم ان کو دیکھ کر ڈر کر بے ہوش ہوگئے تھے اسی لئے وہ سب تمہارے سامنے سے ہٹ گئے۔" ناگن نے اداسی سے کہا۔

تاران اس کو اداس دیکھ کر ٹھٹکا۔ "تم سب واقعی انسان ہو۔" اس کے منہ سے اتنا ہی نکل سکا۔

"ہاں ہم سب تمہاری ہی طرح کے انسان ہیں۔ بس ذرا تم ذرا سوچو کہ تمہارا اتنا خوب صورت جسم سانپ یا

ڈاکٹروں، حکیموں اور ماہرین طب کی ہدایات پر لکھی گئی مفید کتاب

شوگر (ذیابطیس)

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں شوگر کیسے اور کیوں ہوتی ہے، شوگر صحت کے لئے سب سے سنگین خطرہ، ایکسپائر استعمال نہیں کرنی چاہئیں، بڑھتی عمر، شوگر کیا ہے، ٹائپ ون شوگر، ٹائپ ٹو شوگر، بلڈ پریشر کا خطرہ، ہائی بلڈ شوگر کے مریضوں کی سرجری خطرناک ہو سکتی ہے، شوگر کی پیچیدگیوں سے کیسے نمٹا جائے، احتیاطی تدابیر، شوگر اور ڈپریشن کا تعلق، افسردہ اداس مائیں اور بچے، نارمل بلڈ شوگر کیا ہے، جانچ کب کروائیں، شوگر بڑھنے کے اسباب اور تدارک، موٹے افراد کا خوف، سگریٹ نوشی، وجوہات، شوگر سے محفوظ رہنے والی خواتین، انفیکشن، بچوں پر ماؤں کا اثر، پیشاب کی نالی میں انفیکشن، ذیابطیس کے مریضوں کے لئے خطرناک بیماریاں، ڈپریشن، شوگر کی علامات اور اس سے بچاؤ کے طریقے، دیسی و ڈاکٹری نسخے پڑھئے اس کتاب میں۔

حکیم غلام مصطفیٰ

دعا بک کارنر شاپ نمبر 5 امین پور بازار فیصل آباد

https://www.urdutubes.com/

کسی بھی جانور کا ہوجائے تو تمہیں کتنی تکلیف ہوگی تم کیسا محسوس کروگے ہماری جگہ اپنے آپ کو رکھ کر سوچو۔" ساپن کی آنکھوں میں آخری لمحہ امید و نا امیدی کی جھلک تھی اس کی آواز میں ایک کرب سا تھا اور بس ایک لمحہ تاران نے اپنے آپ کو ان جیسا بنا کر سوچا تو اس نے ایک جھرجھری لی اور پھر بولا۔ "لیکن میں تم لوگوں کی کیا مدد کرسکتا ہوں۔" اس کے لہجے میں ہلکا سا درد تھا۔ جیسے کہ اس نے اس خوب صورت شہر کے لوگوں کا درد جان لیا تھا۔

"ہمارا یہ شہر کبھی بہت ہی پررونق ہوا کرتا تھا۔ ان پہاڑوں میں رہنے والے جتنے قبیلے جتنی بستیاں ہیں ان سب کے لوگ ہمارے اس شہر میں آکر ہماری منڈیوں ہماری مختلف قسم کی دکانوں سے مال خریدتے تھے ہمارا شہر ہر قسم کی چیزوں کا منڈی ہوا کرتا تھا ہم سب امیر لوگ بنتے گئے جس کا ثبوت یہ خوب صورت شہر تمہارے سامنے ہے۔ ہم لوگوں میں نخوت اور اکڑ سی آتی گئی۔ پھر ہمارے اس شہر سے ایک جادوگر کا گزر ہوا۔

ہمارے حکمران جو کہ میرے شوہر ہیں ان سے کوئی غلط بات ہوگئی اس جادوگر نے میرے شوہر سے تاج چھین لیا اور ہم پر کچھ پڑھ کر پھونک دیا۔ اس کے پھونکتے ہی ہم لوگ اس شکل میں ہوگئے اس نے ہمارے شہر کے گرد حصار باندھ دیا جس سے ہم لوگ اپنے شہر سے باہر نہیں جاسکتے۔

میرے شوہر کا تاج وہ ساتھ لے گیا جس پر طلسم کا توڑ ہے ہمیں وہ تاج چاہئے۔"

"لیکن اگر میں وہ تاج لے آؤں تو تم لوگ مجھے میری منزل تک کیسے پہنچاؤ گے، میمونہ میری کیسے ہوگی۔" تاران نے اس کے چپ ہوتے ہی پوچھا۔

"ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو کہ ایک بزرگ نے ہمیں دی تھی اس میں تمہارے بارے میں سب کچھ لکھا ہے اور یہ بھی کہ ہمیں اس مصیبت سے تم ہی نجات دلاسکتے ہو، تم ہمیں اس مصیبت سے نجات دلاؤ، ہم تمہیں میمونہ تک پہنچائیں گے بلکہ تمہاری اس سے شادی کروائیں گے۔"

تاران کے سوال کا جواب ایک طرف سے نکل کر آتے ہوئے مرد کے سر والے سانپ نما انسان نے دیا جسے دیکھتے ہی ساپن ایک طرف ہوگئی۔ اس کے بعد ان تینوں میں کچھ بحث و مباحثہ ہوا اور آخر تاران ان کے لئے تاج حاصل کرنے کو تیار ہوگیا۔

انہوں نے تاران کو صحرا کے اندر اس پرانے کھنڈر کا راستہ سمجھا دیا جہاں اس جادوگر نے وہ تاج چھپا رکھا تھا۔ "لیکن تم وہاں تک اکیلے نہیں جاسکتے، اس کے لئے تمہیں دریا کنارے شہر کے لوگوں کی مدد چاہئے ہوگی جو کہ تمہیں گائیڈ اور مددگار فراہم کریں گے، لیکن تمہیں خود ان سے بات کرنی ہوگی یہ اب تمہارے اوپر ہے کہ تم ان کو اپنی مدد کے لئے کیسے تیار کرتے ہو۔" سانپ نما انسان نے تاران کو تفصیل بتائی جسے تاران غور سے سن رہا تھا۔ میمونہ کو حاصل کرنے کے لئے تاران ڈوبتے کو تنکے کا سہارا سمجھ رہا تھا کیونکہ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔

☆......☆......☆

تاران دوسرے دن صبح صبح سفر کے لئے تیار تھا۔

"یہ ایک [illegible] بھی [illegible] جس نے وہ طلسماتی کتاب ہمیں دی تھی یہ [illegible] ڈال لو یہ تمہیں ہر بلا اور آفات سے بچائے گا۔" اس خوب صورت شہر سے نکلنے سے پہلے اس شہر کی ملکہ نے اسے ایک سونے سے بنا ہوا لاکٹ دیتے ہوئے کہا جس کے اوپر کسی مقدس مقام کی فوٹو بنی تھی۔ تاران نے وہ لے کر ایک نظر اس کو دیکھا اور پھر اسے گلے میں پہن لیا۔

تاران کے چہرے سے [illegible] ہو رہا تھا اس کے پاس ایک چمڑے کے تھیلے میں کھانے پینے کی چیزیں، ایک خنجر اور ایک بڑی سی چادر تھی۔

سات دن کے طویل سفر نے اسے دریا کنارے اس شہر میں پہنچا دیا جس کے بارے میں خوب صورت شہر کے حکمران نے کہا تھا وہ جب شہر میں داخل ہوا تو وہاں کی فضا اسے سوگوار سی لگی، ہر آدمی خوف زدہ پریشان تھا اسے جو آدمی بھی ملا اس کے چہرے سے ایسا

لگتا تھا کہ نہ جانے کتنی راتوں سے سویا نہیں۔ تاران نے کچھ لوگوں سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن ان لوگوں نے اس سے زیادہ بات نہیں کی تاران یہ صورت حال دیکھ کر پریشان ہوگیا، اسے یہاں سے اپنے لئے کوئی مدد ملنے کی کوئی امید نہ رہی۔

وہ گلیوں میں گھومتے ہوئے ساحل پر جا پہنچا۔ وہاں ایک بڑی سی عمارت تھی جس کے اندر سے کچھ لوگوں کے اونچی آواز سے پڑھنے کی آواز آرہی تھی۔ تاران وہ غور [illegible] نے ایک کھڑکی [illegible] سے جھانک کر [illegible] تو وہ ایک بڑا سا ہال تھا جس کے اندر بہت سے مرد و [illegible] دو زانوں بیٹھ کر کچھ پڑھ رہے تھے۔ تاران کو وہ عمارت ایک عبادت خانہ لگا اور ان کا [illegible] پڑھنا کوئی مذہبی کلام [illegible] تاران اس عمارت [illegible] بہت ہی خوب صورت بنی ہوئی [illegible] تاران اس کی خوب صورتی میں کھو سا گیا۔ پیچھے سے کسی نے آکر اسے کندھے سے پکڑا تو تاران نے چونک کر پیچھے دیکھا، سفید جبہ پہنے لمبی سفید [illegible] "نوجوان کون ہو، کہاں سے [illegible] آؤ اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" [illegible] نے شفقت بھری آواز سے کہا اور پھر وہ اسے اس [illegible] کے اندر سے ایک کمرہ میں لے گئے۔ تاران کو بیٹھا کر اسے ادھر ہی ایک برتن میں پڑا [illegible] اس کے بعد تاران نے انہیں اپنی ساری کہانی سنائی جسے سن کر بزرگ اس کی طرف بڑے غور سے دیکھنے لگے۔ "[illegible] تم نے چھوٹی سی عمر میں اپنے ساتھ بڑا روگ لگا لیا ہے۔ جانے اس کا انجام کیا ہو۔" [illegible] سے کہا۔

کچھ دیر گمبھیر سی خاموشی رہی۔ "ہم تمہاری مدد کریں گے، ہمارے پاس کچھ ایسے آدمی ہیں جو اس صحرا کے چپے چپے سے واقف ہیں وہ ضرور تمہیں بحفاظت اس کھنڈر تک لے جائیں گے لیکن تمہیں دو دن انتظار کرنا ہوگا۔" بزرگ نے آخری الفاظ اداسی سے ادا کئے۔

"معزز بزرگ آپ کا بہت شکریہ کہ آپ نے میری مدد کرنے کا کہہ کر میری پریشانی کم کردی اگر آپ برا نہ منائیں تو میں پوچھ سکتا ہوں۔" تاران نے ادب سے کہا۔

"ہاں نوجوان پوچھو، ہم نے برا منانا نہیں سیکھا۔"

"میں نے اس شہر میں دیکھا ہے کہ لوگ پریشان اور گم صم سے ہیں کسی نے بھی میری کسی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ مجھے تو وہ سب خوابیدہ خوابیدہ لگتے ہیں اس شہر کی فضا سوگوار سی کیوں ہے؟" تاران نے بزرگ کے حوصلہ دلانے پر کہا تو وہ بزرگ اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہیں کھو سے گئے۔

"یہ بات بہت پرانی ہے۔ دریا کا پانی جب بھی چڑھ جاتا ہے۔ ایک دریائی بلا کہیں سے نمودار ہوتی ہے اور ہمارے شہر پر حملہ کردیتی ہے وہ بہت بڑی بلا ہے۔ انسان اس کا مقابلہ نہیں کرسکتے، شروع میں اس بلا نے ہمارا بڑا نقصان کیا۔ جب بھی وہ آتی شہر کو تہس نہس کرکے رکھ دیتی اور کسی جوان لڑکی کو اٹھا لے جاتی، اس کے حملوں سے ہم سب تنگ ہوگئے لیکن دریا کبھی کبھار ہی چڑھتا ہے اسی لئے ہم لوگ اپنے گھر کاروبار چھوڑ کر نہیں جاسکتے ہم لوگوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ بلا اتنا نقصان کرکے بس ایک جوان لڑکی لے جاتی ہے تو ہمارے معزز لوگوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ دریا کے چڑھتے ہی ہم خود ایک جوان اور خوب صورت لڑکی دریا کنارے لے آتے ہیں۔ جب بھی وہ بلا آتی ہے اسی لڑکی کو اٹھا کر لے جاتی ہے۔ شروع میں اس بات پر ہمارے لوگوں کا آپس میں لڑائی جھگڑا ہوا کیونکہ کوئی بھی اپنی جوان اور خوب صورت بیٹی قربان کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس کا حل یہ نکالا اور قرعہ نکالا جانے لگا اس کے بعد قربانی کے لئے لڑکی کا حصول مشکل نہ رہا لیکن اب بھی کوئی دل سے اپنی بیٹی دیتا نہیں بس مجبوری ہے۔ اور یہ سب لوگ اسی لئے پریشان ہیں کہ دریا چڑھ گیا ہے۔ آج رات یا پھر کل رات وہ بلا ضرور نمودار

https://www.urdutubes.com/

ہوگی۔ ان دنوں لوگ عبادت بھی زور شور سے کرنے لگتے ہیں۔" بزرگ نے بات ختم کر کے خلا میں دیکھا جیسے کہ اس دریائی بلا کو دیکھ رہے ہوں۔

تاران بھی یہ سب سن کر پریشان ہوگیا اور وہ سوچنے لگا کہ وہ اس میں ان لوگوں کی کیا مدد کرسکتا ہے۔ اسی وقت اس کے سینے پر سرسراہٹ سی ہوئی۔ اس نے جلدی سے ہاتھ اپنی قمیض کے اندر ڈالا۔ خوب صورت شہر کے بادشاہ کا دیا ہوا لاکٹ اس کے دل کے اوپر خود بخود ہی تھپکیاں سی دے رہا تھا۔

تاران حیران ہوا۔ اس کے دل میں خوف پیدا ہوا کہ لاکٹ اپنے آپ حرکت کیسے کررہا ہے۔ اسی وقت اس کے ذہن میں بادشاہ کے کہے الفاظ گونجنے لگے۔ "یہ لاکٹ ہر بلا سے تمہاری حفاظت کرے گا۔"

"معزز بزرگ اس بلا کے خلاف میں آپ کی مدد کروں گا۔" اس کے منہ سے جیسے خود بخود نکل گیا۔

"لیکن کیسے وہ بہت خطرناک بلا ہے اگر تمہارے کسی بھی اقدام سے بپھر گئی تو بہت نقصان کرے گی۔" بزرگ نے جلدی سے کہا۔

"نہیں معزز بزرگ آپ مجھ پر اعتماد کریں مجھے اپنے خدا پر پورا یقین ہے۔" تاران نے پختہ لہجے میں کہا۔ اس کے بعد بزرگ نے اپنے شہر کے لوگوں کو بڑی مشکل سے منایا۔

اور تاران لڑکیوں کے سرخ کپڑے پہن کر دریا کے ساحل پر کھڑا کردیا گیا۔ اس کے بڑے بڑے بال اور خوب صورت چہرہ دمک رہا تھا۔ بالکل ایک لڑکی ہی لگ رہا تھا۔ اسے دریا کے سامنے کھڑا خوف محسوس ہورہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ جانے کیا ہوگا۔

لیکن پھر اسے میمونہ یاد آنے لگی جسے حاصل کرنے کے لئے اسے یہ سب گوارا تھا۔ میمونہ کی ہنستی کھیلتی یادوں نے اسے اس خوف کے عالم سے نکال لیا۔ آدھی رات کے وقت دریا کا پانی چڑھتے چڑھتے تاران کے قدموں تک آگیا۔ چاندنی رات تھی دریا کی موجوں میں اچانک ہلچل مچی اور دریا کے اندر سے ایک عفریت برآمد ہوکر کھڑی ہوگئی۔

تاران خوفزدہ ہوگیا۔ وہ عفریت جیسے آسمان تک بلند تھی۔ تاران کے سینے پر سرسراہٹ سی ہوئی لیکن وہ ڈر کی کیفیت میں اپنے ہاتھ تک نہ ہلا سکا۔

اچانک اس کا گریبان خود بخود کھل گیا۔ اور لاکٹ باہر نکل آیا۔ وہ عفریت تاران ہی کی طرف دیکھ رہی تھی اس کی بڑی بڑی آنکھیں تاران کو ہپناٹائز کررہی تھیں۔ چاند اس بلا کے پیچھے چھپ گیا تھا وہ بلا تھوڑا سا جھکی جیسے کہ تاران کو کچھ غور سے دیکھنا چاہتی ہو اس کے نیچے جھکتے ہی چاند کی چاندنی لاکٹ کے اندر بنے مقدس مقام کی فوٹو پر پڑی۔

یکدم لاکٹ روشن ہوگیا اور اس کے اندر سے سرخ آگ جیسی شعاع نکل کر اس عفریت کے چہرے سے ٹکرانے لگی جس سے بلا کے چہرے نے آگ پکڑلی آگ لگتے ہی عفریت کے منہ سے عجیب آوازیں نکلنے لگی اس نے اپنا منہ پانی میں ڈالا لیکن اس وقت تک اس کا جسم آگ پکڑ چکا تھا، وہ تڑپ تڑپ کر بھیانک آوازیں نکالنے لگیں۔ دریا میں ایک بھونچال سا آگیا تھا۔ کچھ دیر تڑپنے کے بعد عفریت پانی [illegible]

تاران گم صم سا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس بلا کے ڈکرانے سے شہر کے لوگ ڈر گئے اور گھروں میں دبک گئے لیکن جب کچھ دیر تک کوئی چیخ و پکار، اور شور نہ ہوا آہستہ آہستہ لوگ اپنے گھروں سے جھانکتے ہوئے دریا کے کنارے اکٹھے ہونے لگے۔

جہاں تاران بحفاظت موجود تھا۔ لوگ اسے دیکھ کر حیران اور خوش ہوئے انہوں نے تاران سے ساری بات پوچھی تاران نے اٹکتے ہوئے وہ بتایا کہ بلا کے ساتھ کیا ہوا لوگوں نے تاران کو کندھے پر اٹھالیا تاران ان کے لئے ایک ہیرو کا مرتبہ حاصل کرچکا تھا۔

دوسرے دن ان کے ساتھ دو آدمی بطور گائیڈ اور گارڈ کے تیار تھے۔ کیونکہ اس صحرا میں صحرائی لٹیروں کا ڈر تھا اس کی سواری کے لئے چار خچر تھے ایک پر سامان پانی اور کھانا وغیرہ اور تین خچر ان تینوں کے لئے۔ تین دن کے

ایک طویل اور تھکا دینے والے سفر کے بعد وہ ان کھنڈروں میں پہنچ گئے جو کہ کسی پرانے زمانے کے ایک بادشاہ کا محل تھا جس کی کچھ دیواریں منہدم ہوگئی تھیں۔

تاران وہاں تک تو پہنچ گیا تھا لیکن اسے وہ تہہ خانہ ڈھونڈنا تھا جس کے اندر وہ تاج تھا جس کو حاصل کرنے کے لئے وہ یہاں تک آیا تھا۔ اس نے گھوم پھر کر پورا محل دیکھ لیا لیکن اسے تہہ خانے کا کوئی سراغ نہ مل سکا وہ رات انہوں نے بڑی مشکل میں گزاری اور پھر سورج کی روشنی نمودار ہوتے ہی تاران نے تہہ خانے کی تلاش شروع کردی اس محل میں چھت پر جانے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ تاران اور اس کے ساتھ آنے والے کافی دیر تک تہہ خانے کو تلاش کرتے رہے۔

لیکن انہیں تہہ خانہ نہ ملا شام ہوگئی وہ سب تھک کر سیڑھیوں کے نیچے بیٹھ گئے تاران کی پریشانی پہلے سے زیادہ ہوگئی کیونکہ یہ تاج میمونہ کو حاصل کرنے کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس نے اوپر دیکھا جہاں آسمان نظر آرہا تھا وہ اٹھا اور بوجھل قدموں سے سیڑھیاں چڑھنے [illegible] تیسری سیڑھی [illegible] سیڑھی اس کے وزن سے دب گئی۔

تاران کو اچانک جھٹکا لگا وہ گرنے سے بہت مشکل سے بچا۔ سیڑھی کے دبتے ہی انہی سیڑھیوں کے نیچے فرش اپنی جگہ سے آواز نکالتے ہوئے ہٹ گیا اور وہاں تہہ خانے میں جاتی سیڑھیاں نظر آنے لگیں۔

تاران اس تہہ خانے کو دیکھ کر حیران اور خوش تھا، وہ اپنے ساتھی ایک آدمی کو لے کر اندر اتر گیا جس نے ایک مشعل جلالی تھی اور جلد ہی انہیں طاقچے میں پڑا وہ خوب صورت تاج جس میں جگہ جگہ ہیرے لگے تھے نظر آگیا تاران اس تاج کو لے کر خوشی خوشی باہر آگیا۔ تاج کو حاصل کرکے اسے ایسا لگا جیسے اس نے میمونہ کو حاصل کرلیا ہو۔

وہ تاج لے کر واپس اس خوب صورت شہر میں خوشی خوشی پہنچا۔ اس شہر کے بادشاہ و ملکہ نے اس کا بہت خوشی سے خیر مقدم کیا اور پھر اسی وقت وہ دونوں تاران کے ساتھ سنگ مرمر کی بنی سیڑھیوں پر کھڑے ہوگئے۔

تھوڑی دیر میں اس محل کا صحن انسانی مرد و عورتوں کے سر اور سانپوں کے جسم سے پر ہوگیا۔ تاران ان سب کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ "تاران تم یہ تاج میرے سر پر رکھو۔" بادشاہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اور ساتھ ہی اونچی آواز سے کچھ پڑھنے لگا۔

تاران نے آہستہ سے جھک کر تاج بادشاہ کے سر پر رکھ دیا۔ ادھر وہ تاج کو رکھ کر پیچھے ہٹا ہی تھا کہ ملکہ اور بادشاہ اپنی اصلی حالت میں آگئے۔ تاران نے ان کو دیکھنے کے بعد صحن کی طرف نظر ڈالی جہاں مرد و عورتوں کا ایک جم غفیر تھا تاران کے ہونٹوں پر خوشی سے مخمور مسکراہٹ تھی۔

"تاران ہم تمہارا کس منہ سے شکریہ ادا کریں تم نے ہم سب کو ایک نئی زندگی دی ہے۔" بادشاہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ممنونیت سے کہا۔

"بادشاہ محترم آپ مجھے میمونہ کو دکھادیں۔" اس نے تیزی سے کہا۔

"تم اب ہمارے ساتھ چلو گے جہاں میمونہ ہے، اب میمونہ تمہاری ہے اور تمہیں ہی ملے گی۔"

تاران ایک مرتبہ پھر میمونہ کے قبیلہ بوہیرہ میں پہنچا لیکن اس مرتبہ اس کے ساتھ اس خوب صورت شہر کے بادشاہ اور ملکہ اور شاہی سواری تھی۔ چار سفید رنگ کے خوب صورت گھوڑے اور بگھی سجائی بگھی جیسے بوہیرہ قبیلہ میں داخل ہونے سے کسی نے نہ روکا۔ بگھی کے آگے پیچھے گھوڑ سوار محافظ تھے جن کے نیام میں تلواریں نمایاں تھیں۔ بگھی جا کر ایک بڑے سے میدان میں رک گئی۔

بوہیرہ قبیلہ کے لوگ اس بگھی کے گرد اکٹھے ہونے لگے بادشاہ اور ملکہ جب نیچے اترے تو قبیلے کا سردار آگے بڑھا اور فرط عقیدت سے دونوں کے ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا۔ سارے قبیلے والے ادب سے کھڑے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "بادشاہ سلامت اور ملکہ عالیہ آپ لوگ کہاں غائب ہوگئے تھے، ہمارا خوب صورت شہر تو آپ کے بغیر ویران ہوگیا تھا؟" سردار نے

https://www.urdutubes.com/

سر کو جھکاتے ہوئے کہا۔

بادشاہ نے اس کے جواب میں مختصراً اپنے بارے میں بتا دیا کہ ان کے ساتھ جادوگر نے ناراض ہو کر کیا کر دیا تھا۔ "اور ہمارے شہر سے طلسم ختم کرنے والا نوجوان ہمارے ساتھ ہے۔" بادشاہ نے آخر میں کہا تو سردار اور وہ سب قبیلہ کے لوگ سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

"تم میں سے بہت سے لوگ اس بہادر نوجوان کو جانتے ہیں۔" یہ کہہ کر بادشاہ نے تاران کو آواز دی تو تاران بگھی میں سے شاہانہ لباس پہنے نمودار ہوا جو کہ اس پر بہت جچ رہا تھا۔

"یہ نوجوان پہلے بھی آپ کے قبیلے میں آ چکا ہے۔ اس کی ایک خواہش ہے لیکن تم لوگوں نے اس کو انکار کر دیا اور نکال باہر کیا۔" اس مرتبہ ملکہ نے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ملکہ عالیہ آپ کو اس کی خواہش کا پتا ہے اور ہمارے قبیلہ کے رسم و رواج کا بھی۔" سردار نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں ہمیں پتا ہے یہاں کے ہر قبیلہ کے رسم و رواج کا لیکن تاران تمہارے قبیلے کا ہی بیٹا ہے۔" بادشاہ نے اونچی آواز میں اعلان کرتے ہوئے کہا۔ اور یہ بات سن کر سردار اور وہ سب قبیلہ والے شاک زدہ ہو گئے۔ اور ان کے منہ سے "وہ کیسے....." آوازیں نکل گئیں۔

سردار نے بس اتنا ہی کہا۔

"ہاں...... بادشاہ سلامت ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" قبیلہ کے داخلی راستہ کی طرف سے ایک بھاری اور رعب دار آواز سنائی دی اور ان سب کی آنکھیں اس طرف اٹھ گئیں۔

اس طرف تاران کی دادی کھڑی تھی۔ دادی نے شکر ادا کیا کہ وہ تمام لوگوں کے سامنے ایک مرتبہ پھر آ گئی اور وہ بھی پردہ میں۔ جس سے وہ لوگ اسے نہیں پہچان سکتے تھے جبکہ اس نے میمونہ کے چہرہ میں اس کی ماں نورین کے چہرہ کی جھلک صاف دیکھ لی تھی اور پھر جب میمونہ نے ہوش میں آ کر اپنے قبیلہ اور والدین کا بتایا تو تاران کی دادی شاہینہ کو پتہ چل گیا کہ میمونہ کا تعلق ان ہی کے قبیلہ بومیرہ سے ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ میمونہ کے ٹھیک ہوتے ہی اسے کسی طریقہ سے واپس بھجوا دے کیوں کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے قبیلہ والے میمونہ کو ڈھونڈتے ہوئے وہاں تک پہنچیں اور اس کو پہچان لیں۔

لیکن میمونہ کے ساتھ جاتا کون وہ اپنے پوتے کو بھی اس کے ساتھ نہیں بھجوانا چاہتی تھی۔ یہ سب باتیں صرف سوچتی ہی رہی اور کئی ماہ کا عرصہ بیت گیا میمونہ کو ڈھونڈتے ہوئے اس کے قبیلہ کے لوگ پہنچ گئے۔

شاہینہ نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور ان سے اپنے آپ کو چھپا لیا وہ بھی جلدی میں نکلتے تھے۔ بس ایک رات گزار کر صبح میمونہ کو لے کر چل دیئے۔

شام ہوئی پھر رات اور رات بھی آدھی سے زائد گزر گئی تاران غائب تھا پہلے تو شاہینہ مطمئن سی تھی کیونکہ اسے پتہ تھا تاران میمونہ سے گہرا تعلق رکھنے لگا تھا اس لئے اس کے جانے سے اس کا دل اداس ہو گیا اور وہ غم بھلانے کے لئے دریا کے کنارے گھوم رہا ہو گا لیکن جب صبح بھی ہو گئی اور تاران نہ آیا تو شاہینہ پریشان ہو گئی اور کتوں کو اپنے ساتھ لے کر وہ جنگل میں چھان مارا لیکن تاران نہ ملا اس کے رکھوالے کتے ایک طرف بھاگ کر جاتے اور بھونکتے تھے ان کے ایسا کرنے سے شاہینہ پریشان ہو گئی کیونکہ وہ سمجھ گئی تھی کہ کتے اسے بتا رہے ہیں کہ تاران اس طرف چلا گیا وہ پریشان تھی۔ یہ سوچ کر اور زیادہ پریشان ہوئی کہ تاران میمونہ اور اس کو لے جانے والوں کے پیچھے چلا گیا ہے۔ وہ اب خود اس کے پیچھے نہیں جا سکتی تھی کیونکہ اسے اپنے شوہر اور بیٹے اور بہو کا انتظار تھا۔ یہ انتظار کرتے ہوئے اسے گیارہ سال بیت گئے تھے۔

لیکن اس کے دل میں تھا کہ وہ ضرور لوٹیں گے ساتھ ہی اسے اب تاران کی طرف سے ایک بڑی پریشانی نے گھیر لیا تھا کیونکہ وہ اس کے پاس اپنے بیٹے کی ایک نشانی تھی۔

وہ ایک ہفتہ تک روزانہ صبح جنگل کے کنارے

آ بیٹھتی اور شام تک انتظار کرتی لیکن نہ ہی اس کا شوہر، بیٹا اور نہ ہی تاران واپس آیا۔ سات دن بعد اس نے ہمت باندھی اور بھیڑ بکریوں کو دو کتوں کے حوالے کر کے ایک کتے کو اپنے ساتھ لے کر تاران کی تلاش میں نکلنے کی غرض سے جنگل سے باہر آ گئی۔ اس کے چہرہ پر فکر و تردد کے آثار تھے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اس نے جنگل کی طرف دیکھا اور پھر ہاتھ میں پکڑے ڈنڈے سے اپنے ساتھی کتے کی پیٹھ سہلائی جس نے اپنی مالکن کی طرف دیکھ کر دم ہلائی اور پھر مالکن کے ساتھ ہی قدم بڑھا دیئے۔

لیکن سامنے کی طرف سے دور سے اڑتی ہلکی ہلکی دھول کو دیکھ کر کتے کے کان کھڑے ہو گئے اور پھر اس نے اس طرف دیکھ کر بھونکنا شروع کر دیا۔ شاہینہ نے بھی فضا میں دھول کو بلند ہوتے دیکھ لیا تھا جس سے اس نے اندازہ لگایا کہ کوئی گھوڑا اپنے سوار کو لئے تیزی سے ان کی طرف آ رہا ہے وہ امید و یاس لگا کر اس طرف دیکھنے لگی۔

گھوڑا اب سامنے آ گیا تھا سوار کا سر اور چہرہ سفید کپڑے سے ڈھکا ہوا تھا اس نے بھی ان کی طرف اور شاہینہ کو دیکھ لیا تھا اس نے گھوڑا ان سے کچھ فاصلے پر روکا اور جلدی سے اتر کر شاہینہ سے کچھ فاصلہ پر ایک مجسمہ کی طرح اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کتا اب پہلے سے زیادہ شور کرنے لگا تھا۔ گھوڑ سوار کی آنکھیں دیکھ کر شاہینہ کا دل زور سے دھڑکا اور پھر لگے اس سوار نے نقاب ہٹا دیا۔ "شاہینہ" اس کے منہ سے نکلا اور اس چہرہ اور آواز کو سن کر شاہینہ خوشی اور غم کی ملی جلی کیفیت میں کانپ اٹھی اس کو اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہ آ رہا تھا۔

"کاشان" اس کے کانپتے ہونٹوں اور بہتی آنکھوں نے کاشان کو اس کے پاس پہنچا دیا دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا لیا۔ شاہینہ کے آنسو تھم نہ رہے تھے۔ کاشان اسے تھپکیاں دے رہا تھا۔

گیارہ سال بعد ان کا ملن ہو رہا تھا خوشی اور غم کے آنسو دونوں کی آنکھوں سے جاری تھے۔ کتا بھی حیران سا کھڑا ان ہی کی طرف دیکھ رہا تھا۔

کچھ دیر اسی حالت میں گزر گئے اور پھر شاہینہ نے حیرانگی سے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری بہو اور بیٹا۔" کاشان نے کہا۔ "میرا پوتا تاران۔" "بیٹے اور بہو کے لئے ہی تو میں اتنا عرصہ تم سے دور رہا وہ دونوں مجھ سے کہیں گم ہو گئے تھے۔"

"کیا کہا گم ہو گئے۔" شاہینہ نے بات کاٹ کر پوچھا۔

"اتنے لمبے سفر سے تھکا ہارا آیا ہوں مجھے بیٹھنے کا موقع نہیں دو گی۔" کاشان نے اس کی آنکھوں میں پیار سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

شاہینہ نے کاشان کے چہرہ کو غور سے دیکھا۔ سفید داڑھی میں ہلکے ہلکے رہ جانے والے کالے بال اس کے شوہر کے چہرہ پر خوب صورت لگ رہے تھے۔

"وہ دونوں مجھ سے ایک صحرا میں گم ہو گئے میں نے انہیں بہت ڈھونڈا لیکن وہ نہ ملے تو ان کے لئے بغیر میں تمہارے پاس کیسے آ جاتا۔ گیارہ سال میں در بدر پھرتا رہا۔ کتنی مرتبہ سوچا کہ ہو سکتا ہے وہ تمہارے پاس واپس آ گئے ہو، میں بھی واپس آ جاؤں لیکن پھر خیال آتا کہ اگر وہ نہ پہنچے ہوں تو میں تمہیں کیسے منہ دکھا سکوں گا۔ کیسے تمہارا سامنا کر سکوں گا۔ میں گوشہ نشین ہو گیا مکمل......"

دونوں ہی خاموشی سے ایک دوسرے کو تکے جا رہے تھے۔ پھر شاہینہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ دونوں اپنے گھر کے اندر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ "شاہینہ روتے نہیں جو قسمت میں لکھا ہے وہ تو ہو کر رہتا ہے...... اب بتاؤ میرا پوتا تاران کہاں ہے۔" کاشان کے پوچھنے پر شاہینہ نے میمونہ اور پھر اس کے پیچھے اس کے قبیلہ والوں کے آنے اور پھر تاران کے ان کے پیچھے جانے تک کی بات رو رو کر سنا دی۔

"میں پچھلے تین چار دن سے تمہیں خواب میں دیکھ رہا تھا کہ تم بہت پریشان تھی۔ اسی لئے میں واپس آ گیا...... تاران اگر واپس ہمارے قبیلہ میں گیا ہو گا تو

https://www.urdutubes.com/

اس مرتبہ میں ضرور اپنے بیٹے کی مدد کروں گا، آج سے بیس سال پہلے قبیلہ میں خانہ جنگی کے پیدا ہوجانے والے حالات کی وجہ سے میں نے قبیلہ چھوڑ دیا کیونکہ میں اپنے خاندان کی وجہ سے قبیلہ کے حالات خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔" آخری الفاظ کاشان نے کچھ جوش سے ادا کئے۔

"تیاری کرلو صبح ہم نے اپنے پوتے کے پیچھے جانا ہے اسے ہم گم نہیں ہونے دیں گے، وہی تو ایک آخری نشانی ہے ہمارے بیٹے کی۔" کاشان نے شاہینہ کی طرف دیکھتے ہوئے اونچی آواز سے کہا اور دونوں بوڑھوں کا چہرہ عجیب سی خوشی سے چمکنے لگا۔

☆......☆......☆

بومیرہ قبیلہ والے اور خوب صورت شہر کے بادشاہ اور ملکہ اس آواز کو سن کر ادھر دیکھنے لگے۔ قبیلہ کے داخلی راستے پر سفید گھوڑے پر بیٹھے ایک بوڑھا جوڑا موجود تھا۔

"معزز بزرگ آپ......" بادشاہ کے منہ سے نکلا۔

"کاشان بابا۔" سردار اور بہت سے قبیلہ والوں کے منہ سے نکلا۔

"ہاں میں ہوں کاشان اور تاران میرا پوتا اسی قبیلے کا بیٹا ہے۔"

کاشان اس قبیلے کا مذہبی پیشوا اور چاند خان کا سگا چاچا تھا جو کہ میمونہ کا باپ اور قبیلہ کا اپنے بھائی مروان سے پہلے سردار تھا۔ بیس سال پہلے ایک قبیلہ میں اس کا بیٹا حازران بیل دوڑ کے مقابلے میں ہار گیا تھا اس سے مقابلہ جیتنے والے ایک نوجوان نے اس کی پسند کی لڑکی پر ہاتھ رکھ دیا لیکن حازران نے دعویٰ کردیا کہ کھیل میں اس کے ساتھ بے ایمانی ہوئی ہے۔

کافی دن یہ معاملہ چلتا رہا لیکن اس کا کوئی حل نہ نکل سکا اور پھر حازران اور وہ لڑکی جو کہ تاران کی ماں تھی رات کے اندھیرے میں بھاگ گئے جن کے بعد قبیلہ میں جنگ کی صورت حال پیدا ہوگئی تب کاشان بھی اپنی بیوی شاہینہ کو لے کر قبیلہ سے غائب ہوگیا اور اس خاندان کے غائب ہونے کے کچھ دنوں بعد قبیلہ میں امن ہوگیا۔ حازران غائب ہونے سے پہلے اپنی ماں شاہینہ سے چھپ کر اجازت مانگتا رہا لیکن شاہینہ ڈرتی تھی۔ آخر بیٹے کی مجبوری پر اسے اجازت دینی پڑی اور حازران اپنی ماں کو بتا کر گیا تھا کہ وہ کس طرف جائیں گے اسی لئے کاشان اور شاہینہ قبیلہ سے نکل کر ان کے پاس پہنچ گئے۔ اور پھر کاشان نے ان دونوں کا نکاح خود پڑھایا اور آج پھر وہ دونوں اپنے پوتے کی وجہ سے اپنے قبیلہ میں آئے کھڑے تھے۔

ادھر قبیلہ سے ان کے جانے کے بعد ان نوجوانوں نے اعتراف کرلیا کہ انہوں نے حازران کے ساتھ بے ایمانی کی تھی کیونکہ وہ بھی قبیلے کی فضا کو دیکھ کر پریشان ہوگئے تھے اور وہ بھی قبیلہ میں کسی قسم کی خانہ جنگی نہیں چاہتے تھے۔

قبیلہ والے کاشان بابا اور ان کی بیوی کو دیکھ کر خوش ہوگئے اور ان کے گرد گھیرا ڈالنے لگے تاران دوڑ کر اپنے دادا دادی سے لپٹ گیا۔

"قبیلے کا میلہ جب شروع ہوگا [illegible] دیکھنے ضرور آئیں گے۔" بادشاہ نے ملکہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور پھر وہ لوگ قبیلہ والوں کو بتا کر وہاں سے نکل گئے۔

میلہ شروع ہوا میدان کے باہر ایک شامیانہ لگا تھا جس کے اندر مٹی سے جگہ اونچی اور ہموار کرکے چٹائی بچھائی گئی تھی اس نے شامیانے میں دائیں طرف بابا کاشان، درمیان میں سردار مروان اور ان کے بائیں تاران آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔

اس میلہ کی تقریب افتتاحی میں ہی تاران اور میمونہ کی منگنی کردی گئی تھی۔ کیونکہ تاران مروان کا رشتہ میں بھتیجا تھا۔ جس نے اس کے بعد اس قبیلے کا سردار بننا تھا۔

☠

بند مکان

محمد رضوان قیوم۔ راولپنڈی

بند مکان کا نہ جانے کیا راز تھا کہ اسے سالوں سال سے بند ہی رکھا گیا تھا اور پھر جب ایک بچے نے اس کا تالا توڑا تو ہر کوئی دنگ رہ گیا کیونکہ وہ بچہ اپنی جگہ سے غائب ہوچکا تھا اور اس کا پتا نہیں چلا کہ......

ایک نادیدہ قوت کی عجیب وغریب دیدہ دلیری جس نے لوگوں کو پریشان کردیا تھا

یہ واقعہ مجھے ایک بزرگ عورت نے سنایا تھا، [illegible]ت وہ بزرگ عورت مجھے شیخ بھابڑہ راولپنڈی میں ملی [illegible] ایک قریبی دوست کی دادی تھیں۔ انہوں نے [illegible] سناتے ہوئے کہا۔ "ہم 1935ء میں کلکتہ شہر میں [illegible] کے ایک ایسے مکان میں رہتے تھے۔ جس کی [illegible] کا جھگڑا دو ہندو بھائیوں کے درمیان چل رہا تھا۔ [illegible] سے بڑے بھائی کا نام منوج کمار اور چھوٹے بھائی کا سنتوش کمار تھا۔

دونوں بھائیوں کے باپ مکیش کمار نے ہماری فیملی کو وہ مکان پندرہ روپے کرائے پر دیا ہوا تھا۔ وہ تو فوت ہوگئے لیکن ان کے دونوں بیٹوں کے درمیان اس مکان کی ملکیت کا مقدمہ چل رہا تھا۔

اصل جھگڑا کیا تھا۔ اس کا تو مجھے صحیح معنوں میں معلوم نہیں۔ میں اس وقت کم عمر تھی مجھ میں زیادہ شعور نہ تھا۔

https://www.urdutubes.com/
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

اب یہاں جتلانا ضروری ہے کہ مکیش کمار نے میرے ابا کو صرف نیچے کا پورشن کرائے پر دیا ہوا تھا۔ اوپر کا حصہ جو کہ مدتوں سے خالی ویران پڑا ہوا تھا۔ وہ ہمیں نہ دیا گیا تھا حالانکہ ابا نے مکیش سے کہا تھا کہ اوپری منزل بھی ہمیں دو روپے بڑھا کر دے دے، یعنی کل سترہ روپے میں لیکن وہ نہ مانا۔ کبھی کبھی سردیوں میں دھوپ سینکنے کے لئے دل کرتا، کپڑے سکھانے کے لئے تو بہت پریشانی ہوتی۔ کئی مرتبہ ابا نے اس سے پوچھا کہ: "آخر کون سی ایسی بات ہے کہ آپ ہمیں یہ اوپری حصہ کرائے پر نہیں دیتے......؟"

تو وہ سختی سے کہتا کہ "اگر تم نے اس اوپری حصے کی طلب کی تو نیچے کا حصہ بھی خالی کرالوں گا۔

بہرحال ابا نے اس کی دھمکی کے ڈر سے کبھی پھر اوپر والے پورشن کا تقاضا نہیں کیا۔

میں غالباً اس وقت 9 سال کی تھی جبکہ میرا بھائی نذر اس وقت مجھ سے دو سال چھوٹا تھا۔ اس وقت اس کی عمر سات سال کے لگ بھگ تھی۔ وہ بہت شرارتی اور کسی کی بات نہ ماننے والا بچہ تھا۔ وہ ہر وہ کام کرتا تھا جس کے لئے اسے منع کیا جاتا تھا۔ وہ جب ابا، اماں کی بات نہ مان کر اور کچھ الٹا سیدھا کردیتا تو اس کی بہت پٹائی ہوتی تھی مار کھانے کے بعد وہ کچھ دنوں کے لئے سیدھا ہوجاتا لیکن بعد میں پھر اپنی عادتوں کے تحت ناپسندیدہ شرارتیں کرنے لگتا۔ ابا اس کی خوب کلاس لیتے، ڈانٹ ڈپٹ کرتے اور دو چار ہاتھ بھی لگادیتے اور کہتے "یہ اس کتے کی دم کی طرح ہے جسے سو سال بھی نلکی میں رکھو۔ لیکن باہر نکالو تو ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔

ابا نے ہم دونوں، بہن بھائی کو سختی سے منع کررکھا تھا کہ بھول کر بھی یا کسی بھی سخت ضرورت کے تحت بھی اس مکان کی اوپری منزل پر کبھی نہ جانا۔

بہرحال اوپری منزل کے مکان کے دروازے پر ایک زنگ آلود تالا بھی لگا ہوا تھا۔ ابا ریلوے کے محکمے میں انجن کے اسسٹنٹ ڈرائیور کی پوسٹ پر ملازم تھے۔ وہ کئی کئی دن اپنی ڈیوٹی کی وجہ سے شہر سے باہر رہا کرتے تھے۔ ہم گھر میں تین فرد تھے یعنی میں، میرا بھائی اور اماں۔ ہم اکیلے کبھی کبھار ڈر جاتے تھے اس کی وجہ بھی تھی بعض دفعہ اس مکان میں ہمیں رہتے ہوئے بڑے عجیب واقعات پیش آتے تھے۔

مثلاً رات کے دوسرے پہر کبھی محسوس ہوتا جیسے یہ مکان ہلکا ہلکا ہل رہا ہے۔ اس کی دیواریں لرز رہی ہیں۔ اور کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اوپری منزل پر کوئی بھاری بھرکم وجود چل رہا ہے۔ پھر تو ہم دونوں بہن بھائی اماں سے لپٹ جاتے تھے۔

مزے کی بات تو یہ ہے کہ جب ہم پڑوسیوں سے کہتے تھے کہ "رات کو کہیں زلزلہ تو نہیں آیا تھا یا آپ کو کسی کے چلنے کی آوازیں تو نہیں آتیں۔" تو وہ ہمارا مذاق اڑاتے تھے۔ پڑوسیوں اور محلے داروں کا یہ کہنا تھا کہ "جس طرح وقت گزر رہا ہے گزارے جاؤ، کیونکہ بڑھتی ہوئی مہنگائی کے پیش نظر اتنے کم روپے میں اور کوئی مکان نہیں ملے گا۔"

اس بات کو سوچتے ہوئے ابا کوئی اور مکان نہیں لیتے تھے اور پھر دوسری بات یہ تھی کہ پرانا محلہ تھا لوگوں سے اچھی جان پہچان تھی، محلے کے سارے لوگ مل جل کر رہا کرتے تھے۔

ایک بار ابا اپنی ڈیوٹی [illegible] ہوئے تھے اور انہوں نے حسب معمول ہم دونوں بہن [illegible] سختی سے تاکید کی کہ وہ "گھر کی بالائی منزل پر نہ جائیں اور غیر ضروری شرارتیں نہ کریں۔"

اس دن ہمارے پڑوس میں ایک ہندو لڑکی کی شادی تھی۔ انہوں نے ہم سب گھر والوں کو دعوت دی تھی۔ ہم سب گھر والے اس شادی میں شرکت کرنے گئے تھے۔ شادی کی ہنگامہ آرائی میں مصروف تھے کہ نہ جانے کس طرح نذر محلے کے چند بچوں کے ساتھ مکان کی اوپری منزل کی سیڑھیاں چڑھ گیا اور اس نے حرکت کی کہ دوستوں کی مدد سے چھت پر بنے کمرے کے دروازے پر پڑے برسوں پرانے تالے کو کسی نہ کسی طرح توڑ دیا۔

میں پڑوس میں اماں کے ساتھ بیٹھی دلہن سے باتیں کررہی تھی کہ محلے کا ایک بچہ فضل بھاگتا ہوا آیا اور اس نے نذر کی بات کرتے ہوئے اپنی زبان میں کہا۔

"باجی...... نذر...... نذر نے اوپری منزل پر کمرے کا تالا توڑ دیا ہے۔" اور یہ سنتے ہی اماں پر بدحواسی طاری ہوگئی، ان کی سٹی گم ہوگئی۔ "ہائے میں مرگئی۔" اماں چلائیں۔ "ذلیل نے یہ کیا کردیا۔" اماں اور میں گھبرا کر گھر پہنچے اور دیکھا تو وہاں واقعی اس نے اوپری منزل کے کمرے کا تالا توڑ دیا تھا۔ ہمیں دیکھ کر محلے کے بچے تو بھاگ گئے۔ لیکن نذر کمرے میں ڈر کے مارے چھپ گیا۔ اماں اور میں ڈرتے ڈرتے وہاں گئے تو دیکھا کہ اوپری منزل اور منزل پر بنے کمرے بالکل اسی طرح بنے تھے جس طرح نیچے منزل کے کمرے تھے۔

اوپر کا حصہ اگرچہ سالوں ہمارے آنے سے پہلے کا بند تھا۔ لیکن ہمیں یہ حیرت ہوئی کہ وہ حصہ صاف ستھرا تھا اور اس کے در و دیوار سے لگتا تھا کہ یہاں پر روزانہ صفائی ستھرائی ہوتی ہے۔ در و دیوار صفائی کی وجہ سے جیسے چمک رہے تھے۔ جیسے یہاں کوئی رہتا ہے۔ مجال ہے وہاں گرد و غبار کی جھلک بھی نظر آتی ہو۔ اسے دیکھ کر ہم اچنبھے میں پڑ گئے کیونکہ وہ ہمارے پورشن سے بھی زیادہ صاف ستھرا تھا۔ وہاں ہلکی ہلکی لوبان کی مہک اور عجیب سی [illegible]

اماں اور مجھے نذر کی فکر ہوگئی۔ "وہ کہاں گیا......؟"

ہم دونوں نے چیخ چیخ کر آوازیں دیں لیکن وہ نہ ملا۔ اماں کو اور مجھے فکر ہوئی کہاں چلا گیا......

بہرحال جب ہم نے بہت زور سے چلانا شروع کردیا تو وہ کمرے میں موجود الماری کے پیچھے سے بولا۔ "امی! میں یہاں ہوں۔ آپ وعدہ کریں مجھے ماریں گی نہیں تو میں باہر آتا ہوں۔"

"تو سامنے تو آ میں تجھے بتلاتی ہوں۔ آج تو میں تیری چٹنی بنادوں گی۔" اماں چلائیں۔

اور پھر نذر کی آواز آنا بند ہوگئی۔

"کہاں ہے......؟ بول......" میں نے پریشان ہوکر کہا۔ لیکن کوئی آواز نہ آئی۔

اماں اور مجھے فکر لاحق ہوئی۔ اماں نے گھبراہٹ کے عالم میں روتے ہوئے مجھ سے کہا۔ "بیٹی میں تجھے

ڈاکٹرز، حکیموں، ماہرین طب کی ہدایات پر لکھی گئی مفید کتاب

کولیسٹرول اور علاج

قیمت -/100 روپے

اس کتاب میں، کولیسٹرول کی حقیقت، کولیسٹرول اور ہماری خوراک، کن غذاؤں سے کولیسٹرول بڑھتا ہے، کولیسٹرول کس طرح کم کریں، مچھلی، میٹھی اشیاء، زیادہ نمک نہ کھائیں، کولیسٹرول اور دل کے امراض، دل میں درد، ہارٹ اٹیک کی ایک اہم وجہ، احتیاطی تدابیر، ہومیو پیتھی کی دوائیں، دل کے امراض کی وجوہات، موٹاپا، مچھلیوں میں کولیسٹرول کے فوائد، مچھلی اور دودھ، مناسب ماحول، کولیسٹرول کا ایلو پیتھی اور ہومیو پیتھی علاج، کولیسٹرول کا طبی علاج، چربی سے پرہیز کیجئے، کھانے پینے کی اشیاء سے کولیسٹرول کم کیجئے، اور بہت کچھ پڑھئے کولیسٹرول کے بارے میں کہ کس طرح کولیسٹرول سے محفوظ رہا جائے، اور کون کون سی ورزشوں سے کولیسٹرول کو کم کیا جاسکتا ہے۔

حکیم غلام مصطفےٰ

دعا بک کارنر نئی غلہ منڈی نمبر 5 اسٹیشن پور بازار فیصل آباد

https://www.urdutubes.com/

سہارا دیتی ہوں تو ذرا اوپر چڑھ کر الماری کے پیچھے اوپر سے جھانک کر دیکھ کہ وہ الماری کے پیچھے کیا کر رہا ہے۔"
اماں نے مجھے سہارا دے کر اوپر چڑھایا تو الماری کے پیچھے کوئی بھی نہ تھا۔

ہماری چھت سے لگی نیچے کومتی آنٹی کا گھر تھا۔ وہ بھی بہت نیچے یعنی 18 سے 20 فٹ نیچے۔ اس کا وہاں کودنا ناممکن تھا۔ میں نے اسے دیوانہ وار آوازیں دیں...... چلائی، لیکن وہ وہاں موجود نہ تھا۔ پھر میں نے اماں سے روتے ہوئے کہا۔ "اماں! نذر یہاں نہیں ہے۔"

"ارے کہاں گیا وہ......؟ ابھی تو اس کی میں نے اور تو نے آواز سنی تھی۔"

"ہاں سنی تو ضرور تھی لیکن اب وہ یہاں نہیں ہے۔"

تھوڑی دیر بعد پاس پڑوس اور محلے میں شور مچ گیا...... اماں کی چیخیں گونجنے لگیں۔ "ارے میرا نذر کہاں چلا گیا...... لوگو! آؤ میری مدد کرو، اسے تلاش کرو۔" لوگ اپنی اپنی چھتوں پر کھڑے ہوگئے لیکن ہماری چھت پر کوئی آنے کو تیار نہیں تھا۔ کومتی آنٹی بھی چھت پر آگئیں۔ اماں نے چیخ کر ان سے کہا۔ "بہن ذرا کسی کو بھیجو نذر کو تلاش کرے۔"

"ارے نہیں بہن! تمہارے گھر میں تو بدروحوں اور جنوں کا ڈیرہ ہے...... ہم نہیں آتے۔"

ارد گرد کے لوگ وہم کے شکار تھے اس لئے وہ ہماری چھت پر نہ آئے۔

"ارے دیکھ ذرا وہ پیچھے بازار کی جانب تو نہیں گر گیا۔" اماں چیختے ہوئے بولیں۔

"نہیں اماں! بازار میں نیچے سب کچھ معمول کے مطابق صحیح ہے۔"

"اچھا ایسا کر نیچے اتر ہم دونوں نیچے کمرے سے چارپائی لاتے ہیں اور پھر میں چڑھتی ہوں۔" میں اور اماں نیچے سے چارپائی اٹھا کر لے آئیں۔ اسے چھت کی جانب عمودی طور پر کھڑا کیا اس پر اماں چڑھنے لگیں۔ تو ایک سکھ نوجوان لڑکے کو کچھ شرم آئی وہ اپنی ماں کے ہزار منع کرنے کے باوجود ہمت کر کے ہمارے پاس آگیا۔

وہ قد کا بہت لمبا اور صحت مند تھا۔ اس نے پہلے اماں کو چارپائی کے ذریعے اچکا کر چڑھایا۔ پھر خود چڑھا اور اس کے پیچھے میں بھی ہولی۔ تینوں نے اچھی طرح نذر کو تلاش کیا۔ اس کی دیکھا دیکھی اور بھی پڑوسی چھت پر آگئے۔

لیکن سب بے کار رہا۔ نذر ہوتا تو ملتا۔

کچھ سمجھ نہ آیا کہ وہ تو کہاں گیا...... اس کا کوئی نام ونشان نہ ملا۔

میرا اور اماں کا رو رو کر برا حال ہوگیا تھا۔ اماں پر غشی طاری ہوگئی۔ ہمارے گھر میں لوگوں کا ہجوم لگ گیا۔ مسجد، مندر اور گردواروں سے اعلان کروایا گیا لیکن نذر کا کہیں پتہ نہ چل سکا۔

ابا کو کسی نے اس دلخراش واقعے کا فوری تار بھیجا تو وہ صبح کے وقت اپنے چند ہمدرد ساتھیوں کے ساتھ گھر پہنچے۔ انہوں نے آتے ہی پولیس میں رپورٹ درج کروائی۔ سچی بات ہے۔ پولیس والوں نے اپنے طور پر نذر کو بہت تلاش کیا۔ ارد گرد کے ماحول اور مکان کا بھرپور ہر زاویے سے جائزہ لیا لیکن کسی بھی صورت سے نذر کا پتہ نہ چل سکا کہ وہ کہاں گیا......؟

یہاں تک ہوا کہ اس وقت فوجی سونگھنے والے کتے بھی منگوائے گئے۔ انہوں نے نذر کی چپلیں، کپڑے سونگھے لیکن جب فوجی بالائی منزل پر انہیں لے کر گئے تو کتے مچل گئے انہوں نے اوپر جانے سے انکار کر دیا۔ فوجیوں نے انہیں گھسیٹ کر چھت پر لے جانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ کتے ٹس سے مس نہ ہوئے۔ وہ اس طرح سہم گئے جیسے انہوں نے کوئی خوفناک ڈراؤنی چیز دیکھ لی ہو۔

بوڑھی عورت نے روتے ہوئے کہا کہ "بیٹا! وہ وقت ہمارے خاندان پر بہت بھاری اور تکلیف والا اور اذیت ناک تھا۔ ایک طرف تو نذر گم ہوگیا تھا تو دوسرے ہزاروں منہ ہمیں ہزاروں رنگ برنگے مشورے، طعنے، باتیں سنانے لگے۔ کسی نے کہا کہ "تم نے تالا کیوں کھولا......؟ کسی نے کہا۔ "سارا قصور اماں کا ہے کہ انہوں نے نذر کیوں کہا کہ وہ نیچے اترے گا تو اس کی چٹنی بناؤں گی۔ اسے پہلے نیچے آنے دیتی۔

دونوں ہندو بھائیوں نے ابا کو بہت ذلیل کرنا شروع کر دیا کہ آپ کو ہمارے باپ نے اس شرط پر مکان کرائے پر دیا تھا کہ آپ اور آپ کی اولاد نے کسی صورت بالائی منزل کا تالا نہیں کھولنا۔ اب غلطی آپ کے پریوار کی ہے نہ صرف بھگتو بلکہ ہمارا گھر بھی خالی کر دو۔"

لامحالہ [illegible] بہت تیز تھے۔ انہوں نے غم زدہ اماں [illegible] نذر کا خیال نہیں رکھا اور پھر میری بھی [illegible] طرح گھر کا [illegible]۔

[illegible] انہوں نے ابا کو یہ کہہ کر شانت کر دیا کہ "وہ [illegible] چھوٹی تھا جسے ہر وقت ماں گود میں بٹھا کر [illegible]

[illegible] انہوں نے [illegible] کو بلایا گیا جو کہ آخری وقت نذر [illegible] سے نذر کی حرکات سکنات سے پتہ چلا [illegible] آخری وقت میں بالائی منزل کا دروازہ کھولنے [illegible] اور پھر [illegible] تالا توڑا تھا۔ وہ کہتا [illegible] کہ وہ اس اوپری منزل کو ضرور دیکھے گا۔

[illegible] ابا اماں نے سختی سے منع کیا تھا۔

[illegible] کہ جب اس نے بند مکان کا پرانا [illegible] کی آواز کے بجائے آرام سے [illegible] معمول میں کوئی دروازہ کھولا [illegible]

[illegible] سب سے بڑی حیرت انگیز بات یہ تھی جسے پہلے [illegible] کہ وہ اس منزل کے تمام کمرے اچھی [illegible] اور دھلے ہوئے تھے ساتھ ہی [illegible] معطر تھے۔ اس طرح جیسے یہاں کوئی رہتا ہے۔

حالانکہ وہ گھر وہ برسوں سے بند تھا۔

اور پھر بھائی نذر کو تلاش کرنے کی جب ساری [illegible] تو اماں نے چارپائی پکڑ لی "ارے میرا [illegible] کہاں چلا گیا، اپنی بوڑھی ماں کا تو خیال کیا ہوتا۔

اس طرح کے الفاظ ہر وقت پکارتی رہتی اور چھت کو گھورتی رہتی تھیں۔ وہ اکثر کہا کرتی تھیں۔ "بیٹا! نیچے آجا، میں تجھے کچھ نہ کہوں گی۔ آ میرے لال میں تجھے باداموں والا، پستے والا سوجی والا حلوہ بنا کر کھلاؤں گی۔" (جسے نذر بہت شوق سے کھاتا تھا)

اور پھر ایک دن اماں نے نذر کی یاد میں جان دے دی۔

اس مکان کی بالائی منزل ہمیشہ خالی رہی، وہاں کوئی کرایہ دار مفت میں بھی آنے کو تیار نہ تھا۔ ایک ہندو فیملی آئی بھی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد اس فیملی کے ایک نوجوان نے اس مکان کی چھت سے چھلانگ لگا کر بلاوجہ خودکشی کرلی۔

اور اس مکان کا پوشیدہ راز کسی کو معلوم نہ ہو سکا، وہ لوگ توبہ کر کے وہاں سے چلے گئے۔

پھر سنا تھا کہ بڑے بھائی منوج کمار نے عدالت کے ذریعے اس مکان کا مقدمہ جیت لیا تھا لیکن بعد میں [illegible] نے کیا سوجھی کہ مکان اپنے چھوٹے بھائی کے نام کر دیا۔

اور بقول اس بوڑھی عورت کے "بیٹا! میں اور میرا ابا 1947ء میں کلکتے کا وہ منحوس مکان جہاں میرے چھوٹے بھائی نذر کی پراسرار گمشدگی ہوئی اور وہاں میری اماں نے تڑپ تڑپ کر جان دی تھی اسے ہم اپنی دلخراش یادوں کے ساتھ چھوڑ آئے۔

اس کہانی سے وابستہ ایک واقعہ اس بوڑھی نے مجھے یہ سنایا۔

ایک بار میرے ابا کے خواب میں نذر آیا، وہ بظاہر بڑا خوش نظر آرہا تھا، وہ چند بڑے بدشکل کئی بوڑھوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا وہ بہت اطمینان بخش اور خوش تھا۔ اس نے کہا "ابا جی میری اماں اور باجی سے کہنا کہ میری فکر نہ کریں۔ میں یہاں مزے سے ہوں...... اور دونوں کا بہت خیال رکھنا۔"

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

پاگل خانے کے قیدی

شہزادہ چاندزیب عباسی

جہنم کے کنوئوں میں سے یہ بھی ایک کنواں ہے یہ کہتے ہوئے وہ شخص غضبناک لہجے میں کہتے ہوئے ایک شخص کو گھسیٹے ہوئے کنوئیں کی طرف لے جانے لگا مگر جہنم میں تو انسان مرنے کے بعد جاتا ہے اور میں تو زندہ ہوں…… لیکن……

دولت کی طاقت میں اندھا ہونے والوں کیلئے عبرت ناک واذیت ناک دل برداشتہ کہانی

سورج آگ برسا رہا تھا۔ اس سخت گرمی میں وہ پسینے میں شرابور انگاروں کی طرح دہکتی ریت پر پڑا حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات سے قریب کھڑے ایک قوی ہیکل خوفناک صورت شخص کو دیکھ رہا تھا۔ تپتی ہوئی ریت دہکتے انگاروں کی مانند اس کے جسم کو جھلسا رہی تھی۔ مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ کوشش کے باوجود خود میں اٹھنے کی ہمت نہ پا رہا تھا۔ مجھے اٹھاؤ یہاں سے وہ کرب اور اذیت کے مارے بے اختیار چلا اٹھا۔

”یہ ممکن نہیں تمہیں اب ہمیشہ جہنم کی آگ میں جلنا ہوگا۔ ادھر دیکھو۔“ قوی ہیکل شخص نے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے ایک طرف اشارہ کیا۔ اس نے جس طرف اشارہ کیا تھا۔ اس سمت دیکھتے ہی شیر دل خوف و دہشت سے لرز اٹھا۔

وہاں ایک کنوئیں کی منڈیر دکھائی دے رہی تھی جس سے آگ کی لپیٹیں نکل رہی تھیں۔

اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ اس آگ کی وجہ سے وہاں اس قدر گرمی اور حبس ہے۔ ”یہ سب لگ کیا ہے؟“ شیر دل نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

”یہ جہنم کے کنوؤں میں سے ایک کنواں ہے جس میں تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ یا یوں سمجھو کہ یہی اصل ٹھکانہ ہے۔“

اس شخص نے غضبناک لہجے میں کہتے ہوئے آگ کے اس کنوئیں کی طرف اسے لے جانے لگا۔ جہنم میں تو انسان مرنے کے بعد جاتا ہے میں تو زندہ ہوں۔ وہ ایک بار پھر چلایا۔

وہ شخص رک گیا۔ ”تم مر چکے ہو۔ اور اپنے برے اعمال کے باعث تمہیں جہنم میں بھیج دیا گیا ہے۔“

”مگر میں زندہ ہوں اسی لیے تو مجھے تکلیف کا احساس ہو رہا ہے جب کہ مرنے کے بعد درد اور تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔“

وہ شخص بولا۔ ”بے وقوف تم سے کس نے کہا کہ مرنے کے بعد اذیت نہیں ہوتی۔ درد اور تکلیف موت کے بعد بھی ہوتی ہے۔ تبھی تو انسان کو اپنے گناہوں کا پچھتاوہ ہوتا ہے مگر مرنے کے بعد پچھتاوہ بے سود ہے۔ اب تم بھی جہنم میں جاؤ۔“

وہ دوبارہ شیر دل کو گھسیٹ کر جہنم کے کنوئیں کی طرف لے جانے لگا۔

”رکو تو سہی میری بات تو سنو۔“ اس نے چیخ کر قوی ہیکل شخص سے کہا تو وہ ایک بار پھر رک گیا۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

"تم آخر ہو کون؟" شیر دل نے پوچھا۔

داروغہ جہنم اس شخص نے جواب دیا۔

"میری ایک بات مانو گے۔" اس بار شیر دل نے قدرے ہچکچاتے ہوئے استفسار کیا۔ کون سی بات؟

مجھے کچھ مہلت چاہیے میں واپس دنیا میں جا کر اپنے گناہوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔

مرنے کے بعد واپسی ناممکن ہے داروغہ جہنم نے ناگوار لہجے میں جواب دیا اور اسے دوبارہ گھسیٹتے ہوئے لے جانے لگا کہ اسی پل ایک خوبصورت آواز گونجی رکو۔

داروغہ جہنم نے رک کر آواز کی سمت دیکھا۔ ایک دبلا پتلا انتہائی کمزور مگر خوبصورت لڑکا ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

تم یہاں کیوں آئے ہو؟ داروغہ جہنم نے لڑکے سے پوچھا۔

"مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی تمہارے لیے پیغام بھی ہے۔ تم اسے ابھی جہنم کے کنویں میں نہیں ڈال سکتے۔" لڑکے نے اس کے قریب آ کر کہا تو داروغہ جہنم نے سرد آہ بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

تم کون ہو؟ شیر دل نے اپنے محسن سے پوچھا تو لڑکے نے اسے حسرت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"تم نے دنیا میں کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا۔ ہاں البتہ ایک ادنیٰ سی نیکی تھی۔ میں تمہاری وہی نیکی ہوں۔ یاد کرو اس روز جب تم نے عمران شاہ کے حکم پر اس بوڑھے کو زہریلا انجکشن لگایا تھا اور پھر اس کے مرنے پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے اس سے الجھ پڑے تھے، اس ایک نیکی کے علاوہ تم نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا۔ مگر یہی ادنیٰ سی نیکی تمہارے کام آ گئی۔ اللہ کسی کے اچھے اعمال کو ضائع نہیں کرتا اگرچہ وہ رائی کے دانے کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔" لڑکا بولا۔

مگر شیر دل اس وقت کہیں اور ہی کھویا ہوا تھا۔

گزرے ہوئے ماضی کے لمحے ایک عکس کی صورت میں اس کی نگاہوں کے سامنے گھومنے لگے۔

اس نے ہوش سنبھالا تو وہ اطفال گھر میں تھا۔ اس کا باپ کون تھا۔ اسے جنم دینے والی ماں کون تھی وہ نہیں جانتا تھا۔ اطفال گھر کے سخت ماحول سے گھبرا کر جب وہ وہاں سے بھاگا تو اس کی عمر محض گیارہ سال تھی۔ سڑکوں اور فٹ پاتھوں پر اس کا بسیرا ہونے لگا۔ سڑک اور فٹ پاتھ پر بسیرا کرنے والے کچے ذہن اکثر جرائم کی راہ چل نکلتے ہیں اس کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ چھوٹے موٹے جرائم کرتے ہوئے وہ سنی سے جا ملا۔ یہ چار افراد پر مشتمل گروہ تھا۔ جو اسلحے کے بل بوتے پر پوش علاقے میں واقع گھروں پر ڈاکے ڈالتے اور بینک ڈکیتی کی وارداتیں کرتے تھے۔ وہ اس گروہ میں شامل ہوا تو پہلی ہی واردات بینک ڈکیتی کی کی۔ وہ رقم لوٹ کر بینک سے نکل کر گاڑی میں سوار ہوئے۔

اگلے ہی چوراہے پر ان کا سامنا پولیس موبائل سے ہوا دونوں طرف سے گولیاں چلیں جہاں اس مقابلے میں دو پولیس اہلکار مارے گئے وہیں خود سنی گروپ کے کارندے بھی سنی سمیت ہلاک ہو گئے۔ اس فائرنگ میں وہ جان بچا کر بھاگ تو نکلا [illegible] پولیس اہلکار اس کے تعاقب میں [illegible] ایک گولی [illegible] مگر اس کے باوجود وہ رکا نہیں بھاگتا ہوا [illegible] سے ہوتا سڑک پر پہنچا تو خون زیادہ بہہ جانے سے نقاہت سی ہو رہی تھی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

بالآخر وہ بھاگتے بھاگتے گر کر بے ہوش ہو گیا۔

جب اسے ہوش آیا تو وہ بیڈ پر موجود تھا، سامنے ایک پینتیس چھتیس سالہ شخص کرسی پر بیٹھا اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اٹھنا چاہا تو اس شخص نے اشارے سے روک کر لیٹے رہو۔ ابھی زخم تازہ ہے۔ میں نے بینڈیج کر دی ہے۔ ویسے بھی گولی تمہارے بازو کے گوشت کو پھاڑتی ہوئی نکل گئی تھی اسی لیے تمہاری بچت ہو گئی۔ اور بے فکر رہو یہ جگہ پولیس کی دسترس سے باہر ہے، تم جس وقت سڑک پر گر کر بے ہوش ہوئے میں اپنی گاڑی پر وہاں سے گزر رہا تھا تمہیں گاڑی میں ڈالا اور یہاں لے آیا۔ میں یہ بھی جان چکا ہوں کہ تم پولیس مقابلے میں زخمی ہوئے ہو اور تمہاری فائرنگ سے دو پولیس اہلکار بھی مارے گئے ہیں، یہ چند لمحے پیشتر ٹی وی چینل بتا رہے تھے اور ساتھ ہی تمہاری فوٹیج بھی تھی۔ جو غالباً وہاں موجود سی سی ٹی وی کیمرے سے حاصل کی گئی تھی، اب تمہارے لیے باہر موت ہے بہتر یہی ہے کہ اب یہیں رہ کر میرے ساتھ بطور معاون کام کرو تمہیں پیسہ بھی ملے گا اور پولیس سے تحفظ بھی اور یہ صاف ستھرا اور [illegible] کام ہے۔

شہر سے دور اس مضافاتی علاقے میں دو ایکڑ کے احاطے میں واقع یہ عمارت شاہ جی نفسیاتی اسپتال کے نام سے جانی جاتی تھی۔ یہاں دماغی امراض کے شکار افراد علاج کے لیے لائے جاتے ہیں۔ اس وقت تو شیر دل کو حقیقت کا علم نہ ہوا۔ مگر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑی مصیبت میں پھنس چکا ہے۔ ڈاکٹر عمران شاہ ایک شاطر مجرم تھا [illegible] رشتے دار دولت [illegible] جاتے تھے۔ عمران شاہ کے تعاون سے پاگل ظاہر کر کے اسے نفسیاتی علاج گاہ میں [illegible] اور خود اس کی مال و دولت پر قابض ہو جاتے ڈاکٹر عمران شاہ اس کے عوض بھاری رقم وصول کرتا اور وہ ایسے لالچی افراد جو اس کے تعاون سے [illegible] کوئی کام کراتے تھے گفتگو کے دوران خفیہ کیمرے سے ریکارڈنگ کے بعد انہیں بلیک میل کر کے بھاری رقم بھی وصول کرتا تھا۔

اس روز شیر دل اپنے کمرے میں تھا کہ اس کے موبائل کی بیل بجی۔ اسکرین پر عمران شاہ کا نمبر دیکھ کر اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے کال ریسیو کی۔ "شیر دل فوراً میرے کمرے میں آؤ" دوسری طرف سے عمران شاہ نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

وہ عمران شاہ کے کمرے کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور بیش قیمت تھری پیس سوٹ میں ملبوس تیس سالہ نوجوان باہر نکلا اس نے سرسری نگاہ شیر دل پر ڈالی اور پھر آگے بڑھ گیا۔

عمران شاہ کنٹرول پینل کے سامنے کھڑا تھا۔ اس وقت اس کی نگاہیں کمرے کی دائیں جانب نصب اسکرینوں پر جمی ہوئی تھیں۔ جن پر عمارت کے اندرونی اور بیرونی حصوں کے مناظر بخوبی دکھائی دے رہے تھے۔

ایک اسکرین پر ہال نما کمرے کا منظر تھا جس میں تین افراد اچھل کود کر رہے تھے۔ جب کہ ایک ادھیڑ عمر شخص تالیاں پیٹ پیٹ کر اپنی بھونڈی آواز میں کوئی گانا گا رہا تھا۔

جب کہ دوسری اسکرین پر دو بوڑھے آمنے سامنے بیٹھے باتوں میں معروف تھے۔ شیر دل کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر عمران شاہ نے اسے اندر آنے کو کہا اور کنٹرول پینل کے بٹنوں سے چھیڑ چھاڑ کی تو ان بوڑھوں کی باتوں کی آوازیں آنے لگیں۔

ان میں سے ایک کہہ رہا تھا۔ صفدر مجھے تو لگتا ہے اس پاگل خانے سے ہماری مر کر ہی جان چھوٹے گی۔ دوسرا خوف زدہ لہجے میں بولا خاموش رہو اگر ہماری باتوں کی بھنک بھی ڈاکٹر عمران شاہ کو لگ گئی تو تم جانتے ہی ہو ہمارا کیا انجام ہوگا وہ شخص کسی جن بھوت سے کم نہیں۔ اس سے کوئی بات چھپی نہیں رہتی۔

ان کی گفتگو سن کر عمران شاہ مسکرایا۔ اور ایک طرف رکھی میز کی دراز سے سرنج نکال کر شیر دل کو دیتے ہوئے کہا۔ شیر دل صفدر نامی اس بوڑھے کو یہ انجکشن لگا دو شیر دل نے سرنج میں موجود سبز رنگ کے محلول کو دیکھا سر یہ کون سا انجکشن ہے تم سے جتنا کہا ہے اتنا کرو زیادہ سوال جواب کرنے کی ضرورت نہیں عمران شاہ نے تلخ لہجے میں کہا اور دوبارہ کنٹرول پینل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

شیر دل کمرے سے نکلا اور [illegible] سرے میں واقع کمرے کا لاک کھول کر اندر داخل ہوا [illegible] کمرے میں موجود دونوں بوڑھوں نے خوفزدہ [illegible] سے شیر دل کی طرف دیکھا، [illegible]

https://www.urdutubes.com/

انجکشن لگاتا ہے۔ نہیں میں انجکشن نہیں لگواؤں گا مجھے گھر جانا ہے اپنے بیٹے کے پاس دیکھو میں اصل میں پاگل نہیں ہوں۔ صفدر نامی بوڑھا منت بھرے لہجے میں بولا۔

شیر دل آگے بڑھا دیکھیں یہ ڈاکٹر عمران شاہ کا حکم ہے اور آپ اسے جانتے بھی ہیں۔ اس کے ان الفاظ کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ صفدر نے خود ہی اپنے دائیں بازو سے آستین اوپر کی اچھا لگا دو انجکشن۔

شیر دل انجکشن لگا کر دروازے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ صفدر کی چیخ سن کر رک گیا۔ وہ فرش پر گرا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر تڑپ رہا تھا اور کربناک انداز میں چیخے جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات درد اور اذیت سے بگڑتے جا رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا کہ وہ سخت درد اور اذیت میں ہے۔ پھر یونہی تڑپتے چلاتے اس پر تشنج کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ جب کہ دوسرا بوڑھا دیوار سے ٹیک لگائے اسے خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

اسے کیا ہوا شیر دل بڑبڑایا اور بوڑھے کی طرف بڑھا ہی تھا کہ کمرے میں نصب خفیہ اسپیکر سے عمران شاہ کی آواز ابھری اسے اس کے حال پر چھوڑ کر کمرہ لاک کرو اور میرے کمرے میں آجاؤ۔

وہ کمرہ لاک کرکے عمران شاہ کے کمرے میں داخل ہوا تو وہ کنٹرول پینل کے سامنے کھڑا اسکرین پر نظر آنے والا اس کمرے کا منظر دیکھ رہا تھا جس میں صفدر فرش پر ذبح کیے جانے والے جانور کی طرح تڑپ رہا تھا۔

شیر دل نے اسکرین سے نگاہیں پھیریں اور گھبرائے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

یہ کیسا انجکشن تھا اور اسے کیا ہوا؟ عمران شاہ نے اسکرین سے نگاہیں ہٹائے بنا سرسراتے لہجے میں جواب دیا۔ یہ انتہائی خطرناک زہر ہے۔ جس سے جسم کے جوڑ جوڑ میں ناقابل بیان اذیت ہوتی ہے اور انسان تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔

مگر کیوں اس بوڑھے نے تمہارا کیا بگاڑا تھا۔ اور پھر یہ ظلم میرے ہی ہاتھوں کیوں؟ شیر دل نے اشتعال کے عالم میں کہا اس کا جی تو چاہ رہا تھا کہ اس سفاک انسان کا گلا دبا دے مگر اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ۔

ڈاکٹر عمران شاہ سانپ سے زیادہ خطرناک تھا۔ اس کے ایک اشارے پر خود شیر دل جیل کی سلاخوں کے پیچھے پہنچ جاتا۔

صفدر کا تڑپتا جسم ساکت ہو چکا تھا۔ جب کہ اس کا ساتھی بوڑھا پھٹی پھٹی نگاہوں سے صفدر کی لاش کی طرف دیکھ رہا تھا۔ صفدر کی موت کے بعد گویا عمران شاہ کی اسکرین میں دلچسپی نہ رہی۔

وہ شیر دل کی طرف مڑا تم ظلم اور مظلوم کی بات کرتے ہو۔ تم خود جانتے ہو تمہارا ماضی کیا تھا۔ ماضی کے ناقابل تردید ثبوت میرے پاس محفوظ ہیں تم جب تک اس عمارت میں ہو محفوظ ہو۔ تمہارے باہر جاتے تمہیں پولیس دھر لے گی۔ اور رہا اس بوڑھے کو مارنے کا سوال تو اسے میں نے اپنی مرضی سے نہیں مارا۔

کچھ دیر پہلے جب تم اس کمرے میں داخل ہوئے تو راستے میں تم نے تھری پیس نوجوان کو مزید دیکھا ہوگا جو میرے ہی کمرے سے نکلا تھا۔ جانتے ہو وہ کون تھا۔ وہ صفدر کا اکلوتا بیٹا اسفندیار تھا۔ ... ایک ڈیل کے تحت باپ کو پاگل ظاہر کروا کر اس پاگل خانے تک پہنچایا پڑا دھکا کر میرے ذریعے باپ کی کروڑوں کی دولت جائیداد اپنے نام کروالی اور اب اس نے مجھے لاکھوں روپے صرف اس لیے دیے کہ میں اس کے باپ کا کام تمام کر دوں یہ دیکھ کر عمران شاہ نے کنٹرول پینل کا ایک بٹن دبا دیا۔

اب سامنے موجود اسکرین پر ڈاکٹر عمران شاہ اور اسفندیار نظر آ رہے تھے اسفندیار کہہ رہا تھا۔ ڈاکٹر اگر میں جوانی کے جذبات میں خوبصورت عورتوں اور شراب سے جی بہلاتا اور جوا کھیلتا ہوں تو کون سا جرم کرتا ہوں۔ میرے باپ نے مجھے نہ صرف ڈانٹا بلکہ گھر سے نکال دیا تھا۔ وہ تو مجھے عاق کرنے والے تھے کہ میری ملاقات آپ سے ہوگئی اس طرح میں نے آپ کے کہنے پر گیم کھیلی اور یہ بوڑھا نہ صرف پاگل خانے پہنچ گیا

بلکہ تمام دولت و جائیداد میرے نام ہوگئی۔ اب اس کا کھیل ختم اس نے میز پر رکھا بریف کیس کھولا جس میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں موجود تھیں۔

ڈاکٹر عمران شاہ نے اسکرین آف کردی دیکھا تم نے اس نے صرف دولت کے لیے اپنے سگے باپ کا خون کروا دیا۔ یہ سمجھتا ہے کھیل ختم مگر نہیں اب یہ ہر ماہ مجھے اس وڈیو کے بدلے ایک خطیر رقم بطور ہرجانہ ادا کرے گا۔

شیر دل عمران شاہ کے ہاتھوں کٹھ پتلی بن چکا تھا، وہ اس کے حکم پر نہ چاہتے ہوئے بھی بلا چوں چراں کرتا تھا اس کے بدلے اسے دنیا کا ہر عیش میسر تھا۔

کچھ روز بعد جب شیر دل اپنے روم میں تھا اس کے موبائل پر عمران شاہ کی کال آئی اس نے کال ریسیو کی عمران شاہ نے بنا کسی تمہید کے کہا۔

ابھی کچھ دیر میں علاج گاہ میں ایک کار آئے گی جسے روبی نامی لڑکی ڈرائیو کر رہی ہوگی۔ تم روبی کو اس کے گھر چھوڑ کر ڈرائیور کے یونیفارم میں ایئرپورٹ جاؤ گے ... روبی کی گاڑی میں ڈرائیور کی وردی میں ... سرفراز کو کسی قسم کا شک نہیں ہوگا۔ ایئرپورٹ سے نکلتے ہی ٹریفک سگنل پر تم گاڑی ... سگنل کے پاس طارق کھڑا ہوگا۔ ... گاڑی روکتے ہی وہ عقبی نشست پر بیٹھ جائے گا۔ ... سرفراز کو گن پوائنٹ پر شاہ جی نفسیاتی ... لے آؤ گے۔ عمران شاہ نے اسے ضروری ہدایات دے کر رابطہ منقطع کر دیا۔

دو گھنٹے بعد عمران شاہ کے دوسرے کارندے نے روبی کے آنے کی اطلاع دی۔ روبی کو اس کے گھر چھوڑ کر وہ ایئرپورٹ پہنچا تو فلائٹ آ چکی تھی۔ کچھ دیر بعد سرفراز گاڑی کے قریب آیا روبی کی گاڑی میں اجنبی شخص کو ڈرائیور کی وردی میں دیکھ کر اس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے پرانے ڈرائیور کے بارے میں استفسار کیا۔ تم کون ہو؟ اور اقبال انکل کہاں ہیں؟

شیر دل نے عمران شاہ کی ہدایت کے مطابق جواب دیا۔ سر ان کی وائف کی ڈیتھ ہوگئی تھی اس لیے گاؤں چلے گئے۔ میم صاحب نے ان کے کہنے پر ہی مجھے عارضی طور پر رکھا ہے۔

اس نے آگے بڑھ کر عقبی نشست کا دروازہ کھولا۔ سرفراز اثبات میں سر ہلاتا ہوا بیٹھ گیا۔ ایئرپورٹ سے نکل کر اس نے سگنل کے قریب گاڑی آہستہ کی اور طارق کی تلاش میں سگنل کی طرف دیکھا۔ تو وہ اسے نظر آ گیا۔ وہ سگنل کے قریب ہی کھڑا تھا۔ شیر دل کی خوش قسمتی کہ اسی وقت سگنل کی بتی سرخ ہوگئی اس نے گاڑی روکی ہی تھی کہ طارق پھرتی سے کار کے قریب آ گیا۔

سرفراز اس سب سے بے خبر اپنے سیل فون میں مصروف تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ سمجھتا۔ طارق برق رفتاری سے عقبی نشست پر سوار ہو کر اس کی کنپٹی سے پسٹل کی نال لگا چکا تھا۔ اسی لمحے بتی گرین ہوئی اور شیر دل نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ گاڑی کے شیشے بلیک تھے اور پھر یہ سب لمحوں میں ہوا تھا۔ اس لیے اسے فکر نہ تھی کہ کسی نے اغوا کی یہ واردات دیکھ لی ہوگی۔

تم لوگ کون ہو؟ اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ سرفراز نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

فی الحال تو اتنا ہی چاہتے ہیں کہ خاموش بیٹھے رہو۔ ورنہ تمہاری کھوپڑی میں چھید ہو جائے گا۔ طارق غرایا تو سرفراز نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔ مگر اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹی بج چکی تھی۔ اتنا تو وہ سمجھ ہی چکا تھا کہ وہ جرائم پیشہ افراد کے ہتھے چڑھ چکا ہے۔ جو نجانے اس کا کیا حشر کرتے۔

ویسے بھی شہر کے حالات ان دنوں خاصے خراب تھے۔ اغوا قتل غارت گری اور اسٹریٹ کرائم کی وارداتیں عام تھیں۔ ان جرائم پیشہ افراد کے لیے کسی بھی شخص کو مارنا عام سی بات تھی۔

گاڑی مضافات میں داخل ہوئی تو وہ دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ بے بسی کی موت مرنے سے

https://www.urdutubes.com/

بہتر ہے ان سے جان چھڑانے کی ایک کوشش ضرور کرے گا۔

تخت یا تختہ انجام چاہے کچھ بھی ہو۔ کچی اور ناہموار سڑک پر رات کے اس پہر اندھیرا تھا۔

ایک گڑھے پر گاڑی جب اچانک اچھلی تو اسی پل سرفراز نے انجام سے بے پرواہ ہوکر گاڑی چلاتے شیر دل کو عقب سے دبوچ لیا۔

اس وقت گاڑی اس پاگل خانے سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ اور پھر اندھیرے میں اس کچے اور ناہموار راستے پر خاصی رفتار میں تھی۔

اس لیے اس اچانک افتاد پر پر شیر دل گھبرا گیا۔ اسٹیئرنگ پر ہاتھ بہکا اور تیز رفتار گاڑی سڑک کنارے موجود ایک تناور درخت سے جاٹکرائی۔

ونڈ اسکرین تو ٹوٹ ہی چکی تھی اس ہولناک تصادم سے گاڑی کا اگلا حصہ اچھا خاصا پچک گیا۔ شیر دل کا سر پوری قوت سے اسٹیئرنگ سے جاٹکرایا۔

اس کے سینے اور جسم کے دیگر حصوں پر گہری چوٹیں لگی تھیں۔

درد کی اذیت ناک شدید کسیلی لہریں اس کے پورے وجود میں سرایت کرگئیں ذہن میں چھائی دھند نے اسے ہوش وحواس سے عاری کردیا۔

☆☆☆

ملک طاہر کی خواب گاہ سے لرزہ خیز چیخوں کی آوازیں سن کر ملک طاہر کا چھوٹا بھائی ملک شیرز اور اس کا بیٹا محسن دوڑتے ہوئے خواب گاہ کے دروازے پر پہنچے۔

جو اس وقت اندر سے لاک تھا۔ ملازم بھی اس اثنا میں پہنچ چکے تھے۔

کیا ہوا بھائی جان ملک شیراز دونوں ہاتھوں سے خوابگاہ کا دروازہ پیٹتے ہوئے چلایا۔ اندر سے ایک غرائی ہوئی نسوانی آواز ابھری۔

چلے جاؤ ورنہ تم بھی مارے جاؤ گے۔ لگتا ہے پاگل بختاور نے بھائی جان کو مار ڈالا ہے۔ ملک شیراز نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

جلدی کرو دروازہ توڑ ڈالو۔ دو ملازم کندھے کی ضربوں سے دروازہ توڑنے لگے۔

کافی مضبوط دروازہ تھا۔ ٹوٹنے میں بہت وقت لگا۔ دروازہ قبضوں سے اکھڑ کر گرا تو کمرے کا منظر دیکھ کر وہ سب خوف سے تھر تھرا گئے بیڈ پر ملک طاہر کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔

جب کہ خواب گاہ کے عین وسط میں خون آلود خنجر ہاتھوں میں لیے بختاور انہیں قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

بختاور کے لباس پر جگہ جگہ خون کے دھبے موجود تھے بے غیرت تم نے کیا کیا اپنے ہی باپ کو مار ڈالا۔

ملک شیراز نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے بختاور کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ اسی وقت بختاور خنجر لہراتے ہوئے ملک طاہر پر حملہ آور ہوگی۔

مگر قریب کھڑے دونوں ملازموں نے اسے قابو کرلیا۔ بختاور کافی بپھری ہوئی لگ رہی تھی۔

دونوں ملازموں کے لیے اسے سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ یہ دیکھ کر محسن بھی ان کی مدد کو لپکا۔ اور سب سے پہلے خنجر اس کے ہاتھوں سے چھین [illegible]

اسے باندھ دو ورنہ یہ پاگل لڑکی سب کو مار ڈالے گی ملک شیراز ہانپتے ہوئے بولا۔

ایک ملازم کہیں سے رسی ڈھونڈ لایا۔ بختاور کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے بے دست وپا کرکے ایک ڈال دیا گیا۔

مگر اس کے باوجود وہ خود کو آزاد کروانے کی جدوجہد کرتے ہوئے ہذیان بک رہی تھی اور ان سب کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دے رہی تھی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی جناتی قوت اس میں حلول کرگئی ہو۔ کمرے میں موجود تمام افراد اس وقت اس سے ڈر کے ایک طرف کھڑے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

خوبصورت خدوخال کی مالک حسین وجمیل دوشیزہ اس وقت کسی چڑیل سے کم نہیں دکھائی دے رہی تھی۔ صاحب پولیس کو اطلاع دیں یہ پولیس کیس ہے

ایک ملازم نے رائے دی تو ملک شیراز نے اسے گھور کر غصے سے دیکھا۔

تمہارا دماغ خراب ہے ہم اپنے گھر کی عزت کو کیسے جیل بھجواسکتے ہیں۔ پورے خاندان کی بدنامی ہوگی۔ محسن تم ڈاکٹر عمران شاہ کو کال کرو۔

محسن عمران شاہ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے کافی دیر سے کال ریسیو کی۔ ہیلو عمران شاہ اسپیکنگ نیند میں ڈوبی ہوئی جو رات کے اس پہر فون کیا دوسری طرف سے عمران شاہ کی خنودگی زدہ آواز ابھری۔

محسن نے کہا ڈاکٹر صاحب اس پاگل بختاور کو پھر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے اور اس نے انکل طاہر کو مار ڈالا ہے۔ وہ سخت بپھری ہوئی ہے ہم سب نے مشکل سے اسے باندھا ہے۔

محسن نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اسے تمام صورتحال سے آگاہ کیا او کے میں کچھ دیر میں پہنچتا ہوں۔

ڈاکٹر عمران شاہ نے جواب دیا۔ تقریباً گھنٹے بعد ڈاکٹر عمران شاہ [illegible] اندر داخل ہوا ابھی [illegible] اور بختاور پر نظر پڑتے ہی اس کے منہ سے بے اختیار نکلا او میرے خدا یہ سب کیسے ہوا؟ ہم سب اپنے کمروں میں سو رہے تھے کہ بھائی جان کی لرزہ خیز چیخوں سے جاگ گئے۔

دروازہ توڑا تو بھائی جان کو یہ پاگل قتل کرچکی تھی۔ لگتا ہے اس پر پاگل پن کا شدید دورہ پڑا ہے آپ خود دیکھیے۔

ملک شیراز نے روہانسی والے لہجے میں جواب دیتے ہوئے بختاور کی طرف اشارہ کیا۔ جواب تک چیختے ہوئے خود کو آزاد کرانے کی جدوجہد کررہی تھی۔

اسے قابو کریں میں انجیکشن لگاتا ہوں۔ پھر اسے اپنے اسپتال لے جاتا ہوں۔

عمران شاہ نے بیگ سے انجیکشن نکالتے ہوئے کہا اس کے ساتھ آئے دونوں افراد نے بختاور کو قابو کیا۔ انجیکشن کے لگتے ہی بختاور کی پلکیں بوجھل ہونے لگیں اور وہ ہوش وخرد سے محروم ہوگئی۔

☆☆☆

خضر دیوار سے ٹیک لگائے گہری سوچوں میں گم تھا کہ سسکیوں کی آواز ابھری۔ ایسا لگ رہا تھا کہ قریب ہی کہیں کوئی لڑکی رو رہی ہو۔ اتنی درد بھری آواز تھی کہ وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس میں صرف ایک بیڈ موجود تھا۔ بیڈ پر موجود میٹرلیس اس قدر میلا کچیلا تھا کہ تمام حالات میں شاید اس پر کوئی بیٹھنا ہی گوارہ نہ کرتا۔

مگر اسے پچھلے دو ماہ سے اسی بیڈ پر سونا پڑ رہا تھا۔ وہ بمشکل دو چار گھنٹے ہی رات کو سوتا اور پھر رات کے آخری پہر سے اسی طرح دیوار سے ٹیک لگائے جاگتا رہتا۔

آج رات کے آخری پہر اس لڑکی کی درد بھری سسکیاں اسے بے چین کررہی تھیں۔ اس نے غور کیا لڑکی کی آواز دائیں طرف سے آرہی تھی۔ یہاں آٹھ فٹ کی بلند دیوار تھی جب کہ چھت کے قریب چار فٹ جگہ خالی تھی اس کا اندازہ تھا کہ یہاں دیوار لگا کر ایک کمرے کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ جو یقیناً درست ہی تھا کہ لڑکی کے رونے کی آواز اس دیوار کی دوسری طرف سے آرہی تھی، اس نے دھیرے سے بیڈ کھسکا کر دیوار کے قریب کیا۔ اسکے باوجود اسے دوسری طرف جھانکنے کے لیے پاؤں کے پنجوں کے بل کھڑا ہونا پڑا۔

دوسری طرف بھی اسی قسم کا ایک بیڈ موجود تھا جس پر گھٹنوں میں سر دیئے لڑکی بیٹھی رو رہی تھی۔ اس نے لڑکی کو آہستگی سے پکارا کہ ڈر تھا کہ کہیں اس پاگل خانے کے عملے کا کوئی فرد اس کی آواز سن نہ لے۔ لڑکی نے چونک کر آواز کی سمت میں دیکھا۔

وہ بیس اکیس سالہ خوبصورت لڑکی تھی جس کی آنکھوں سے اشک موتی کی طرح بہہ رہے تھے پلیز رو موت رونے سے دکھ کم نہیں ہوتے۔ اور پھر سکھ دکھ ہمیشہ نہیں رہتے۔ آتے جاتے ہیں یہی تو زندگی ہے وہ

https://www.urdutubes.com/

رسان سے اسے سمجھانے لگا۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کے ہمدردانہ لہجے میں کہے گئے الفاظ کا خاطر خواہ اثر ہوا لڑکی کے بہتے آنسو رک گئے۔

تم کون ہو؟ لڑکی نے بھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

میرا نام خضر ہے۔ تمہاری طرح اس پاگل خانے کا قیدی ہوں۔

پاگل خانے کا قیدی کیا مطلب؟ لڑکی نے تحیرہ زدہ لہجے میں کہا۔

میرے خیال میں آج یہاں تمہاری پہلی رات ہے۔ خود آہستہ آہستہ اس بارے میں جان جاؤ گی۔ اور ہاں کوشش کرنا بات کرتے وقت تمہاری آواز بلند نہ ہو۔ لڑکی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے دیوار کے قریب آ گئی۔

اب بتاؤ تم پر کیا گزری۔ اس طرح نہ صرف تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہوگا بلکہ ہوسکتا ہے میں تمہیں کوئی بہتر مشورہ دے سکوں۔

لڑکی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولنا شروع کیا۔ ملک طاہر ٹیکسٹائل مل کے مالک تھے دولت روپے سے کی کوئی کمی نہ تھی۔ شہر کے پوش علاقے میں ہزار گز کے کوٹھی نما گھر میں اپنے چھوٹے بھائی ملک شیراز کے ساتھ اکٹھے رہتے تھے۔

بختاور ملک طاہر کی اکلوتی الواد تھی۔ جو کہ خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کی ذہین بھی تھی۔ پڑھی لکھی اور باشعور لڑکی سیلف ڈیفنس میں بھی مہارت رکھتی تھی کہ اور انکل طاہر چاہتے بھی یہ تھے کہ بیٹے کی کمی بختاور کی صورت میں دور ہو جائے۔

اور پھر وہ وقت اور حالات کا مقابلہ کر سکے۔

جب کہ ملک شیراز کا بیٹا محسن لا ابالی اور عیاش فطرت نوجوان تھا بڑی مشکل سے جیسے تیسے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ اور اپنے جیسے اوباش دوستوں کے ساتھ گل چھرے اڑانے لگا۔ جوئے اور شراب کی لت کے ساتھ ساتھ اس کا بازار حسن میں بھی آنا جانا تھا ایسی باتیں کہاں چھپتی ہیں۔

عزیز و اقارب نے شیراز صاحب کو بیٹے کے کرتوتوں سے آگاہ کرنا چاہا تو وہ ہنس پڑا۔

بچہ ہے۔ اس عمر میں سب ہی تو ایسا کرتے ہیں۔ اور پھر میرے پاس دولت و جائیداد کی کونسی کمی ہے۔ بختاور نے تعلیم مکمل کی تو ملک شیراز نے محسن کے لیے اس کا ہاتھ مانگ لیا۔ بڑے بھائی نے ٹال مٹول سے کام لینا چاہا مگر بختاور نے صاف انکار کر دیا۔ خود بختاور کی ماں شہلا نے بھی اس رشتے کی مخالفت کی ان کا خیال تھا کہ شیراز صاحب کی فیملی اس انکار سے ناراض ہو جائے گی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

شیراز صاحب اور ان کی بیگم بانو کے جواب نے انہیں مطمئن کر دیا کہ جوڑیاں آسمانوں پر بنتی ہیں۔ شاید قدرت کو ان کا ساتھ منظور نہیں اور پھر بختاور جب اس رشتے کے لیے راضی نہیں تو ناراضگی کس بات کی۔

اس روز جب بختاور اپنی ایک [illegible] کے گھر گئی ہوئی تھی۔ جب واپس ہوئی تو بانو بیگم اور شہلا لان میں بیٹھی چائے پینے کے ساتھ ساتھ گپ شپ میں مصروف تھیں۔

بختاور بھی ان [illegible]

آنٹی بختاور نے سلام کے بعد بانو بیگم کو مخاطب کیا۔

ٹھیک ہوں بیٹا اچھا شہلا میں ذرا اپنے روم میں جا رہی ہوں۔ نجانے آج کیوں تھکاوٹ سی ہو رہی ہے وہ چائے کے خالی کپ اٹھا کر چلی گئی۔ جب کہ وہ دونوں ماں بیٹی بھی اپنے کمرے میں آ گئیں۔

آپ اور بانو آنٹی میں بہت دوستی [illegible] سمجھی تھی کہ انکار پر وہ آپ سے ناراض ہوں گی۔ بختاور نے صوفے پر ماں کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا نہیں بیٹا وہ بڑے دل کی مالک ہیں۔

[illegible] میں اپنے کمرے میں بور ہو رہی تھی کہ بانو آ گئی اور کہنے لگی۔ آئیں لان میں چل کر باتیں کرتے ہیں اور ساتھ چائے بھی پیتے ہیں۔ شہلا مسکراتے ہوئے بولی۔

اچانک ہی شہلا نے دونوں ہاتھوں سے اپنا گلا [illegible] اور ابکائیاں لینے لگی۔ بختاور نے چلاتے ہوئے [illegible]

مم میں اتنا ہی کہا تھا کہ شہلا کو خون کی الٹی ہوئی [illegible] صوفے سے فرش پر گر کر تڑپنے لگی۔

ممّا وہ روتے چلاتے ہوئے ماں سے جا لپٹی۔ مگر شہلا کا تڑپتا ہوا جسم ساکت ہو چکا تھا۔ بختاور ماں کی ممتا سے محروم ہو چکی تھی ماں کی موت کے بعد تو جیسے [illegible] مصیبتوں اور پریشانیوں نے جیسے ان کے گھرانے کو [illegible]

[illegible] کی موت سے طاہر صاحب ٹوٹ [illegible] تھے ایک روز وہ [illegible] اور شدید زخمی [illegible] ٹوٹنے کے باعث [illegible] اس روز بختاور اپنے [illegible] بانو بیگم اس کے کمرے [illegible]

[illegible] شہلا بیگم کی موت کے بعد سے بختاور کا بہت [illegible] روزانہ رات سونے سے پہلے بعد [illegible] اسی وقت [illegible] انہوں نے [illegible] بختاور کے قریب بیٹھ گئیں۔ بیٹا جو قسمت [illegible] مجھے بھی شہلا بہن کی موت [illegible] کے مفلوج ہونے کا دکھ ہے۔ مگر وقت [illegible] حوصلہ رکھو اگر تم ہی حوصلہ ہار گئیں تو طاہر [illegible] خیال رکھے گا۔ میری بانو تو اب بھی وقت [illegible] شادی کے لیے حامی بھر لو وہ تمہیں دل سے [illegible] تمہارے انکل کا بیٹا ہے۔ [illegible] آخر اپنا ہو تو کام ہی آتا ہے۔ بختاور [illegible] جواب دیا۔ آنٹی میں نے پہلے بھی کہا تھا [illegible] منظور نہیں اچھا جیسی تمہاری مرضی اب تم [illegible] اور سو جاؤ بانو بیگم نے خود گلاس اٹھا کر اس کے [illegible] لگایا تو اسے مجبوراً دودھ پینا ہی پڑا پھر نجانے کیا [illegible] بختاور کو پاگل پن کے دورے پڑنے لگے۔

ایسے وقت میں وہ اپنے ہوش و حواس سے غافل ہو جاتی۔ اس کے علاج کے لیے سائیکو ڈاکٹر عمران شاہ کو بلایا گیا۔ اس کے علاج سے کچھ روز اس کی حالت بہتر رہی۔ تو طاہر صاحب سمیت سب مطمئن ہو گئے کچھ روز بعد رات سونے سے پہلے طاہر صاحب کے کمرے میں انہیں دوا دینے گئی ہی تھی کہ اسے دورہ پڑا اور وہ ہوش و حواس کھو بیٹھی۔

جب ہوش آیا تو وہ فرش پر بے دست و پا پڑی تھی جب کہ بیڈ پر طاہر صاحب کی خون میں لت پت لاش موجود تھی۔ شیراز صاحب سمیت سب یہی کہہ رہے تھے کہ اس نے پاگل پن کے دورے میں اپنے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ پھر ڈاکٹر عمران شاہ نے اسے انجکشن لگایا اور وہ بے ہوش ہو گئی جب ہوش آیا تو وہ شاہ جی نفسیاتی اسپتال کے ایک کمرے میں قید تھی میرا تو یہ سوچ کر ہی غم سے کلیجہ پھٹا جا رہا ہے کہ میں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے باپ کا خون کر ڈالا جی تو چاہتا ہے خودکشی کر لوں وہ ایک بار پھر رونے لگی۔

حوصلہ رکھو بختاور خودکشی کا سوچنا بھی مت خودکشی حرام ہے۔ خضر نے اسے ایک بار پھر سمجھایا وہ کچھ دیر باتیں کرتے رہے اسی وقت دروازے کے قریب سے قدموں کی چاپ سنائی دی کوئی اس طرف آ رہا ہے اب کل رات بات کریں گے وہ بیڈ سے نیچے اتر آیا۔

قدموں کی چاپ اس کے دروازے کے قریب آ کر رکی تھی پھر چند لمحے بعد وہ جو کوئی بھی تھا آگے بڑھ گیا۔ صبح خضر کو جوشاندے سے مشابہ چائے اور پاپے دیئے گئے۔ جب کہ دن اور رات کے کھانے میں معمول کے مطابق پتلی اور جلی ہوئی دو روٹیاں اور پانی کی طرح آلو اور شوربا تھا۔

رات کے وقت بختاور نے اسے آہستگی سے پکارا اس نے بیڈ دوبارہ دیوار کے قریب کھسکایا اس پر چڑھ کر دوسری طرف جھانکا۔ وہ درمیانی دیوار کے قریب ہی کھڑی تھی۔ اس پر نظر پڑتے ہی بختاور نے سلام کیا اور پوچھا آپ کب سے یہاں قید ہیں کیا یہاں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی۔

https://www.urdutubes.com/

اس کا جی چاہا کہ بختاور کی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسے مگر اس کی ناراضگی کا ڈر تھا۔ ویسے بھی وہ معصوم سی لڑکی اسے اپنی سی لگنے لگی تھی۔ یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

مجھے یہاں قید ہوئے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے۔ وسیع عریض احاطے میں واقع اس عمارت کی بلند وبالا دیواروں پر خاردار تاریں نصب ہیں جن میں ہر وقت کرنٹ موجود ہوتا ہے۔ یہاں اس عمارت میں داخل ہونے کا واحد راستہ ایک دروازہ ہے جس کی اندرونی سمت پرویز نام کا ایک مسلح اہلکار موجود ہوتا ہے۔ جب کہ عمارت کی اندرونی سمت چار دیگر مسلح افراد موجود رہتے ہیں۔

خفیہ کیمروں سے نگرانی اس قدر سخت ہے کہ اگر کسی کے دماغ میں ذرا سا بھی باغیانہ خیال آئے اسے زہر کا انجکشن لگا کر قتل کردیا جاتا ہے۔ یہ زہر اس قدر خطرناک ہے کہ مرنے والے کے جسم کے روئیں روئیں میں ناقابل بیان اذیت ہوتی ہے اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے جب کہ خود عمران شاہ یہ سب دیکھ کر لطف اندوز ہوتا ہے۔ بختاور نے خوف سے جھرجھری لی۔ مگر یہ سب کرکے ڈاکٹر عمران شاہ کو کیا ملتا ہے۔ وہ مسکرایا تم کیا سمجھتی ہو۔

تمہارے انکل شیراز اور عمران شاہ تمہارے ہمدرد ہیں جو انہوں نے ذہنی علاج کے لیے خصوصی طور پر عمران شاہ کو چنا۔ تم اپنی باتوں سے نہ تو پاگل لگتی ہو اور نہ ہی ذہنی مریض تم پڑھی لکھی باشعور لڑکی ہو۔

مجھے پورا یقین ہے۔ تمہیں ان لوگوں نے سازش کے تحت دواؤں کے زیراثر ذہنی مریض بنایا ہوگا تاکہ تمہیں یہاں قید کروا کر خود تمہاری دولت پر عیش کرسکیں۔ اس کے لیے تمہارے انکل نے ڈاکٹر عمران شاہ کو بھاری رقم دی ہوگی۔ بہرحال جو بھی سچ ہے جلد ہی تمہارے سامنے آجائے گا وہ بولتے بولتے کھوسا گیا۔

ماضی ایک عکس کی صورت اس کی نگاہوں کے سامنے لوٹ آیا تھا اٹھارہ سالہ خضر اور دس سالہ سرفراز تمام اس کے باہر سوگوار بیٹھے تھے کہ ICU میں ان کا باپ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا تھا، ICU کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر نے خضر کو قریب بلایا بیٹا تمہارے باپ کے پاس وقت بہت کم ہے اور وہ تم دونوں سے آخری بار ملنا چاہتے ہیں۔

دونوں ICU میں داخل ہوئے اور بیڈ پر لیٹے باپ کے قریب پہنچ کر رونے لگے۔ وقت آخر میں سجاد صاحب کا حوصلہ قابل دید تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے اپنا کپکپاتا ہاتھ خضر کے سر پر رکھا۔

خضر اب تم جوان ہو۔ تمہیں چھوٹے بھائی کا خیال رکھنا ہے۔ اگر تم ہی ہمت ہار بیٹھے تو سرفراز کا کیا ہوگا انہیں اس طرح بولتا دیکھ کر خضر کو امید کی کرن نظر آئی۔ ڈیڈی آپ کو کچھ نہیں ہوگا۔ یہ ڈاکٹر آپ کا علاج نہیں کرسکتے اس لیے مایوسی کی باتیں کررہے ہیں ہم آپ کو علاج کے لیے ملک سے باہر بھیجیں گے ایسا کہتے وقت وہ شاید نہیں جانتا تھا کہ شمع بھی بجھنے سے پہلے آخری بار تیزی سے بھڑکتی ہے۔ انہوں نے انکار میں سر ہلایا میں جانتا ہوں میرا وقت قریب ہے اور مجھے موت کی سرگوشیاں سنائی دے رہی ہیں۔

خضر تمہاری ماں [illegible] اس لیے دوسری شادی نہیں کی تھی کہ تم دونوں بھائیوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہوجائے۔ وعدہ کرو سرفراز کا بھائی کی طرح نہیں بلکہ باپ کی طرح خیال رکھو گے۔ خضر نے روتے ہوئے اقرار میں سر ہلایا۔

شاید وہ اس کے اقرار کے ہی منتظر تھے۔ آنکھیں موند لیں۔ خضر نے سوچا شاید سو گئے ہیں پکار کر ہلایا تو پتہ چلا اپنے سفر آخرت پر روانہ ہوچکے ہیں۔

گارمنٹس کی ایک چھوٹی سی فیکٹری ان کی ملکیت تھی، جو باپ کے بستر مرگ پر ہونے کے باعث خسارے میں تھی۔ فیکٹری پر قرضہ اس کی مالیت سے زائد تھا۔

خضر نے تعلیم کو خیرباد کہا اور کاروبار سنبھال لیا۔ کچھ اس کی انتھک محنت کا نتیجہ اور پھر قدرت بھی ساتھ دے رہی تھی وہ چھوٹی سی گارمنٹس فیکٹری سے خضر ٹیکسٹائل اور گارمنٹس تک جا پہنچا اندرون ملک اور بیرون

ممالک خضر گارمنٹس کی مصنوعات کی مانگ تھی۔

ان دنوں سرفراز اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں ملک سے باہر تھا۔ واپس لوٹا تو اکیلا نہیں تھا۔ ساتھ میں ایک خوبصورت اور خاصی تیز طرار لڑکی بھی تھی۔ خضر کے استفسار پر بتایا کہ اس نے شادی کرلی ہے روبی کا تعلق آزاد خیال گھرانے سے تھا۔ اور پھر اکلوتی اولاد تھی۔

انہوں نے بھی کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا۔ خضر بھی خاموش رہا کہ سرفراز اب بچہ نہیں رہا تھا۔ اور پھر اس نے سرفراز کو بھائی ہی نہیں اپنا بیٹا ہی سمجھا تھا۔ اسی کے مستقبل کی خاطر وہ دن رات محنت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ تیس سال کی عمر میں بھی وہ کنوارہ تھا۔ سرفراز چونکہ اب تعلیم سے فارغ ہوچکا تھا اس لیے آفس جوائن کرلیا اور پھر اس کا مقصد بڑے بھائی کا ہاتھ بٹانا بھی تھا انہی دنوں ایک بزنس ڈیل کے سلسلے میں سرفراز کو بیرون ملک جانا پڑا۔

اس کے دوسرے روز جب خضر آفس سے لوٹ رہا تھا ایک شاپنگ مال کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس نے روبی کو ایک اجنبی شخص [illegible] دیکھا [illegible] بے تکلفی سے ہاتھ ڈال رکھا تھا۔

یہ منظر دیکھ کر خضر کا خون کھول اٹھا۔ مگر اس وقت روبی سے بات کرنے سے خود اس کی بے عزتی ہوتی اور اچھا خاصا تماشا بن جاتا روبی جب گھر لوٹی تو [illegible] کمرے میں چلا گیا۔ روبی اسے خلاف توقع کمرے میں دیکھ کر چونکی۔ خیریت تو ہے خضر بھائی؟ خیریت ہی تو نہیں اس نے سرد لہجے میں جواب دیا۔ تمہیں اس شخص کے ساتھ شاپنگ مال میں دیکھ کر میرا خون کھول رہا ہے۔ تم ایک شادی شدہ عورت ہو۔ تمہیں زیب نہیں دیتا کہ شوہر کے اعتماد کا خون کرو۔ تمہارے لیے بہتر ہے کہ اپنے طور طریقے درست کرلو۔ ورنہ مجھے سرفراز سے بات کرنا پڑے گی اور یقین جانو کہ وہ میری بات ہرگز نہیں ٹالے گا کہ وہ بھائی کے ساتھ ساتھ میرے بیٹے کی طرح ہے۔

روبی نے شرمندگی سے نگاہیں جھکالیں۔ سوری خضر بھائی میں بھٹک گئی تھی۔ آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی اسی رات سرفراز کا فون آیا اس کا کہنا تھا کہ اس بزنس ڈیل کے سلسلے میں اسے ہوسکتا ہے تین چار ہفتے مزید ملک سے باہر رکنا پڑے۔ تیسرے یا چوتھے روز خضر جب صبح آفس کے لیے تیار ہوا تو اچانک اسے چکر آنے لگے۔

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا پھر اسے ہوش نہ رہا جب ہوش آیا تو وہ اسپتال میں تھا۔ پھر اکثر اس کے ساتھ ایسا ہونے لگا۔ کبھی کبھار تو وہ اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھتا اور دیوانوں کی سی حرکتیں کرنے لگتا۔ ایک روز ایسے ہی دورے کے دوران جب اس کو ہوش آیا تو وہ شاہ جی نفسیاتی اسپتال کے اس کمرے میں موجود تھا۔ اس کے سامنے وہی شخص کھڑا مسکرا رہا تھا۔

جسے وہ روبی کے ساتھ اس روز شاپنگ مال میں دیکھ چکا تھا۔ مسٹر خضر شاہ جی نفسیاتی اسپتال میں خوش آمدید۔ میں ہوں ڈاکٹر عمران شاہ روبی کا دوست، بہت کچھ اب تو تم سمجھ ہی گئے ہوگے اگر نہیں سمجھے تو سمجھ لو روبی کھانے پینے کی اشیا میں تمہیں ایسی ادویات ملا کر دیتی رہی کہ تم اعصابی طور پر کمزور ہوتے چلے گئے۔ گھر کے ملازمین اور علاقہ مکین بھی جان چکے ہیں کہ کبھی کبھار تمہیں پاگل پن کے دورے پڑتے ہیں اب روبی سرفراز کو بھی بتائے گی کہ ایسے ہی پاگل پن کے دورے میں تم گھر سے نکلے اور پھر نہیں لوٹے اور گھبراؤ مت بہت جلد سرفراز بھی یہاں تمہارے پاس ہوگا۔ تم دونوں بھائی یہاں مل جل کر رہنا۔ خضر کا جی چاہا کہ عمران شاہ کا گلا دبادے مگر اعصابی کمزوری کے باعث اس کا بیڈ سے اٹھنا ہی محال تھا۔ پھر اس نے حالات سے سمجھوتا کرلیا۔

بختاور دم بخود اس کی سرگزشت سن رہی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ انکل شیراز نے مجھے بھی ڈاکٹر عمران شاہ سے مل کر ادویات کے زیراثر نفسیاتی مریض بنادیا تھا مجھے موقع ملا تو عمران شاہ اور انکل شیراز کو ان کے کیے کی سزا ضرور دوں گی بختاور نے جذباتی لہجے میں کہا تو

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

خضر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اچانک خضر کو محسوس ہوا اس کے کمرے کے دروازے کے باہر کوئی آ کر رک گیا ہے۔

وہ جلدی سے بیڈ سے اترا دروازے کا لاک کھلنے کی آواز سنائی دی دروازہ کھلا اور ایک تنومند شخص رائفل تانے اندر داخل ہوا۔ چلو خضر تمہیں عمران شاہ نے بلایا ہے وہ اسے رائفل کی نال سے دھکیلتا ہوا بولا۔

عمران شاہ کے کمرے کے باہر رائفل تانے دلاور کھڑا تھا۔ لے آئے صاحب کو اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ تنومند شخص ہنسا اور اسے رائفل کی زد میں لیے ہال نما کمرے میں داخل ہوا۔ کمرے میں عمران شاہ اور رومی کنٹرول پینل کے سامنے کھڑے تھے۔ جب کہ ان سے کچھ فاصلے پر ظفر نامی شخص پسٹل تانے کھڑا تھا۔ اپنے ہفتوں کے وہاں قیام کے دوران خضر نہ صرف ان کا صورت شناس بلکہ ان کے ناموں سے بھی آگاہ ہو چکا تھا۔

رات کے پہر عمران شاہ اور اس کے مسلح کارندوں کی اس کمرے میں موجودگی اور اسے طلب کیا جانا اور رومی کا وہاں موجود ہونا خلاف معمول بات تھی۔ مگر وہ بلی کا تھیلے سے باہر آنے کا منتظر خاموش کھڑا رہا۔

عمران شاہ اور رومی اس وقت سامنے ایک اسکرین کی طرف متوجہ تھے۔ جس میں بختاور دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اس وقت دیوار سے ٹیک لگائے بے تاثر نگاہوں سے سامنے دیکھ رہی تھی۔ یہ یقیناً تمہارے بارے میں سوچ رہی ہے یہ میرا اندازہ ہے اور درست بھی ہو سکتا ہے آخر سائیکو ڈاکٹر جو ہوں۔

عمران شاہ نے اس کی طرف مڑ کر اچانک کہا تو وہ بوکھلا گیا میرے بارے میں کیوں سوچے گی۔ پچھلے دو روز سے جو تم دونوں ایک دوسرے کا دکھ بانٹ رہے ہو تو کیا مجھے خبر نہیں ہوگی۔

کہو تو تم دونوں کی ریکارڈ کی ہوئی گفتگو سنا دوں۔ عمران شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا تو جیسے اس کا سانس سینے میں اٹک گیا وہ خبیث نہ صرف ان کی گفتگو سن چکا تھا بلکہ ان کے ارادوں سے بھی آگاہ ہو چکا تھا۔ گھبراؤ مت ابھی تھوڑی دیر میں اسے بھی بلواتا ہوں۔

پہلے تم سے تو نمٹ لوں۔ خورشید اسے کرسی سے باندھ دو عمران شاہ نے تنومند شخص سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔

خورشید نے اسے مضبوطی سے کرسی سے باندھا۔ جب کہ دایاں ہاتھ کھلا رکھا۔ جس پر خود خضر بھی حیران تھا۔ پھر اس کی وجہ اسے سمجھ بھی آ گئی۔

عمران شاہ کے ہاتھ میں کچھ پیپرز نظر آ رہے تھے۔ خضر ان پیپرز پر سائن کر دو۔

کیسے پیپرز ہیں یہ خضر نے پوچھا ان پیپرز پر لکھا ہے کہ تم اپنی تمام پراپرٹی اور بزنس اپنی بھابھی رومی کے نام کر رہے ہو۔

عمران شاہ نے پیپر اس کے سامنے لہراتے ہوئے کہا اگر نہ سائن کروں تو؟ خضر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا وہ ہنسا تمہارے تو اچھے بھی سائن کریں گے۔

ابھی کچھ ہی دیر میں شیر دل اور طارق اسے لے کر یہاں آتے ہی ہوں گے شیر دل میرے حکم پر ڈرائیور کی وردی میں رومی کی کار پر سرفراز کو لینے ایئرپورٹ [illegible] رومی کی [illegible] اس لیے بنا کسی شک کے کار میں بیٹھے گا۔

اور شیر دل اسے اغوا کر کے یہاں لے آئے گا۔

عمران شاہ نے اپنی پلاننگ بتائی تو اس کا خون کھول اٹھا مگر وہ اس وقت بے بس تھا کہ مہیب گنوں کی نالوں کا رخ اس کی طرف تھا۔

عمران شاہ نے اپنی کلائی کی بیش قیمت گھڑی پر وقت دیکھا سوا دس ہو چکے ہیں وہ اب تک پہنچے نہیں اسی لمحے اس کے موبائل فون کی بیل بجی عمران شاہ نے اسکرین پر نمبر دیکھا اور طارق کا نام دیکھ کر کال ریسیو کی اور غصے سے پوچھا تم دونوں اب تک پہنچے کیوں نہیں۔

سر ہم نے پلان کے مطابق سرفراز کو اغوا کر لیا تھا۔ میں اس کے ساتھ عقبی نشست پر تھا جب کہ شیر دل گاڑی چلا رہا تھا۔ ہم اسپتال سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر تھے کہ اچانک سرفراز نے عقب سے شیر دل کو

[illegible] گاڑی کار شیر دل کے قابو سے باہر ہو کر سڑک کنارے [illegible] درخت سے جا ٹکرائی۔

گاڑی کا اگلا حصہ تقریباً پچک چکا ہے سر اور شیر دل تو مر چکا ہے۔ دوسری طرف سے طارق نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ گدھے ہو تم؟

عمران شاہ غصے سے چلایا سرفراز کہاں ہے؟ سر ہم دونوں عقبی نشست پر تھے اس لیے زیادہ چوٹیں نہیں آئیں وہ اس وقت بے ہوش ہے۔ او کے میں خورشید کو [illegible] رہا ہوں تم سرفراز کو لے کر اس کی [illegible] عمران شاہ نے ہدایات دیں۔ اور شیر [illegible] کیا کروں سر طارق نے اٹکتے اٹکتے [illegible] عمران شاہ کا پارہ چڑھ گیا گدھے بیوقوف مجھے [illegible] زندہ انسانوں کی ضرورت ہے۔

[illegible] گاڑی میں ہی رہنے دو اور خود سرفراز [illegible] رخ ہو جاؤ۔ رابطہ منقطع کر کے اس نے [illegible] کیا ہوا میرے بھائی کو خضر نے [illegible] سے پوچھا کچھ نہیں ابھی آتا ہی ہوگا خود دیکھ [illegible] عمران شاہ نے [illegible] لیے جا چکا تھا۔

[illegible] کے بعد عمران شاہ ظفر سے مخاطب [illegible] آگے ہاتھوں اس سے بھی نمٹ [illegible] شیراز کو دیتے ہیں ویسے بھی [illegible] کچھ دیر بعد بختاور بھی کمرے میں [illegible] دیکھ کر وہ چونکی مگر بولی [illegible]

عمران شاہ نے میز کی دراز سے چند مزید پیپر [illegible] مخاطب ہوا۔ بختاور تمہاری بہتری اسی [illegible] دولت و جائیداد ملک شیراز کے نام کر دو [illegible] غصے سے بولی میں جانتا تھا تم یہی کہو گی۔

وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ تم انکار کرو گی اور میں مان لوں گا۔ میرے لیے یہ کوئی مشکل [illegible] تم نے بانو بیگم کو رشتے کا انکار کر کے اچھا نہیں کیا تمہاری یہی ضد تمہاری ماں کی جان لینے کا سبب بنی۔ بانو بیگم نے چائے میں زہر دے کر تمہاری ماں کو مار ڈالا تمہارا باپ اتفاقاً سیڑھیوں سے نہیں گرا بانو بیگم نے محسن کے ذریعے کچھ دیر پہلے نہ نظر آنے والا محلول سیڑھیوں پر گرایا کہ جیسے ہی وہ سیڑھیوں سے اترنے لگا گر کر اپاہج ہو گیا۔

اس کے انکشاف دل دہلا دینے والے تھے۔ بختاور تو جیسے سکتے میں آ گئی تھی۔ وہ اپنی دھن میں بولتا جا رہا تھا پھر ملک شیراز مجھ سے ملا اور تمہیں کھانے پینے میں ایسی دوائیں دی جانے لگیں جن سے وقتی طور پر تم دماغی توازن کھو بیٹھتی تھی۔

پلان کے مطابق مجھے تمہارے علاج کے لیے بلایا گیا۔ کچھ دن کے لیے تم ٹھیک ہو گئیں۔ پھر وہ کہتے کہتے رکا اور میز کی دراز سے ایک انجکشن نکالا جس میں سرخ رنگ کا محلول تھا۔ یہ میری اپنی ایجاد ہے۔ جسے یہ انجکشن لگا دیا جائے۔ وہ ہوش و حواس کھو کر درندہ بن جاتا ہے۔ اور اپنے سامنے موجود ہر انسان کو جان سے مارنے کی کوشش کرتا ہے۔

خواہ وہ اس کا کوئی اپنا ہی کیوں نہ ہو۔ کیوں کہ اسے اپنے پرائے کی پہچان رہتی ہی نہیں انسان پر یہ دورہ کم از کم نصف گھنٹے رہتا ہے جس رات تمہارے باپ کا قتل ہوا تم میری دوا کے زیر اثر ہوش میں نہیں تھی یہ دوا بانو بیگم نے تمہیں دودھ میں ملا کر دی تھی۔

تمہیں ملک طاہر کے کمرے میں ڈال دیا گیا۔ تب میں نے تمہیں یہ سرخ محلول والا انجکشن لگا دیا دروازہ اندر سے لاک کیا اور کھڑکی کے راستے کمرے سے نکل گیا۔ تیز دھار خنجر تمہارے قریب میں رکھ دیا گیا تھا۔ انجکشن کا اثر ہوتے ہی تم نے باپ کا خون کر ڈالا۔

میں تمہارا خون پی جاؤں گی۔ وہ غصے سے بے قابو ہو کر عمران شاہ کی طرف لپکی ہی تھی کہ ظفر نے رائفل کی نال اس کی پیشانی سے لگا دی خاموش کھڑی رہو ورنہ؟ مار دو مجھے بھی وہ چلائی۔ مرنے کی اتنی بھی جلدی کیا ہے۔ بختاور مرنا تو تمہیں ہے ہی کیوں کہ میں شیراز سے تمہاری موت کی قیمت لے

https://www.urdutubes.com/

چکا ہوں۔ مگر تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ آسان اور عزت کی موت مرو۔

نہیں کبھی افسوس تم عورتیں واقعی بے وقوف ہوتی ہو۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو نہ صرف عزت سے محروم ہو جاؤ گی بلکہ اذیت ناک موت مرو گی۔ وہ شاید موت سے نہ ڈرتی مگر عزت بچانے کے لیے اس نے خاموشی سے پیپرز سائن کر دیئے عمران شاہ نے فاتحانہ نگاہوں سے پیپرز کا معائنہ کیا اور خضر سے مخاطب ہوا۔

اب سمجھ آیا یہ سب میرے لیے کتنا آسان ہے۔ اپنے بھائی کو آ لینے دو تم بھی مان جاؤ گے۔

کچھ ہی دیر میں خورشید اور طارق سرفراز کو لے کر آ چکے تھے۔ خورشید نے سرفراز کو کندھے سے اتار کر نیچے ڈال دیا کیا ہوا میرے بھائی خضر بے قراری سے چلا اٹھا اسی لمحے سرفراز نے کسمساتے ہوئے آنکھیں کھولیں اور اٹھ بیٹھا خضر اور رومی پر نظر پڑتے ہی فرط حیرت سے اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں بھائی تم اور رومی بھی ان کی قید میں ہو۔

صرف تم اور خضر؟ رومی تو میری جان حیات ہے جواب عمران شاہ نے دیا۔ کیا مطلب سرفراز نے حیرت سے پوچھا۔ خاموش کھڑے رہو یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ عمران شاہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

ہاں تو خضر کرتے ہو دستخط یا تمہارے بھائی کو انجکشن لگا کر اذیت ناک موت سے ہمکنار کر دوں۔ خضر نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور خاموشی سے پیپرز پر سائن کر دیئے۔ طارق ان دونوں کو بھی باندھ دو عمران شاہ نے بختاور اور سرفراز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اگلا حکم جاری کیا ان دونوں کو بھی کرسیوں سے باندھ دیا گیا جب کہ خضر کا آزاد ہاتھ بھی رسیوں سے جکڑ دیا گیا وہ سرنج لے کر بختاور کی طرف بڑھا۔ تم کیا کرنے لگے ہو۔ یہ خضر تھا۔ تمہاری محبوبہ کو اوپر پہنچانے جا رہا ہوں وہ ہنسا اور سرنج طارق کے ہاتھ میں تھما دی اسے انجکشن لگا دو طارق سرنج لے کر آگے بڑھا اور بختاور کی آستین اوپر کر کے سرنج لگانے کے لیے جھکا رک جاؤ خضر چیخا جب کہ بختاور نے کلمہ پڑھ کر آنکھیں بند کر لیں کہ وہ جانتی تھی کہ اب اسے اذیت ناک موت سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔

☆☆☆

وہ سوچوں میں کھویا ہوا ماضی کو یاد کر رہا تھا جب کہ داروغہ جہنم اس لڑکے سے کہہ رہا تھا۔ تم جانتے ہو یہاں آنے کے بعد دنیا میں واپسی ممکن نہیں۔ لڑکے نے سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دائیں ہاتھ کو جنبش دی اب وہاں بڑا سا گھڑیال دکھائی دینے لگا جس میں گیارہ بج رہے تھے۔ خود دیکھ لو ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے۔

لڑکے نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ٹھیک ہے گھنٹے بعد اسے پھر میرے پاس ہی آنا ہو گا داروغہ جہنم نے شیر دل کو غضبناک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا جب کہ خود شیر دل حیرت سے ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا اسی لمحے لڑکے نے اپنی دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شیر دل کی طرف اشارہ کیا تو اس کی نگاہوں کے سامنے دھند چھا گئی۔

کچھ ہی دیر میں دھند چھٹی تو وہ ڈرائیونگ سیٹ پر اوندھے منہ پڑا تھا۔ سر اور جسم کے دیگر حصوں میں لگنے والی چوٹوں میں شدید درد ہو رہا تھا۔ مگر حیرت انگیز طور پر یہ تکلیف اتنی شدید نہ تھی کہ برداشت سے باہر ہوتی۔

سیدھا ہو کر اٹھ بیٹھا سر اور ماتھے سے بہنے والا خون پورا چہرہ بھگو رہا تھا۔ شرٹ اتار کر اپنا چہرہ صاف کر کے شرٹ ایک طرف پھینکی اپنی سائیڈ کا دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ جام تھا۔ وہ کسی نہ کسی طرح کراہتا ہوا کھڑکی سے باہر نکلا۔ طارق اور سرفراز کا دور دور تک کہیں نام نشان نہ تھا۔ جب کہ حادثے کے وقت وہ دونوں گاڑی میں تھے اسے سب کچھ یاد تھا۔ وہ اور طارق سرفراز کو ایئرپورٹ سے اغوا کر کے لا رہے تھے۔ یہاں آ کر اسے عقب سے سرفراز نے دبوچا اور کار درخت سے

جا ٹکرائی۔ پھر اسے ہوش آیا تو وہ جہنم میں تھا۔

اسے داروغہ جہنم اور اس لڑکے کی گفتگو یاد آنے لگی کیا یہ خواب تھا یا حقیقت اس نے سوچا۔ مگر حقیقت تو ایسے کیسے ممکن ہے۔ کیا کبھی کوئی مر کر بھی دنیا میں واپس لوٹا ہے۔ اس نے خود ہی اپنے خیال کی نفی کی۔ اور اپنے جسم پر ہاتھ پھیرا پورا جسم لہولہان ہو رہا تھا۔ پینٹ کی جیب میں موبائل فون موجود تھا۔ اس نے موبائل فون نکالا۔ جو اس حادثے کے بعد بھی ٹھیک کام کر رہا تھا۔ [illegible] ہی وہ ششدر رہ گیا۔

رات کے گیارہ بج کر ایک منٹ ہوا تھا۔ اسے یاد تھا اس لڑکے نے جب ہاتھ کے اشارے سے فضا میں گھڑی دکھائی تھی تو اس میں گیارہ بج رہے تھے کیا واقعی وہ خواب نہیں حقیقت تھا اگر حقیقت تھی تو ٹھیک ایک گھنٹے بعد اسے واپس جہنم میں جانا ہو گا۔

یہ تصور ہی اس کے لیے ہولناک تھا۔ شاہ جی نفسیاتی اسپتال جائے حادثہ سے زیادہ دور نہ تھا۔ تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے وہ پندرہ بیس منٹ میں نفسیاتی اسپتال [illegible] پر دستک دی۔ اسے معلوم تھا کہ دلاور گیٹ کے قریب موجود کمرے میں ہر وقت موجود رہتا ہے شاید وہ سو رہا تھا۔

اس بار نہ صرف اس نے زور سے دروازہ بجایا بلکہ [illegible] دلاور کی غصیلی آواز سنائی دی کون ہے؟ [illegible] شیر دل دروازہ کھولو۔ اس نے قدرے بلند آواز میں جواب دیا۔ ایک دم دروازہ کھلا دلاور حیرت زدہ سا کھڑا اپنے سامنے موجود شیر دل کو دیکھ رہا تھا۔ طارق نے تو بتایا تھا کہ تم ایکسیڈنٹ میں مارے گئے ہو۔ اس نے سرسراتے لہجے میں کہا۔ اس نے حادثے کے بعد یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کی کہ میری کچھ سانسیں باقی بھی ہیں یا نہیں اور پھر عمران شاہ نے بھی شاید اسے میری لاش اٹھانے سے منع کیا ہوگا۔ میں نے کیا کچھ نہیں کیا عمران شاہ کے لیے وہ تلخ لہجے میں کہتے ہوئے اندر داخل ہوا۔

دلاور نے دوستانہ انداز میں اس کے شانے پر ہاتھ رکھا جو ہوا اسے بھول جاؤ۔ پہلے گیٹ کے قریب موجود نلکے سے اپنا سر اور منہ دھو لو کہ لہو لتھڑے ہوئے ہو۔ اس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے نلکے کے نیچے سر جھکا کر اپنا لہو میں بھیگا سر اور چہرہ اچھی طرح دھویا۔ ٹھنڈے پانی سے زخموں میں ٹھنڈک پڑی تو درد میں قدرے کمی ہوئی۔ اب وہ دلاور کی طرف متوجہ ہوا سرفراز نامی وہ شخص کہاں ہے؟ جسے طارق اور میں نے اغوا کیا تھا۔

دلاور قہقہہ مار کر ہنسا۔ تم تو جانتے ہی ہو عمران شاہ کو وہ عمران شاہ کی محبوبہ رومی کا شوہر ہے۔ اس کا بھائی بھی عمران شاہ کی قید میں ہے خضر تم جانتے ہی ہو گے دو دن پہلے نئی لڑکی بھی آئی تھی۔ ان سے کاغذات سائن کروا لیے ہیں۔ اب عمران شاہ کچھ ہی دیر میں ان تینوں کو زہر کا انجکشن لگا دے گا۔

شیر دل کے دماغ میں گویا آندھیاں سی چلنے لگیں۔ گویا اس کی وجہ سے سرفراز کی جان بھی خطرے میں تھی۔ سرفراز کو عمران شاہ کے کہنے پر اغوا کرنے والا وہی تھا۔ اگر سرفراز کی جان جاتی تو اس کے خون کا گناہ بھی اس کے سر ہوتا دلاور بے پروائی سے سر جھٹک کر اپنی کرسی کی طرف بڑھا ہی تھا کہ شیر دل نے اپنا دایاں ہاتھ بلند کیا اور کلہاڑے کی طرح آڑے ہاتھ کی ہتھیلی کا بھرپور وار اس کی گردن پر کیا۔

کرسی پر رکھی دلاور کی رائفل کی طرف اس نے ہاتھ بڑھایا۔ پھر اسے وہیں رہنے اور اندرونی عمارت کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اسے پرویز دکھائی دیا۔ وہ ہاتھوں میں رائفل لیے کوریڈور میں کھڑا تھا۔ شیر دل اس پر نظر پڑتے ہی بروقت ستون کی آڑ میں ہو گیا تھا اس لیے اس کی نگاہوں میں آنے سے بچ گیا۔ پرویز نے ادھر ادھر دیکھا اور واپسی کے لیے مڑا ہی تھا کہ شیر دل بلی کی سی چال چلتا ہوا اس کے عقب میں پہنچا ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھا اسے دبوچتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ میں موجود خنجر پرویز کی شہ رگ پر پھیر دیا۔ اور اس وقت

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

تک اسے دبوچے رکھا جب تک اس کے جسم میں جان تھی پھر اس کا بے جان لاشہ ایک طرف ڈال کر کوریڈور میں داخل ہوا۔

اسی وقت ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور خورشید باہر نکلا اور سامنے سے آتے شیر دل کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا۔ شیر دل تم؟

آگے بڑھتے ہوئے اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ شیر دل نے ہاتھ میں موجود خنجر برق سرعت سے اس کی طرف پھینکا خنجر خورشید کے سینے میں عین دل کے مقام میں پیوست ہوا اور وہ بنا کوئی آواز نکالے زمین بوس ہوگیا۔

شیر دل نے آگے بڑھ کر اوندھے منہ پڑے خورشید کے مردہ وجود کو سیدھا کیا۔ خنجر اس کے سینے سے نکال کر ہاتھ میں لیا اور آگے بڑھ کر پاؤں کی زوردار ٹھوکر دروازے پر رسید کی۔ دروازے کے کھلتے ہی اس کی نگاہ سامنے کی دیوار پر نصب کلاک پر پڑی جس پر گیارہ پینتالیس 11-45 کا وقت ہو رہا تھا۔ ظفر ایک طرف رائفل لیے کھڑا تھا جب کہ اس سے کچھ فاصلے پر عمران شاہ اور رومی کھڑے تھے۔

جب کہ سرفراز، خضر اور بختاور کرسیوں سے بندھے ہوئے تھے اور طارق بختاور کو انجکشن لگانے ہی والا تھا۔ اس پر نظر پڑتے ہی عمران شاہ تحیر زدہ لہجے میں بولا تم زندہ ہو۔

شیر دل نے ہاتھ میں موجود خنجر طارق کی طرف پھینکا۔ جو طارق کے گلے میں دستے تک پیوست ہوگیا۔ طارق کا بے جان جسم بختاور کے قدموں میں گرا۔ یہ کیا کیا تم نے عمران شاہ چلایا۔ عمران شاہ میرے پاس صرف پندرہ منٹ ہیں اب صرف تم اور ظفر ہی بچے ہو۔ شیر دل نے کہا اور آگے بڑھا ہی تھا کہ ظفر نے گولی چلادی۔ گولی شیر دل کے دائیں پہلو میں لگی۔

وہ کربناک انداز میں چیختا ہوا گرا۔ عمران شاہ نے آگے بڑھ کر اس کے دائیں پہلو میں لات رسید کی بڑا آیا عمران شاہ کو جہنم رسید کرنے والا اب تم خود جہنم میں جاؤ۔

شیر دل نے بولنا چاہا مگر بولنے کی سکت نہ ہوئی ذہن پر چھائی دھند کے زیر اثر وہ ہوش وخرد سے محروم ہوگیا۔ چلو اب اپنے ٹھکانے کی طرف ہولناک کرخت آواز سنتے ہی اس کے حواس بحال ہوگئے۔ وہ داروغہ جہنم کے قدموں میں پڑا تھا۔ جو اسے ٹانگ سے پکڑ کر کھینچتا ہوا جہنم کے دہکتے کنویں کی طرف لے جارہا تھا۔

ابھی بارہ نہیں بجے۔ وہ چلایا مگر داروغہ جہنم پر اس کی چیخ و پکار کا اثر نہ ہوا۔

وہ اسے گھسیٹتے ہوئے بدستور کنویں کی طرف لے جارہا تھا۔ تبھی آواز گونجی رک جاؤ داروغہ جہنم کے بڑھتے قدم رک گئے اس نے پلٹ کر دیکھا یہ وہی خوبصورت لڑکا تھا۔ جو اس بار پہلے سے زیادہ صحت مند دکھائی دے رہا تھا۔

اب کیا ہے داروغہ جہنم نے سرد لہجے میں پوچھا۔

ابھی بارہ بجنے میں پندرہ منٹ رہتے ہیں اسے واپس جانے دو لڑکے کی آواز ابھری۔ ادھر عمران شاہ نے جھک کر شیر دل کی نبض دیکھی جو [illegible]

اطمینان ہوجانے پر وہ ظفر کی طرف مڑا اس لڑکی کو انجکشن لگادو ظفر نے رائفل ایک طرف رکھی۔ طارق کی لاش کے قریب پڑی سرنج اٹھائی اور بختاور پر جھکا ہی تھا کہ شیر دل کے جسم میں تحریک ہوئی۔

عمران شاہ ظفر کی طرف متوجہ تھا۔ قریب ہی ظفر کی رائفل رکھی تھی اس نے برق سرعت سے رائفل اٹھائی اور بیٹھے بیٹھے ہی گولی چلادی جو ظفر کی پشت میں لگی۔ وہ دلدوز انداز میں چیخا اور گر کر تڑپنے لگا۔

عمران شاہ اپنے سامنے رائفل تانے کھڑے شیر دل کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ تم تم بھوت تو نہیں جو مرتے نہیں وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا شیر دل نے آگے بڑھ کر رائفل کا بٹ اس کے منہ پر رسید کیا وہ چیختا ہوا پیچھے گرا۔ ان تینوں کو کھولو جلدی شیر دل نے رائفل تان کر تحکمانہ لہجے میں کہا۔

رائفل کا بٹ منہ پر لگنے سے عمران شاہ کے سامنے کے دانت ٹوٹ چکے تھے۔ اور پھر اس کے تمام ساتھی بھی مارے جاچکے تھے اس لیے اس کا حوصلہ پست ہوچکا تھا۔ اس نے منہ میں آیا خون ایک طرف تھوکا اور خاموشی سے شیر دل کے حکم کی تعمیل کی خضر حیرت سے اپنے محسن کی طرف دیکھ رہا تھا۔

جس کے سینے سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا اور وہ اس کے باوجود اطمینان سے رائفل تانے کھڑا تھا۔ یہ وہی شیر دل تھا۔ جس نے اسے ایئرپورٹ سے اغوا کیا تھا اسے حیرت اس بات پر تھی کہ یکدم ایسی کیا کایا پلٹی کہ شیر دل اچانک اس کا ہمدرد بن گیا۔ شکریہ میرے دوست اگر تم بروقت نہ آتے تو ہم سب اذیت ناک موت سے ہمکنار ہوجاتے اس نے خلوص دل سے شیر دل کا شکریہ ادا کیا یہ وقت ان باتوں کا نہیں ویسے بھی میرے پاس وقت بہت کم ہے۔

عمران شاہ اور اس کی داشتہ کو اپنی جگہ کرسیوں پر [illegible] جان بچانے کی آخری کوشش کی شیر دل یہ کیا ہے تم ہمارے ساتھی ہو۔ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے تو اس کی معافی مانگتا ہوں۔

میرے پاس بہت دولت ہے ہم آپس میں بانٹ لیں گے۔ وہ خود کو بے بس دیکھ کر سودے بازی کرتے ہوئے اسے سبز باغ دکھا رہا تھا۔ عمران شاہ کیا تمہاری دولت مجھے جہنم کی آگ سے بچا پائے گی۔ میری آنکھیں کھل چکی ہیں ہم سب نفس کے غلام ہیں جن کے نزدیک دولت کے علاوہ کسی چیز کی اہمیت نہیں۔ ایک فرشتے نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔

عمران شاہ کے پلے اس کی باتیں نہیں پڑیں وہ حیرت زدہ سا پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے ایسے دیکھ رہا تھا کہ جیسے شیر دل کے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ شیر دل نے دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالی گیارہ بج کر پچاس 11-50 منٹ تھے۔ اب جلدی سے کرسی پر بیٹھ جاؤ ورنہ میں گولی چلادوں گا۔

ویسے بھی میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ عمران شاہ اور رومی کے بیٹھتے ہی شیر دل کے اشارے پر خضر نے عمران شاہ کو رسی سے کرسی پر باندھا جب کہ سرفراز نے رومی کو دوسری کرسی پر باندھ دیا۔

شیر دل نے رائفل ایک طرف رکھی اور نیچے پڑی سبز رنگ کے محلول والی سرنج اٹھالی۔ یہ کیا کر رہے ہو عمران شاہ چلایا۔ تم بھی زہریلا انجکشن لگا کر مرنے والے کی اذیت سے لطف اندوز ہوتے تھے نا۔ اب دیکھو خود تمہیں کتنی اذیت ہوتی ہے۔ مگر گھبراؤ مت یہ مکار عورت بھی تمہارے جرم کی برابر کی شریک ہے اس لیے سزا تم دونوں کو برابر ملے گی۔

وہ سفاک لہجے میں کہتے ہوئے عمران شاہ کی طرف بڑھا جب کہ عمران شاہ اور رومی ڈر اور خوف سے چلانے لگے۔ اس نے عمران شاہ کے دائیں بازو میں سرنج اتاری۔ اور نصف محلول اس کی رگوں میں اتار کر رومی کی طرف بڑھا اور اس کے چیخنے چلانے کی پرواہ کیے بغیر بقایا آدھا انجکشن اسے لگادیا وہ دونوں کربناک انداز میں چیخنے چلانے اور تڑپنے لگے۔

شیر دل ان دونوں کو تڑپتا دیکھ کر مسکرایا۔ زیادہ خون بہنے سے اس کے ذہن پر دھندسی چھانے لگی تھی۔ کمزوری اور نقاہت سے جسم کپکپانے لگا وہ دیوار سے سہارا لے کر بیٹھ گیا اور دیوار گیر گھڑی کی طرف نگاہ ڈال 12 بجنے میں صرف 30 سیکنڈ باقی تھے اسی وقت ایک مانوس سی خوبصورت آواز سماعت میں گونجی۔ میں تمہیں لینے آیا ہوں۔

یہ وہی نوجوان تھا۔ جس نے داروغہ جہنم سے بچانے میں اس کی مدد کی تھی اس نے بولنا چاہا مگر لبوں نے ساتھ نہ دیا۔ نوجوان کہہ رہا تھا۔ ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ تمہارا اب وقت پورا ہوچکا۔ مگر تم خوش قسمت ہو کہ مرنے سے پہلے ان بے گناہ انسانوں کی جان بچا کر خود کو جہنم کی آگ سے بچالیا اچھا انسان

وہی ہے جو ہمیشہ دوسروں کے کام آئے اس کے ساتھ ہی شیردل کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

انہوں نے دیکھا مرتے وقت شیردل کے لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ تھی۔ خضر اور سرفراز نے پاگل خانے کے درجنوں قیدیوں کو رہا کردیا مگر کسی کو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ اتنی آسانی سے عمران شاہ سے ان کی جان چھوٹ گئی ہے۔

خضر نے شیردل کے موبائل فون سے پولیس ہیلپ لائن پر کال کرکے مختصر الفاظ میں صورتحال بتاتے ہوئے وہاں کی لوکیشن بتادی۔ اور دوسری طرف سے مدد کی یقین دہانی ہونے کے بعد رابطہ منقطع کردیا۔ دوستو پولیس جلد آنے والی ہے پھر سب کو محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے گا۔

وہ احاطے میں کھڑے پاگل خانے کے قیدیوں سے کہہ رہا تھا اس دوران اس نے دیکھا۔ بختاور وہاں نہیں تھی۔

اس نے بختاور کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی تبھی وہ اسے کوریڈور سے نکلتی دکھائی دی۔ اس کی پشت پر ایک چھوٹا سا بیگ بھی موجود تھا۔ یہ کیا ہے اس نے حیرت سے بختاور سے پوچھا۔ کچھ نہیں کیا تم مجھے یہاں موجود کسی گاڑی پر شہر تک چھوڑ دو گے بختاور نے کہا تو اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔

کیوں؟ پھر بتاؤں گی بختاور نے عجیب سے لہجے میں جواب دیا چلو سرفراز ہم تینوں چلتے ہیں ویسے بھی پولیس آنے والی ہوگی۔ وہ ان سب کو محفوظ مقام پر پہنچا دیں گے اس نے دوسرے قیدیوں کی طرف اشارہ کیا کچھ دیر بعد وہ نفسیاتی اسپتال سے روانہ ہوگئے۔

تم کہاں جانا چاہتی ہو۔ اس نے گاڑی چلاتے ہوئے بختاور سے پوچھا اپنے گھر؟ اس کے جواب پر وہ چونکا مگر وہاں تو تمہاری جان کو خطرہ ہے۔

خطرے سے تو نمٹنے جارہی ہوں۔ بختاور نے پراسرار لہجے میں جواب دیا۔ رات ایک یا ڈیڑھ بجے وہ ایک پوش علاقے میں داخل ہوچکے تھے بختاور نے ایک کوٹھی نما بنگلے کے قریب گاڑی روکنے کا اشارہ کیا اور رکتے ہی فرنٹ سیٹ سے اتر گئی۔

ٹھہرو میں بھی چلوں گا۔ یہ خضر تھا جو گاڑی سے نکل کر فیصلہ کن لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سرفراز تم یہیں رکو ہم آتے ہیں خضر نے سرفراز کو ہدایت کی اور بختاور کے ساتھ چلنے لگا۔

بختاور اس کوٹھی نما بنگلے کے عقبی حصے میں پہنچ چکی تھی۔ تم شاید اپنے باپ کی موت کا انتقام لینا چاہتی ہو۔ خضر نے سرگوشی نما آواز میں کہا تو وہ اثبات میں سر ہلا کر بولی تم چاہتی ہو تو واپس لوٹ جاؤ اس میں جان کا خطرہ ہے خضر اس کی بات کا جواب دیئے بنا جھک گیا۔ بختاور اس کے کندھے پر کھڑی ہوئی اور با آسانی عقبی دیوار پر جا پہنچی۔ پھر اس نے تقریباً لٹک کر ہاتھ بڑھا کر خضر کو دیوار پر چڑھنے میں مدد دی۔

یہ کوٹھی کا عقبی حصہ تھا۔ دونوں دبے قدموں کودے اور چند لمحے دبکے رہنے کے بعد آگے بڑھے۔ انکل شیراز کا کمرہ اس طرف ہے۔ بختاور نے سرگوشی کی۔

خضر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ شیراز کے کمرے میں [illegible] تھا کہ بختاور اس گھر کی مکین تھی۔ اس لیے تمام راستوں سے آگاہ ہوگی ایسا ہی ہوا بختاور نے سلائیڈنگ ونڈو کھسکائی تو وہ کھلتی چلی گئی۔ شیراز صاحب اور بانو بیگم آنے والی شامت سے بے خبر بیڈ پر بے خبر سو رہے تھے۔ بختاور کے پیچھے خضر بھی کھڑکی کے راستے بیڈ روم میں داخل ہوا۔

بختاور نے پشت سے لٹکا بیگ اتارا اور اس میں سے پسٹل نکال لیا۔ یہ پسٹل اس نے عمران شاہ کے کمرے سے اٹھایا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر شیراز صاحب کو پسٹل کی نال چبھوئی تو وہ اٹھ بیٹھا اپنے سامنے پسٹل بردار بختاور اور خضر کو دیکھ کر وہ خوف زدہ لہجے میں بولا تم یہاں کیسے۔ بانو بیگم بھی اٹھ چکی تھی اس سے پہلے کہ وہ منہ سے کوئی آواز نکالتی بختاور سانپ کی طرح پھنکاری۔ تم دونوں میں سے کوئی آواز نہیں نکالے

https://www.urdutubes.com/

گا ورنہ اپنی جان سے جاؤ گے۔

میں جان چکی ہوں میری ماں اور باپ کی موت کے ذمہ دار تم لوگ ہو عمران شاہ نے سب صاف صاف بتا دیا ہے۔ خضر میرے بیگ سے رسی نکال کر شیراز صاحب کو باندھ دو۔ خضر نے بیگ کھولا۔ بیگ میں رسی کے علاوہ سرنج اور سرخ محلول کا انجکشن بھی تھا۔ وہ سمجھ گیا جب وہ سب احاطے میں تھے تبھی بختاور نے یہ سب عمران شاہ کے کمرے سے لیا ہوگا۔

خضر اندازہ لگا چکا تھا کہ بختاور کیا کرنا چاہتی ہے مگر وہ روکنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ شیراز صاحب اور بانو بیگم اسی سلوک کی مستحق تھی۔ بختاور نے بے بس شیراز صاحب کے منہ پر بانو بیگم کا دوپٹہ باندھا اور بانو بیگم کو دھکیلا۔ چلو محسن کے کمرے کی طرف۔

موت کے ڈر سے بانو بیگم اس کے ہر حکم پر تعمیل کر رہی تھی محسن کے بیڈ روم کے دروازے پر رک کر اس نے بانو بیگم سے محسن کو بلانے کو کہا۔ بانو بیگم نے کانپتے ہاتھوں سے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے محسن کی نیند میں ڈوبی آواز ابھری کون؟ میں ہوں محسن دروازہ کھولو بانو بیگم نے کپکپاتے لہجے میں جواب دیا۔

محسن نے دروازہ کھولا ہی تھا کہ بختاور نے اس کی کنپٹی پر پسٹل رکھ دیا۔

اسے بھی شیراز صاحب کی خوابگاہ میں لا کر باندھ دیا گیا۔ اور پھر ان دونوں کا بھی خاتمہ ہوگیا، پھر اس کے بعد بختاور نے سرنج میں سرخ محلول بھرا اور خضر کو بانو بیگم کو پکڑنے کا اشارہ کیا۔

خضر نے آگے بڑھ کر بانو بیگم کو دبوچنے کے ساتھ اس کے منہ پر بھی ہاتھ رکھ دیا۔ بختاور نے آگے بڑھ کر بانو بیگم کو انجکشن لگایا سرنج دوبارہ بیگ میں ڈالنے کے بعد پسٹل بھی ڈالا اور خضر سمیت خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

اگلی صبح اخبارات کی شہ سرخیوں میں دو سنسنی خیز خبریں شامل تھیں۔

پہلی خبر عمران شاہ کے پاگل خانے سے متعلق تھی۔ وہاں موجود قیدیوں کی نشاندہی پر ان کے لالچی رشتے داروں کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔

دوسری خبر شیراز صاحب کی فیملی سے متعلق تھی۔

صبح بانو بیگم کی ہذیانی چیخ پکار پر ملازمین نے کمرے کا دروازہ توڑا تو بیڈ پر محسن اور شیراز صاحب کی لاشیں موجود تھیں ان کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے اور منہ میں کپڑا تھا۔ جب کہ بانو بیگم پر پاگل پن کے دورے پڑ رہے تھے بانو بیگم نے ملازمین کو بھی مارنے کی کوشش کی ملازمین نے انہیں بڑی مشکل سے قابو کرکے پولیس کو اطلاع دی۔

لاشوں کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجوادیا گیا۔ جب کہ بانو بیگم کو پاگل خانے بھجوادیا گیا۔ بختاور اپنے گھر لوٹ گئی۔ حالات زندگی معمول پر آچکے تھے۔

خضر نے بھی اپنے آپ کو دوبارہ کاروبار میں مصروف کرلیا۔ اس روز وہ اپنے آفس میں تھا کہ سرفراز مسکراتا ہوا آن پہنچا۔

چلو بھائی میرے ساتھ؟

کہاں خضر نے حیرت سے پوچھا تو سرفراز نے اس کا ہاتھ تھام کر اٹھاتے ہوئے کہا۔ چلو تو سہی سرپرائز ہے۔

تو اسے مجبوراً اٹھنا پڑا۔ آخر جانا کہاں ہے وہ سرفراز کی گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔

میں اپنی ہونے والی بھابھی کا آپ کے لیے ہاتھ مانگنے جارہا ہوں۔

سرفراز نے شرارتی لہجے میں کہا۔ تو وہ ہونقا رہ گیا۔

مگر جب گاڑی بختاور کی کوٹھی نما گھر کے سامنے رکی تو وہ بے اختیار مسکرا اٹھا۔

عفریت

ملک این اے کاوش۔سلانوالی سرگودھا

قسط نمبر 7

خوف و ہراس کی وادی میں تہلکہ مچاتی اور جسم و جاں کو لرزہ براندام کرتی دہشت ناک، وحشت ناک، ہولناک اور خوفناک، ناقابل فراموش دل و دماغ پر سکتہ طاری کرتی لرزیدہ لرزیدہ کہانی جو کہ پڑھنے والوں کو ڈر کے شکنجے میں جکڑلے گی۔

ایک خونی عفریت کی دل دہلاتی اور کرب واذیت سے دوچار کرتی......دلخراش کہانی

میں الطاف اور اس کے ساتھیوں کو لے کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں تہہ خانہ موجود تھا۔ہم جس جگہ پر کھڑے تھے۔وہی راستہ تہہ خانے میں جاتا تھا۔دوسرے ہی لمحے مجھے یوں لگا جیسے تہہ خانے کے اندر کوئی چل رہا ہو۔میرا شک یقین میں بدل گیا۔آصف میلو تہہ خانے میں ہی آچکا تھا۔کیونکہ اس کے قدموں کی آہٹ مترشح گونج رہی تھی۔یک لخت تہہ خانہ روشن ہوگیا۔

میں الطاف اور اس کے ساتھیوں کے ہمراہ تہہ خانے میں داخل ہوگیا۔ایک بار پھر میں نے آصف میلو کو اسی چوکی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔تہہ خانے میں داخل ہوکر ہم سب ہی ٹھٹھک گئے۔آصف میلو کی شکل یک لخت تبدیل ہونا شروع ہوگئی تھی۔جلد ہی ہمارے سامنے آصف میلو کی جگہ ایک نہایت ہی خوفناک شکل کا انسان بیٹھا تھا۔جس کی کھا جانے والی نگاہیں ہم پر ہی مرکوز تھیں۔میں نے الطاف اور اس کے ساتھیوں کو ہمت سے کام لینے کی تلقین کی اور انہیں یقین دہانی کروائی کہ یہ ہمارا بال تک بیکا نہیں کرسکتا۔

آصف میلو نے جو روپ اپنا تھا اس کی وجہ سے اس کا رنگ بالکل سیاہ ہوگیا تھا۔اس کے اس خوفناک چہرے پر لمبے لمبے بال اگ کر نمایاں ہوگئے تھے۔اس کے ساتھ ہی اس کے ہاتھوں کی کلائیوں اور جسم کے باقی کھلے حصوں پر لمبے لمبے بھورے بال اگ کر نمایاں ہوگئے تھے۔آصف میلو کوئی عمل کررہا تھا۔اس کے عمل کرنے کی رفتار بہت زیادہ تھی۔وہ اپنے عمل کو جلد از جلد پورا کرنے کے لیے پرتول رہا تھا۔

"پکڑواسے اور رسیوں سے باندھ دو اگر اس کا عمل پورا ہوگیا تو یہ ہمارے لیے خطرہ بن جائے گا۔" میں نے الطاف اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھا یوں لگ رہا تھا جیسے انہوں نے میری بات کو ان سنی کردیا ہو۔

میں نے ان کی حالت دیکھی تو یوں لگا جیسے ان کے پیر آہنی زنجیروں میں جکڑ دیئے گئے ہوں۔اس کا مطلب تھا کہ آصف میلو نے ان پر جادو کردیا تھا۔لیکن میں تو اس کے جادو کے اثر سے پاک تھا۔میں نے جھٹ سے جیب سے وہ تعویذ نکالا جو شیخ الطاف نے میرے حوالے کیا تھا۔اب اس تعویذ کی ضرورت پیش آگئی تھی۔

"تم میں سے کسی کے پاس ماچس یا لائٹر ہے تو فوراً مجھے دو۔" میں نے الطاف اور اس کے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو الطاف کے ایک دوست نے جیب سے لائٹر نکال کر میرے سپرد کردیا۔

آصف میلو کی آنکھیں بند تھیں۔میں جان گیا

https://www.urdutubes.com/

تھا کہ وہ ضرور کوئی خوفناک عمل کر رہا ہے لیکن اسے روکنا اشد ضروری تھا۔ اگر وہ کامیاب ہوگیا تو وہ سب کو تہس نہس کرکے رکھ دے گا۔ ممکن ہے میں بھی اس کے غضب کا نشانہ بن جاؤں۔ اس لیے جتنی جلدی ہوسکے اس کے عمل کو ضائع کرنا مناسب تھا۔ میں نے تعویذ کے ایک سرے کو آگ لگادی دوسرے ہی لمحے تعویذ دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ تعویذ کو آگ لگنے کی دیر تھی کہ آصف میلو کی آنکھیں خود بخود کھل گئیں۔ اس کی فرفر چلتی زبان جیسے حلق کے ساتھ چپک کر رہ گئی تھی۔ اس نے ایک کھا جانے والی نگاہ ہم سب پر ڈالی اور دوسرے ہی لمحے اس کے منہ سے کربناک چیخیں برآمد ہونا شروع ہوگئیں۔

تہہ خانے کے اندر یوں لگ رہا تھا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ میرے اشارے پر الطاف اور اس کے دوست واپس پلٹے۔ الطاف نے مجھے کھینچنا چاہا لیکن میں نے اسے سختی سے باہر نکلنے کے لیے کہا تو چاروناچار وہ بھی اپنے دوستوں کے ہمراہ باہر کی طرف بھاگا۔ تعویذ جیسے جیسے جل رہا تھا آصف میلو کی چیخ وپکار میں ویسے ویسے اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے ایک بھیانک منظر ہماری آنکھوں کے سامنے تھا۔ ایک دم سے آصف میلو کے سر سے آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ آصف میلو حصار کے اندر لوٹ پوٹ ہونے لگ گیا۔ اس کی سماعت شکن چیخوں نے تہہ خانے کے سکوت میں ہلچل پیدا کردی تھی۔ پورے تہہ خانے میں اس کے گوشت اور بال سڑنے کی وجہ سے ناقابل برداشت بساند پیدا ہوچکی تھی۔ آصف میلو اپنے سر کو نوچ رہا تھا۔ اسی تگ ودو میں اس کے ہاتھوں کو بھی آگ نے اپنی گرفت میں جکڑ لیا۔ آگ نے اس کے پورے جسم کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کردیا۔ پورے تہہ خانے میں گوشت اور بال سڑنے کی بساند اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ برداشت کی ہر حد عبور ہوچکی تھی۔

کاشف اور اس کے دوست پیہم مجھے پکار رہے تھے لیکن میں اس منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہا تھا۔

میرا ایک اور دشمن اپنے کرموں کا انجام بھگت رہا تھا۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

''یاد رکھنا عفان اب اس کھیل شروع ہوا ہے۔'' یکبارگی تہہ خانے میں آصف میلو کی بازگشت گونجی تو میں نے حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔

جس قدر آگ نے آصف میلو کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ میرے خیال میں اب اس کے بولنے کی کوئی امید نہ تھی۔ لیکن آصف میلو کی آواز میں نہ تو کوئی تکلیف عیاں تھی۔ نہ ہی تھرتھراہٹ تھی بلکہ ایک پرسکون آواز تھی جو میری سماعت سے ٹکرائی۔

''جس قدر ڈھیل دے سکتے تھے ہم نے تمہیں دی لیکن تم نے اس کا ناجائز فائدہ اٹھایا۔ شاستری اور میری موت کو اپنی فتح گردانتے ہوئے خوشی سے پھولے نہ سمانا بلکہ اب تیار رہنا اور ہر وقت اپنی زندگی کی خیر مانگنا۔ اب اصل کھیل شروع ہوچکا ہے۔ جس انوسہ کو بچانے کے لیے تم پاپڑ بیل رہے ہو وہ اب بہت جلد تمہاری آنکھوں کے سامنے جائے گی۔ وہ ضرور آئے گا اور اسے لے جائے گا۔ تم دیکھتے رہ جاؤ گے [illegible]

اتنا کہہ کر آصف میلو کی آواز [illegible] نے ایک بھرپور نگاہ اس کے جلتے جسم پر ڈالی۔ جواب دیکھنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ وہی الفاظ جو شاستری نے آخری وقت میں ادا کیے تھے اس نے بھی کہے تھے۔ [illegible] وہ کون تھا جو آنے والا تھا۔ میری سمجھ سے یہ بات بالاتر تھی۔ میں دانت پیس کر رہ گیا۔

آصف میلو کے جسم سے اب چنگاریاں اٹھ رہی تھیں۔ آگ کا پریشر کم ہوگیا تھا۔ آصف میلو کا جسم تقریباً جل کر بھسم ہوچکا تھا۔ پلک جھپکتے میں اس کے جسم کو آگ نے تہس نہس کرکے رکھ دیا تھا جو ہمیں تہس نہس کرنے چلا تھا۔ دوسروں کے لیے کھودے کنویں میں وہ خود گر گیا تھا۔

گیدڑ بھبھکیاں سننے کا تو میں عادی تھا ہی لیکن جو الفاظ ان دونوں نے مرتے وقت کہے تھے۔ ان الفاظ نے مجھے سوچنے پر مجبور کردیا تھا کہ آخر وہ کون ہے؟

[illegible] کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ سوچ سوچ کر میرا دماغ [illegible] رہا تھا۔

''[illegible] ختم ہوگیا ہے۔'' میں الطاف اور اس کے [illegible] کے پاس جا کر بولا۔

''تم نے واقعی کمال کردیا ہے عفان!'' الطاف [illegible] انداز میں کہا اور مجھے سینے سے لگا لیا۔

''کچھ ہی گھنٹوں میں اپنے دو اہم دشمنوں کو تم نے [illegible] دیا ہے۔''

[illegible] ''میں نے الطاف سے الگ [illegible] کی بات کی تھی۔

[illegible] نے کچھ نہیں کیا بلکہ میری اس خالق نے [illegible] کے ذریعے مدد کی ہے۔ میں بہت مشکور [illegible] صاحب کا کہ جنہوں نے میری پشت [illegible]

''[illegible] اب ہم یہاں سے چلنا چاہیے۔'' الطاف [illegible] دیا اور میں اس کے ساتھ ہولیا۔

''جو کچھ بھی [illegible] سے راز میں رکھنا۔'' میں نے [illegible] سے کہا تو وہ ہمہ [illegible]

[illegible] دوستوں کو بھی زبان بند رکھنے کی تلقین [illegible] ہماری ان باتوں پر یقین نہیں کرے [illegible] جانتے ہو کہ تھوڑی دیر بعد ہم دوبارہ [illegible] کچھ نہیں ملے گا۔''

''[illegible] آصف میلو واقعی مر گیا ہے؟'' الطاف نے [illegible] کے عالم میں پوچھا۔

''[illegible]'' میں نے مسکرا کر کہا تو الطاف بھی [illegible]

[illegible] ہی باہر نکلے۔ اگلا منظر دیکھ کر ہم سب ہی [illegible] شاندار کوٹھی اپنی اصلی حالت میں آچکی [illegible] کی خوبصورتی آصف میلو کی موت کے ساتھ [illegible] سب کچھ اجاڑ اور ویران۔ یوں لگ [illegible] نے برسوں سے اس حویلی کی دیکھ بھال [illegible] سیاہ رنگ کی گاڑی جس میں آصف

میلو اور میں دونوں آئے تھے۔ ابھی تک اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔

میں خوشی سے پھولے نہ سما پا رہا تھا۔ بعد میں جو ہوگا وہ تو دیکھا جائے گا۔ میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

''کیوں نہ آج کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں جا کر کچھ پیٹ پوجا کی جائے۔'' میں نے الطاف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کس لیے؟'' الطاف نے حیران و ششدر ہوکر پوچھا۔

''تم اچھی طرح سے جانتے ہو۔'' میں نے بھنویں اچکا کر مسکراتے ہوئے کہا تو الطاف بھی مسکرا دیا۔

☆......☆......☆

گھر پہنچ کر کتنی ہی دیر تک میں ہونے والے واقعات کے بارے میں سوچتا رہا۔ مولوی ندیم کے تعویذوں نے وہ کچھ کردیا تھا۔ جس کے بارے میں میں نے کبھی تخیل میں بھی نہ سوچا تھا۔ مولوی ندیم [illegible] لیے بہت بڑے محسن تھے۔ الطاف کی وجہ سے ہونے والی ایک ملاقات میں انہوں نے اپنے بڑے پن کا اظہار کردیا تھا۔ میری خاطر انہوں نے اپنی جان تک داؤ پر لگادی اور اس کے باوجود بھی میری راہنمائی کر رہے تھے۔ میں ان کا شکریہ ادا کرتے نہ تھک رہا تھا۔

میں عصر کی نماز کے وقت مسجد میں گیا۔ مغرب کی نماز بھی پڑھی اور عشاء کی نماز کی ادائیگی تک میں مسجد میں ہی رہا۔ میں اللہ تعالیٰ عزوجل کے گھر میں بیٹھ کر رحیم اس کا شکر ادا کرتا رہا تھا۔ کتنے ہی نوافل میں نے ایک ساتھ پڑھ ڈالے تھے۔ کبھی نوافل تو کبھی تلاوت کلام الٰہی کرنا شروع کردیتا تھا۔ میں کتنا خوش تھا بیان سے باہر ہے۔ المختصر نماز عشاء کی ادائیگی کے بعد واپس آیا تو الطاف حیرت زدہ ہوکر مجھے دیکھنے لگا۔

''کہاں تھے یار تم؟'' الطاف نے میرے چہرے کا بغور جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''مسجد میں۔'' میں نے مختصر جواب پر اکتفا کیا۔

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

"ہوں۔" الطاف نے ہونٹ بھینچے۔

"کتنی کالز کی لیکن تمہارا نمبر ہی بند تھا۔ میں تو مضطرب ہوگیا کہ اللہ خیر کرے نجانے کہاں چلے گئے ہو۔"

"تمہارا مشکور ہوں کہ تم میری اتنی چنتا کرتے ہو۔" میں نے الطاف کے بائیں کندھے پر اپنا داہنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"شکریہ کس بات کا یار ہم دوست ہیں۔" الطاف نے مجھے یاد دلایا اور میں مسکرادیا۔

پھر میں اپنے کمرے میں آگیا۔ رات کچھوے کی چال چلتی گزر رہی تھی۔ میں کمرے میں بیڈ پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ آج پہلی بار میں اپنی مرضی سے دروازے کی چٹخنی کھول کر سونے لگا تھا۔ میرے اندر سے ہر قسم کا خوف نو دو گیارہ ہو چکا تھا۔ میں حد سے زیادہ خوش تھا کہ شانتری منحوس سے جان چھوٹ گئی تھی۔ ساتھ ہی آصف میلو بھی اپنے انتقام کو پہنچ چکا تھا۔ اب میری خواہش تھی کہ میں کسی طرح شانزیب صاحب سے بات کرکے انوسہ کا ہاتھ مانگ لوں یا انہیں آنے والے حالات سے آشنا کردوں۔ شانزیب صاحب اوپن مائنڈڈ تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ شاید وہ میری اس بات کو بالائے طاق ڈال دیں لیکن میں ان سے اپنے اور انوسہ کی نسبت کی بات کرنے کا متمنی تھا۔ اس کے لیے لازمی تھا کہ پہلے انوسہ سے مشاورت کی جاتی۔

آصف میلو اور شانتری کی موت کے بعد میں نے سمجھ لیا کہ اب میری راہ میں روڑے اٹکانے والا کوئی نہیں بچا لیکن شاید یہ میری خام خیالی تھی۔ لیکن ایک بات مجھے شدید پریشان کیے جارہی تھی کہ آخر وہ کون ہے جو انوسہ کو مجھ سے چھیننا چاہتا ہے؟ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟ اس سب کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے؟ آج تک وہ میرے سامنے نہیں آیا۔ ممکن ہے آیا ہو لیکن مجھے اس کی پہچان نہ ہوئی ہو۔ یہ تو اللہ کی مہربانی اور انوسہ کے دادا کی روح اور میرے والدین کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ مولوی ندیم کی محبت تھی کہ میں ابھی تک اپنے قدموں پر تھا۔ وگرنہ کب کا سورگباش ہو چکا ہوتا۔

☆......☆......☆

اگلے دن مجھے فجر کی آذانیں ہو رہی تھیں، جب جاگ ہوئی۔ نماز فجر پڑھ کر آیا تو شانزیب صاحب اور انوسہ کو ناشتے کی میز پر اپنا منتظر پایا۔

"برخوردار کیا بات ہے؟" شانزیب صاحب نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آج کل تم ہمیں کوئی ٹائم نہیں دے رہے۔ نہ ناشتے پہ دکھائی دیتے ہو نہ کھانے کے اوقات میں۔ کوئی مسئلہ ہے تو شیئر کرو۔"

"نہیں نہیں۔" میں نے شانزیب صاحب کی بات کی نفی کی۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔ اگر کوئی مسئلہ ہوتا بھی تو آپ سے بھلا چھپا کیسے سکتا ہوں۔"

"ہوں۔" شانزیب صاحب نے سر ہلایا۔

"ناشتہ یا کھانا ہمارے ساتھ مل کے کھایا کرو۔ فیملی کے ممبر ہو اپنی موجودگی کا احساس دلایا کرو۔ مل کر کھانے میں برکت بھی ہوتی ہے [illegible] کے لیے وقت بھی مل جاتا ہے۔"

"انشاءاللہ کوشش کروں گا۔" میں نے کہا۔

سب نے ناشتے کے برتن اپنی طرف سرکائے۔ اس وقت میں نے پہلی بار انوسہ کو دیکھا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ وہ بھی کن انکھیوں سے مجھے گھور رہی تھی۔ نظروں کا ٹاکرا ہوا تو اس نے نگاہیں جھکالیں۔ میں جان چکا تھا کہ وہ مجھ سے خفا ہے۔

ناشتہ کرنے کے بعد میں اپنے کمرے میں آگیا۔ شانزیب صاحب کے جانے کے بعد انوسہ اس وقت میرے کمرے میں آئی جب میں ایک پینٹنگ بنا رہا تھا۔ میں پینٹنگ بنانے میں اتنا مگن تھا کہ مجھے احساس بھی نہ ہوسکا کہ میرے علاوہ بھی کوئی یہاں موجود ہے۔ وہ تو اتفاق سے میری نظر صوفے پر پڑی تو انوسہ بیٹھی مجھے گھور رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میں نے فوراً برش اور کلر ایک طرف ٹیبل پر رکھا اور اس کے سامنے [illegible] صوفے پر بیٹھ گیا۔ انوسہ متواتر چپ چاپ بیٹھی [illegible] جارہی تھی۔

"آئی ایم سوری مجھے پتہ نہیں چلا۔" میں نے [illegible] لہجے میں کہا۔

"تم کب آئی؟"

"تم حد سے زیادہ لاپرواہ ہوگئے ہو عفان۔" انوسہ نے میری بات کو پس پشت ڈالتے ہوئے کہا۔

"ایسی بات نہیں ہے انوسہ۔" میں نے انوسہ [illegible] لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے [illegible]

"میں تم سے وضاحتیں طلب کرنے نہیں آئی۔" [illegible] ہوئے کہا۔

[illegible] بات سن کر چاروناچار میں چپ ہوگیا۔

"[illegible] کی لاپرواہی میں انسان بہت کچھ کھو [illegible] عفان۔" انوسہ [illegible] مجھے دیکھتے ہوئے

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری اس لاپرواہی کا نتیجہ [illegible] ثابت ہو۔"

[illegible] ملانے کی تاب نہ ہو پارہی تھی۔ انوسہ [illegible] تھی۔ اس کی باتوں کی گہرائی میں جھانکنا بہت [illegible] تھا۔

"انوسہ میں معذرت چاہتا ہوں۔" میں نے اپنی [illegible] پاتے ہوئے کہا۔

"[illegible] بار معذرت کرتے رہوگے؟" انوسہ نے [illegible]

"ہمیشہ معذرت ہی کرتے رہوگے یا کچھ اور بھی [illegible] وقت کچھوے کی نہیں خرگوش کی رفتار سے [illegible] عفان۔ میرے ابو مجھ سے والہانہ محبت [illegible] ہیں۔ لیکن ایک نہ ایک دن انہیں مجھے رخصت [illegible]"

انوسہ کا لہجہ نم آلود ہوگیا تھا۔ میں نے اس کی [illegible] میں جھانکا تو دو گہر ہائے آبدار اپنی پوری آب و تاب سے چمکتے دکھائی دیئے۔

"میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ لیکن مجھے لگتا ہے کہ تم اس سلسلے میں قطعاً مخلص نہیں ہو۔"

"نہیں انوسہ ایسی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تو کیسی بات ہے؟" انوسہ پھٹ پڑی۔

"آخر تم کیا سمجھانا چاہتے ہو مجھے۔ تم لوگوں کو صرف اپنے کام اور پیسے سے غرض ہے عفان۔ جس وقت دیکھو بس کام کرتے دکھائی دیتے ہو۔ کبھی سوچا ہے کہ میں کتنا انتظار کرتی ہوں تمہارا۔ میری نگاہیں تمہاری منتظر رہتی ہیں کہ تم کب آؤ لیکن تم ہو کہ......"

انوسہ نے فقرہ ادھورا چھوڑا اور ایک ٹھنڈی سانس خارج کی پھر اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے دوبارہ گویا ہوئی:

"اپنے مخلص ہونے کی یقین دہانی کرواؤ۔ مجھے بھی احساس دلاؤ کہ تم اس معاملے میں مخلص ہو۔"

انوسہ اپنی بات کرنے کے بعد سر کو جھٹک کر منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔

"بہت دیر ہو جائے گی عفان۔ بس تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تم کس حد تک مخلص ہو لیکن ایک بات یاد رکھنا میرے لیے تمہارے بنا رہنا اب ممکن نہیں۔"

بات مکمل کرنے تک انوسہ کی آنکھوں سے اشک ٹپک پڑے تھے۔ اس کی اس حالت پر میرا دل پسیج کر مٹھی میں آگیا تھا۔

"پلیز روؤ مت۔" میں نے انوسہ کو مخاطب کیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ جلد سے جلد کچھ کرتا ہوں۔"

"ہوں۔" انوسہ کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیلی۔ مسکراہٹ کیا تھی گویا لبوں نے کرب میں کروٹ بدلی تھی۔

"تم کچھ نہیں کرپاؤ گے عفان۔" انوسہ اتنا کہہ کر میرے روکنے کے باوجود بھی کمرے سے باہر نکل گئی۔

https://www.urdutubes.com/

میں اس کی حالت سے آشنا تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب وہ اپنے کمرے میں جا کر روئے گی۔ میرے اندر اتنی سکت پیدا نہ ہو پا رہی تھی کہ میں شانزیب صاحب سے اس سلسلے میں کوئی بات کر سکوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ مجھے نمک حرام قرار دے دیں۔ لیکن انوسہ کی حالت بھی میری برداشت سے باہر تھی۔ مجھے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا تھا۔ انوسہ ٹھیک ہی کہہ رہی تھی کہ بے وقت پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

☆......☆......☆

دن پر لگا کے گزرتے چلتے گئے لیکن میں چاہنے کے باوجود بھی اپنے اندر دل کی بات کو لفظوں کی مالا نہ پہنا پا رہا تھا۔ کتنی ہی بار سعی کی کہ شانزیب صاحب سے اس سلسلے میں بات کروں۔ کئی بار تو شانزیب صاحب کے ساتھ گھنٹوں اکیلے بیٹھ کر بات چیت کرنے کا موقع میسر آیا لیکن میرے اندر جسارت پیدا نہ ہو پا رہی تھی کہ میں اس سلسلے میں ان سے دل کی بات کہہ سکوں۔

شانتری اور آصف میلو کی موت کو ڈیڑھ ماہ بیت گیا لیکن اس کے بعد نہ تو کوئی پراسرار واقعہ رونما ہوا اور نہ ہی انوسہ کے ساتھ کوئی ایسا ویسا معاملہ پیش آیا۔ میں بھی تقریباً سب کچھ بھولتا جا رہا تھا۔ یہ بھی بھول گیا تھا کہ ابھی میرا ایک دشمن بوقاف اور ایک انجان دشمن جس کے بارے میں شانتری اور آصف میلو نے بوقت اجل کہا تھا ابھی باقی ہیں۔

جب انسان پر اچھے دن آتے ہیں تو برے دن خود بخود اس کے ذہن سے ماؤف ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اکثر اوقات انسان اچھے دنوں سے انجوائے کرنے کے لیے برے دنوں کو خود بھی یاد کرنا گوارہ نہیں کرتا۔ ایسا ہی کچھ میں بھی کر رہا تھا۔ میں بیتے حالات و واقعات کو ذہن سے کھرچ کھرچ کر نکال پھینکنا چاہتا تھا۔ ایک لمبے عرصے بعد مجھے سکون میسر آیا تھا۔

ایک دن میں پھر ناشتے پہ لیٹ پہنچا تو شانزیب صاحب چنداں غصے ہوئے۔ ان سے ایکسکیوز کیا اور اپنے لیٹ آنے کا مدعا بھی بیان کیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد شانزیب صاحب نے مجھے بتایا کہ کرنل نورخان صاحب کی دختر کی تصویر بنانی ہے۔ اس تصویر کو بنانے کی ذمہ داری شانزیب صاحب نے مجھے سونپ دی اور کہا کہ:

"میں چاہتا ہوں کہ میں جب اپنے دوست کو اس کی دختر کی تصویر پیش کروں تو وہ ایسا شاہکار ہو جسے وہ تادم آخر فراموش نہ کر پائے۔"

شانزیب صاحب کی بات سنے نے بے شک مجھے تذبذب کا شکار کر دیا لیکن میں نے اپنی اندرونی کیفیت کو ان پر اجاگر نہ کیا۔ شاید وہ میرا امتحان لینا چاہتے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ ان کی شاگردی میں رہتے ہوئے میں کس حد تک ٹرینڈ ہو گیا ہوں۔ میں ان کی امیدوں پر پورا اترنا چاہتا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ میں واقعی ایک ایسا شاہکار بناؤں گا کہ کرنل نورخان صاحب سمیت جو بھی دیکھے گا بس دیکھتا ہی رہ جائے گا۔

پینٹنگ تیار کرتے وقت میں اتنا مستغرق تھا کہ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں نے کرنل [illegible] کی بجائے انوسہ کی تصویر بنا ڈالی۔ اپنی اس بے [illegible] مجھے حقیقت میں بہت حیرانگی ہوئی۔ میں شاید دیوانہ ہو چکا تھا کہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ میں نے اپنے ذہن کو جھٹکا اور کام میں لگ گیا کیونکہ وقت کی تنگی تھی۔ ہر حال میں پینٹنگ مکمل کرنی تھی۔ دو دن میں میں نے پینٹنگ تیار کر لی۔

کرنل نورخان صاحب کی دختر حقیقت میں کسی اپسرا سے کم نہ تھی۔ لیکن انوسہ کے مقابلے میں وہ کچھ نہ تھی۔ یہ شاید میری محبت کی انتہا تھی کہ کوئی بھی دوشیزہ مجھے انوسہ سے بہتر معلوم نہ ہوتی تھی۔ پینٹنگ [illegible] میں رکھے رنگ اور چھوٹی چھوٹی برشیوں نے ایسا کمال کر دیا تھا کہ دیکھنے والا گنگ ہوئے بنا نہ رہ سکتا۔

پینٹنگ مکمل ہونے میں تھوڑی دیر رہ گئی تھی۔ بس کچھ رنگ بھرنے رہ گئے تھے۔ میں ہلکے آسمانی رنگ

[illegible] اور چینی کی پیالی میں ڈال کر تیار کرنے لگا۔ قبل اس کے کہ میں اس رنگ کو استعمال میں لاتا یکبارگی مجھے اپنے عقب میں ہلکی سی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ جسے سنتے ساتھ ہی میں چونک اٹھا اور ایک دم مڑ کر دیکھا۔ میرے ذہن میں تھا کہ دبے قدموں انوسہ آ گئی ہو۔ کیونکہ وہ ہمیشہ ایسے ہی آتی تھی۔ اس کے آنے کی مجھے کانوں کان خبر نہ ہوتی تھی۔ میں نے جونہی مڑ کر دیکھا میرا رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میرا رواں رواں کانپ اٹھا۔ خوف سے میرے تن بدن میں [illegible] دوڑنے لگیں۔

☆......☆......☆

میرے سامنے ایک ادھیڑ عمر کا قوی ہیکل بدشکل شخص سر سے پاؤں تک سیاہ چوغہ اوڑھے کھڑا تھا۔ اس [illegible] میں بے حد چمکدار تھیں۔ موٹے موٹے ہونٹ اور گالوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی۔ اس کے سر پر سیاہ پگڑی تھی۔ جس کی کلغی میں بیش قیمت [illegible] تھا۔ اس کے دائیں پہلو میں میان سمیت شمشیر لٹک رہی تھی۔

[illegible] بنا اجازت لیے آ گیا ہے۔

[illegible] روکنے والا بھی کوئی نہیں تھا۔

[illegible] خیال کے آتے ساتھ ہی میں غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا کہ کسی ملازم نے اسے روکنے کی کوشش [illegible]

اپنے لباس اور شکل و صورت کے لحاظ سے وہ کوئی [illegible] بادشاہ یا سردار کے جیسے دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے بغور دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس اجنبی کے بائیں ہاتھ [illegible] کی خوبصورت چھڑی بھی تھی۔ جس کی شام [illegible] اجنبی سے نگاہیں چار ہوتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میری کھوپڑی میں جسم کا سارا خون منجمد ہو گیا ہو۔ دہشت کی ایک انتہائی [illegible] لہر میری ریڑھ کی ہڈی میں اترتی چلی [illegible] عجیب بات تھی کہ حویلی کا صدر دروازہ اور دوسرے تمام چھوٹے دروازے اس وقت بند کر دیئے جاتے تھے۔ کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا تھا پھر یہ شخص یہاں تک کیسے آن پہنچا؟

ممکن ہے شانزیب صاحب کا کوئی دور نزدیک کا رشتے دار ہو جس نے اجازت لینا بہتر نہ گردانا ہو اور سیدھا اندر آ گیا ہو۔ اس شخص کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی اب مجھ میں مزید جسارت نہ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نجانے ایسی کیا کشش اور سختی تھی کہ مجھے اس سے خوف سا محسوس ہونے لگا تھا۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی آنکھیں پھیر لیں۔ میرا پورا جسم وائبریٹ کرنے لگ گیا تھا۔ نجانے اس شخص میں ایسی کیا بات تھی کہ میں کافی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ وہ شخص ابھی تک بے حس و حرکت اسی انداز میں اپنی جگہ پر کھڑا تھا۔

جب میں نے اپنی کیفیت پر کسی حد تک قابو پا لیا تو میں ایک بار پھر اس کی طرف مڑا۔ اس کی نگاہیں اس تصویر پر جمی ہوئی تھیں۔ جو میں ابھی تیار کر رہا تھا۔

"کیا میں آپ کے متعلق کچھ جان سکتا ہوں؟" میں نے اس پراسرار شخص کو مخاطب کیا۔

"کیا شانزیب سے ملاقات ہو سکتی ہے؟" اس پراسرار شخص نے اسی تصویر پر نگاہیں گاڑے ہوئے پوچھا۔

"ہاں لیکن اس وقت وہ گھر پر نہیں ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اگر آپ چاہیں تو ان سے متعلق کوئی پیغام ہو تو مجھے بتا دیجئے میں ان تک آپ کی امانت کے طور پر من و عن پہنچا دوں گا۔"

کچھ دیر تک وہ اسی تصویر کو دیکھنے کے بعد مجھے بغور دیکھنے لگا۔

"آپ مجھ پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔"

اس پراسرار شخص کے اس طرح دیکھنے پر میں نے اسے یقین دہانی کرواتے ہوئے کہا تو اس نے اپنی پلکیں جھپکائے سر ہلایا۔ اس کی آنکھوں میں مجھے اپنے

https://www.urdutubes.com/

لیے حقارت دکھائی دی۔ جس پر مجھے تاؤ تو بہت چڑھا لیکن میں کر کچھ نہ پایا۔ پھر وہ بڑے نخوت بھرے انداز میں بولا۔

"اسے بتانا کہ رانی پور کا زمیندار اس سے ملنے آیا تھا۔ میں کل پھر اسی وقت آؤں گا کہنا حویلی میں ہی رہے۔ ایک اہم معاملے پر گفت وشنید کرنا ہے۔"

ان الفاظ کی ادائیگی کے ساتھ ہی وہ مڑا اور نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ ایک نرالی بات یہ تھی کہ وہ جس طرح چل رہا تھا اس طرح چلنے سے کافی آواز پیدا ہوتی ہے۔ لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس کے اس طرح چلنے سے قطعاً کوئی آواز پیدا نہ ہوئی۔ بہرحال اس کے باہر نکلنے کے بعد یوں لگا جیسے کمرے میں سکون کی فضا قائم ہوگئی ہو۔ کچھ لمحے تک تو میں سکتے کی حالت میں کھڑا دروازے کی طرف بے یقینی کے انداز میں دیکھتا رہا کہ کہیں وہ پراسرار شخص دوبارہ نہ آن وارد ہو لیکن شکر خدا کا کہ اسے دوبارہ آنے کی توفیق نہ ہوئی۔

نجانے کیوں یہ شخص مجھے بے حد عجیب معلوم ہوا تھا۔ بتانے کو تو رانی پور کا زمیندار بتا رہا تھا لیکن نجانے کیوں میرا دل کہہ رہا تھا کہ اس کی حقیقت کچھ اور ہی ہوگی۔ ایک تو آئے دن کے واقعات نے مجھے کچھ شکی سا بنا دیا تھا۔ میں چھوٹی چھوٹی باتوں پر اور واقعات پر غور وفکر کرنے لگ گیا تھا۔ میں جلدی سے کھڑکی کی طرف گیا جو اندرونی صحن کی طرف کھلتی تھی۔ اس سے مین گیٹ کی طرف جاتی راہداری اور لان مترشح دکھائی دیتا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں اس پراسرار شخص کو باہر جاتے ہوئے دیکھ سکوں گا لیکن وسیع وعریض صحن بالکل ویران پڑا ہوا تھا۔ برآمدے میں سناٹا اور صدر دروازہ اندر سے بند تھا۔ ویسے بھی اسے کھولنا اکیلے آدمی کے بس کا روگ نہ تھا۔ میں دوڑ کر دروازے کی طرف گیا تاکہ راہداری میں دیکھوں لیکن وہاں بھی کوئی دکھائی نہ دیا۔

خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ اس پراسرار شخص کو زمین نگل گئی تھی یا آسمان کھا گیا۔ وہ جہاں بھی جاتا میری نظروں میں ضرور آ جاتا۔ اتنی جلدی تو وہ اس حویلی سے باہر بھی نہیں جا سکتا تھا۔ کیونکہ یہ کوئی پانچ مرلے کا مکان تو تھا نہیں اچھی خاصی بڑی حویلی تھی۔ آخر وہ گیا تو کہاں گیا؟

اس سوال نے مجھے کشش وپنج میں مبتلا کر کے رکھ دیا تھا۔ میری چھٹی حس مجھے ایک انجانے خطرے سے آگاہ کرنے لگ گئی تھی۔ حویلی کے اندر ممکن ہے کوئی خفیہ راستہ ہو جس کے بارے میں اس پراسرار شخص کو آشنائی ہو کیونکہ اس قسم کی عظیم الشان اور پرانی حویلیوں میں اکثر وبیشتر خفیہ راستے، سرنگیں اور تہہ خانے بنوائے جاتے ہیں تاکہ نازک اور دگرگوں حالات میں انہیں راہ فرار کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ یا ان میں پناہ لی جا سکے۔ رانی پور کا یہ زمیندار یقیناً ایسے ہی خفیہ راستے سے ضرور آگاہ ہوگا۔ تاہم یہ کتنی غیر مناسب بات ہے کہ کوئی شخص یوں چپ چاپ حویلی اور داخل ہو اور پھر......

میں کمرے سے باہر نکلا اور راہداری میں آکر کھڑا ہو گیا۔ حویلی کا وسیع وعریض صحن کا معائنہ کرنا شروع کر دیا۔ دونوں طرف برآمدوں میں بتیاں جل رہی تھیں۔ [illegible] تھا۔ میں دیواروں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ جگہ جگہ سے میں نے دیواروں کو ہاتھ سے خوب ٹھوک بجا کر چیک کرنا شروع کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ کہیں آس پاس میں ہی کوئی خفیہ راستہ معلوم پڑ جائے گا مگر ...... کہیں سے بھی کسی دیوار نے کھوکھلے پن کا کوئی ثبوت پیش نہ کیا۔ آخر میں بڑے اور چوڑے دروازے کی اور بڑھا۔ جو لکڑی کے موٹے موٹے شہتیروں کی مدد سے بنایا گیا تھا۔ جس کے اوپر نیچے اور درمیان میں لوہے کی بھاری چادریں ٹھونک کر لگائی گئی تھیں۔ دروازہ کئی سالوں سے اسی طرح کھڑا تھا۔ شاہ زیب صاحب کے بقول یہ دروازہ ان کے والد محترم صاحب نے خصوصی طور پر بنوایا تھا۔ بہت کم موقع پر ہی یہ دروازہ کھولا جاتا تھا۔ عام روٹین میں اس کے بغل میں

[illegible] چھوٹا دروازہ استعمال کیا جاتا تھا۔ یا پھر اس بڑے دروازے کے اندر بنایا گیا چھوٹا سا کھڑکی نما دروازہ [illegible] وہ دروازہ شاذونادر ہی استعمال کیا جاتا تھا۔ اس [illegible] دروازے کے اندر بنے اس کھڑکی نما دروازے سے [illegible] قد کا بندہ بنا جھکے نہیں گزر سکتا تھا۔

[illegible] دروازے اندر سے مقفل اور ان کی چابیاں حویلی کے پرانے اور بوڑھے ملازم طاہر کے پاس ہوا کرتی تھیں۔ ابھی میں اس دروازے کے پاس ہی کھڑا تھا کہ اتفاق سے بوڑھا طاہر زنانہ حصے کی طرف [illegible] آتا دکھائی دیا۔ اسے آتا دیکھ [illegible] کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا جبکہ اس کی [illegible] مجھ پر کچھ [illegible]

[illegible] یہاں خیریت سے کھڑے ہو؟"

[illegible] سوال داغا۔

[illegible] تھا کہ بوڑھے طاہر کا پہلا سوال بھی [illegible] کے لیے پوری طرح تیار تھا۔ لیکن میں [illegible] کے سوال کو پس پشت ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"کیا آپ [illegible]

[illegible] پوشیدہ راستہ ہے۔ [illegible] استعمال کیا جا سکتا ہے؟"

[illegible] سوال پر بوڑھا طاہر چونک اٹھا۔ اس کی [illegible] شک وشبہات کے سائے لرزنے [illegible] والی آنکھوں سے مجھے [illegible] کسی سوال کی توقع نہ تھی۔

"[illegible] سارا ہے؟" بوڑھے طاہر نے الٹا مجھ سے [illegible]

"آخر بیٹا تم ایسے سوالات کیوں کر رہے ہو؟"

[illegible] کہ شاہ زیب انکل موجود ہیں کہ [illegible] میں نے بوڑھے طاہر کی بات کو ایک بار پھر پس پشت ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو ابھی تک نہیں پہنچے۔" بوڑھے طاہر نے جواب دیا۔

"انوسہ بیٹی بتا رہی تھی کہ وہ ذرہ دیر سے آئیں گے کسی دوست کے ہاں ان کی دعوت تھی۔ یہ بھی کہہ گئے تھے کہ دستر خوان پر آج ان کا انتظار نہ کیا جائے۔"

"اور انوسہ؟" میں نے دوبارہ پوچھا۔

"انوسہ بیٹی کمرے میں ہے۔" بوڑھے طاہر نے جواب دیا۔

"اس کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ اس نے بھی کھانا نہ کھانے کا کہا ہے۔ اچھا آپ کے لیے کھانا ڈائننگ ٹیبل پر لگواؤں یا کمرے میں ہی کھاؤ گے؟"

"انوسہ کو کیا ہوا؟" میں نے بوڑھے طاہر کی بات کو ایک بار نہ چاہتے ہوئے بھی بالائے طاق رکھ کر پوچھا۔

میں جانتا تھا کہ بار بار ایسا کرنے سے کہیں بوڑھا طاہر بھڑک ہی نہ اٹھے۔ لیکن وہ بھی اس بات کو جانتا تھا کہ میں اس حویلی کا کوئی ملازم نہیں ہوں کہ جس کے سامنے وہ اونچے لہجے میں بات کرے۔ میں بھی اس گھر کا ایک فرد ہوں۔

"ایک راز کی بات بتانا چاہتا ہوں تمہیں" بوڑھے طاہر نے پہلی بار سرگوشیانہ لہجے میں کہا اور پھر ایک ساتھ نگاہ گھما کر اپنے چہار سو دیکھا۔

میں نے بوڑھے طاہر کی بات سن کر حیرت سے اسے دیکھا اور اس کے قریب ہو گیا۔

"نجانے کون ہے جو انوسہ بی بی کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ ابھی وہ بیٹھی ایک کتاب پڑھ رہی تھی کہ یکایک اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ میں پاس ہی کھڑا تھا کہنے لگی بابا مجھے جلدی سے کمبل اوڑھا دو۔ میں نے اسے ایک کمبل اوڑھایا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ پھر دوسرا کمبل بھی انوسہ بیٹی کے اوپر ڈال دیا۔ ساتھ انگیٹھی بھی سلگا دی۔ اس کا رنگ پیلا زرد ہو گیا تھا۔ اور وہ بار بار ایک ہی بات کہے جا رہی تھی کہ بابا میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ آخر تمہیں اس بات سے خبردار کرنا چاہتا تھا لیکن مجال ہے کہ انوسہ بیٹی مجھے ہلنے بھی دیتی۔ پھر وہ آپ ہی آپ بڑبڑانے لگی کہ بابا خدا کے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

لیے یہاں سے نہ جاؤ۔ اگر تم چلے گئے تو وہ یہاں آجائے گا۔ اس وقت وہ مکان میں موجود ہے۔ مجھے اس سے بہت ڈر لگتا ہے۔ وہ بہت خوفناک ہے۔ بابا یہاں سے نہ جانا۔ مجھے تنہا نہ چھوڑنا۔

انوسہ بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر میں انگشت بدنداں رہ گیا۔ اس کے اندر سے کوئی اور ہی آواز نکل تھی لیکن اچانک ہی جیسے وہ پرسکون ہوگئی۔ کپکپی جاتی رہی۔ انوسہ نے کمبل اتار پرے پھینک دیا اور بھڑک اٹھی:

یہ انگیٹھی کس نے سلگادی ہے۔ اور میرے اوپر اتنے کمبل کیوں ڈال دیئے ہیں۔ مجھے مارنے کا ارادہ ہے کیا۔ بجھاؤ انگیٹھی کو جلدی سے۔

میں انوسہ بیٹی کے بدلتے رویوں کو دیکھ کر گنگ رہ گیا ہوں۔ یقین مانو میرے تو قدموں تلے زمین سرک گئی تھی۔ جب انوسہ بیٹی پرسکون نیند سو گئی تو تب میں اس کے کمرے سے نکل کر ادھر آیا ہوں اور اتفاق سے ہی تم سامنے سے آگئے ہو۔"

بوڑھا طاہر اتنی بات کہنے کے بعد چپ ہوگیا۔ اس کے ہر لفظ نے مجھے حیرت کے سمندر میں غوطہ زن ہونے پر مجبور کردیا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بند ہوتی محسوس ہونے لگی۔ یوں لگا جیسے میرا قلب انوسہ کو آوازیں دے رہا ہو۔ میرا من بے قرار ہونے لگا کہ کسی طرح ایک بار اپنی ان آنکھوں سے انوسہ کو دیکھ لوں۔

میں نے بوڑھے طاہر کو ساتھ لیا اور انوسہ کی خوابگاہ کی طرف چل دیا۔ انوسہ کی خوابگاہ میں ہم لوگ داخل ہوئے تو انوسہ اپنے خوبصورت بیڈ پر مخملی گدوں اور ریشمی چادروں میں لپٹی ہوئی خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔ اس وقت اس کے چہرے پر مکمل سکون دکھائی دے رہا تھا اور کسی خوشگوار خواب کے زیر اثر اس کے لبوں پر مسکراہٹ جلوہ گر تھی۔ میں مطمئن ہوکر بوڑھے طاہر کے ساتھ انوسہ کی خواب گاہ سے باہر نکلا۔

راستے میں میں نے بوڑھے طاہر کو رانی پور کے زمیندار والے قصے سے آگاہ کیا تو اس نے بھی حیرت کا اظہار کیا اور بتایا کہ یہاں ایسا کوئی راستہ نہیں ہے جس سے وہ پلک جھپکتے میں نو دو گیارہ ہوسکتا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میری چھٹی حس مجھے خبردار کرنے لگ گئی تھی کہ دال میں ضرور کچھ کالا ہے۔ تھوڑی دیر میں بوڑھے طاہر کے پاس کھڑا رہنے کے بعد اپنے کمرے کی طرف آگیا لیکن میرا دل پیہم دھڑک رہا تھا۔

زیادہ تر کام میں شانزیب صاحب کے شاگردوں کے ساتھ ہی کرتا ہوں لیکن کبھی کبھار میں اپنا کام اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آتا ہوں تاکہ کوئی بھی چیز میرے کام میں مخل نہ ہو۔ [illegible] مجھے اپنے کمرے میں آئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہوگی کہ بوڑھے طاہر نے ایک ملازم کو بھیج کر مجھے مطلع کیا کہ شانزیب انکل آگئے ہیں۔ میں فوراً سے بھی پیشتر ان کے کمرے میں پہنچا لیکن وہ اپنے کمرے میں موجود نہیں تھے۔ جس کا واضح مطلب تھا کہ وہ انوسہ کے کمرے میں ہوں گے۔ شانزیب انکل مجھے انوسہ کے کمرے میں ہی ملے۔

"آؤ آؤ عفان۔" شانزیب انکل نے مجھے دروازہ کھول کر اندر آتے دیکھا تو بولے۔

شانزیب انکل اس وقت [illegible] کے پاس بیٹھے تھے۔ انوسہ بھی جاگ چکی تھی۔ شانزیب انکل اس کا سر اپنی گود میں رکھے اس کے بال سہلا رہے تھے۔ انوسہ نے بھی ایک محبت بھری نگاہ مجھ پر ڈالی۔ اس کے انداز دلبرانہ نے مجھے اندر تک سکون پہنچادیا۔

"کیسے آنا ہوا برخوردار؟"

"آپ کو مطلع کرنا چاہتا تھا کہ رانی پور کے زمیندار آج آپ سے ملنے کے لیے آئے تھے۔" میں نے ڈائریکٹ ہی اپنا مدعا بیان کیا۔

شانزیب انکل حیرت سے چونکے اور سوالیہ آنکھوں سے مجھے گھورنے لگے۔

"رانی پور کا زمیندار۔" شانزیب انکل نے میرا فقرہ دہرایا۔

[illegible] جی ہاں کہہ رہے تھے کہ کل پھر اسی وقت آئیں [illegible] کوئی ضروری ڈسکس کرنا چاہتے ہیں آپ [illegible] ں نے بتایا۔

"کون ہے یہ رانی پور کا زمیندار؟" شانزیب [illegible] پیشانی پر زور دیتے ہوئے بولے۔

"میں ایسے کسی انسان کو نہیں جانتا عفان پھر یہ [illegible] ہو سکتا ہے؟"

شانزیب انکل کی حیرت قابل دید تھی۔ انہیں [illegible] لیکن ان کے [illegible] واقف کار ہیں۔ [illegible] شانزیب انکل نے ایک لمبی سانس [illegible] سے کہیں ملاقات ہوئی ہو۔ کام ایسا ہے [illegible] ملاقات ہوتی ہی رہتی ہے۔ شاید ذہن [illegible] بہرحال انتظار کرلوں گا کل جب آیا تو پتہ چل جائے گا۔"

☆......☆......☆

دوسرے دن وقت سے پہلے [illegible] اضطراری میں [illegible] رانی پور کا [illegible] سے نمودار ہوتا ہے اور اسے دیکھتے [illegible] صاحب کی ہدایت کے مطابق اسے [illegible] سے ملواؤں۔ لیکن اس کا کہیں نام [illegible] تھا۔ آخر حویلی میں لگے گھڑیال نے [illegible] بجے کا الارم بجایا تو میں نے اپنے اعصاب [illegible] تناؤ محسوس کرنا شروع کردیا۔ دل کی [illegible] تیز ہونے لگ گئی۔

"[illegible] ابھی تک آیا کیوں نہیں۔" [illegible] صاحب کی آواز میری سماعت سے ٹکرائی تو [illegible] دیکھا۔ نجانے کس وقت وہ بھی میرے عقب میں آکر [illegible] ہوگئے تھے۔ انہیں دیکھ کر میں ٹھٹکا۔

"[illegible] عفان سات بج چکے ہیں۔ آخر اور کتنا انتظار

"کہا تو اس نے سات کا ہی تھا ممکن ہے تھوڑی دیر میں آجائے۔" میں نے شانزیب انکل کو بتایا۔

"چلو اتنی دیر میں ذرہ مجھے کرنل نور خان صاحب کی دختر کی تصویر تو دکھاؤ پتہ تو چلے تم کتنی محنت سے کام کررہے ہو اس پر۔" شانزیب انکل نے کہا تو میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگیں۔

شانزیب انکل میرے استاد تھے۔ ان کی پینٹنگز کی کوئی مثل نہ تھی۔ آج پہلی بار وہ اس طرح سے میری پینٹنگ چیک کرنے کے موڈ میں تھے۔ میں دل ہی دل میں رب کعبہ سے استدعا کرنے لگا کہ میری پینٹنگز انہیں پہلی نظر میں ہی پسند آجائیں اور اس میں کوئی میم میخ نہ نکالیں۔ شانزیب انکل اور میں دونوں میرے کمرے میں گئے اور شانزیب انکل نے میری بنائی ہوئی پینٹنگ کو دیکھنا شروع کردیا۔ کافی دیر تک شانزیب انکل اس پینٹنگ کو دیکھتے رہے۔

"ابھی تک وہ نہیں آیا۔" یکبارگی شانزیب انکل کی بازگشت نے میری سماعت پر دستک دی گویا شانزیب انکل پینٹنگ دیکھتے ہوئے بھی اس رانی پور کے زمیندار کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

"جی ابھی تک نہیں آیا۔" میں نے جواب دیا۔

"برخوردار اس نے کوئی اپنا نام نہیں بتایا تھا؟" شانزیب انکل نے پوچھا تو میں تذبذب کا شکار ہوگیا۔

کیونکہ مجھ سے بھی غلطی ہوگئی تھی کہ مجھے کم از کم اس کا نام تو جان لینا چاہیے تھا لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

"نہیں۔" میں نے مختصر جواب [illegible]

"اور تم نے پوچھا بھی نہیں ہوگا [illegible] انکل نے پوچھا تو میں نے نہ چاہتے ہوئے [illegible] جھکالیں۔

"خیر دفع کرو جو بھی ہوا آجائے گا [illegible] حرج نہیں۔"

اتنا کہہ کر شانزیب انکل [illegible]

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT

باہر چلے گئے اور میں صوفے پر تقریباً ڈھے سا گیا۔ مجھے رہ رہ کر اس رانی پور کے زمیندار پر تاؤ چڑھ رہا تھا۔ میرا بس چاہ رہا تھا کہ ایک بار وہ میرے سامنے آئے اور میں......

اچانک میرے کمرے کے دروازے کے دونوں پٹ کھلے اور میں دروازے کی طرف متوجہ ہوا۔ دوسرے ہی لمحے رانی پور کے زمیندار کو میں نے اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ وہ بڑے ہی شاہانہ انداز میں چلتا ہوا دروازے سے اندر داخل ہوا تھا۔ جسے دیکھتے ساتھ ہی میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ رانی پور کے اس زمیندار نے آج بھی وہی لباس زیب تن کیا ہوا تھا جو اس نے گزشتہ شام پہن رکھا تھا۔ میرا دل چاہا کہ اس کی اچھی خاصی کلاس لے لوں لیکن میں جانتا تھا کہ ایسا کرنے سے شانزیب صاحب کس قدر خائف ہوں گے۔

میں انہیں اپنے ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں پہنچا اور وہاں بٹھانے کے بعد خود جا کر شانزیب صاحب کو بلا لایا۔ شانزیب صاحب بھی شاید اسی کے منتظر تھے۔ میرے پہنچنے کی دیر تھی کہ فوراً سے بھی پیشتر میرے ساتھ چل دیے۔ ڈرائنگ روم میں پہنچتے ساتھ ہی میں نے شانزیب صاحب کو مخاطب کیا۔

"یہ ہیں رانی پور کے زمیندار صاحب جو کل بھی آپ سے ملاقات کے لیے تشریف لائے تھے۔"

میری بات سن کر شانزیب صاحب نے سر ہلایا اور اس زمیندار کے ساتھ مصافحہ کیا۔ رانی پور کے اس زمیندار کی آنکھوں سے آج بھی جیسے چنگاریاں چھن چھن برس رہی تھیں۔ شانزیب صاحب اور میں دونوں ہی اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئے۔

"مجھے آپ سے کچھ ضروری کام تھا۔" اس رانی پور کے زمیندار نے شانزیب صاحب کو مخاطب کیا۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے لیے انتظار کیا اور مجھے شرف باریابی عطا کی۔"

"کوئی بات نہیں آپ اپنا مدعا بیان کریں۔" شانزیب صاحب نے جواب دیا۔

"شانزیب میں تمہیں اپنے علاقے میں بھی طلب کر سکتا تھا۔" رانی پور کے زمیندار نے کہا تو میں نے اور شانزیب انکل دونوں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا اور اس کی جرأت پر مجھے حیرت ہوئی۔

"لیکن میں نے یہی مناسب سمجھا کہ خود تمہارے پاس آؤں۔ بات ہی کچھ ایسی ہے۔"

اتنا کہہ کر وہ کچھ لمحے کے لیے چپ ہوا تو ہم دونوں نے اسے حیرت بھری آنکھوں سے گھورا۔ نجانے کیوں یہ شخص مجھے کچھ حد سے زیادہ عجیب معلوم ہو رہا تھا۔ ایسا بھی کیا کام تھا کہ جس کی وجہ سے وہ آج پھر سر شام آ پہنچا تھا۔

"کیا یہ نوجوان قابل اعتماد ہے؟"

یک لخت اس نے مجھے گھورا اور پھر شانزیب صاحب کو مخاطب کیا تو انہوں نے اپنا گلا کھنکارا پھر گویا ہوئے: "ہاں ہاں یہ نہ صرف میرا نہایت ہونہار شاگرد ہے بلکہ میرے لیے میرے بچوں کی مانند ہے۔"

"بہتر۔" رانی پور کا زمیندار بولا۔

پھر اس نے اپنے لباس میں ہاتھ ڈال کر ہاتھی کے دانت کا بے حد نازک اور بیش قیمتی ڈبہ برآمد کیا۔

"اس میں کچھ جواہر اور زیورات ہیں۔"

ڈبہ اس نے شانزیب صاحب کی طرف بڑھایا جسے انہوں نے حیرت بھری آنکھوں سے دیکھتے ہوئے تھام لیا۔

"اس نوجوان کو کسی واقف کار جوہری کے پاس بھیجو اور ان کے دام معلوم کرواؤ ان کی جتنی بھی قیمت آئے وہ لکھوا کر لے آئے۔"

شانزیب صاحب نے پہلے تو اسے حیرت سے دیکھا پھر ڈبہ مجھے پکڑا دیا۔ جسے میں نے اپنے کوٹ کی اندرونی پاکٹ میں چھپا لیا۔ شانزیب صاحب کے حکم کے مطابق میں وہاں سے اٹھ آیا۔ نجانے اس دوران ان کے درمیان کیا گفت و شنید ہوتی رہی میں لاعلم ہی رہا۔ میں نے الطاف کو ساتھ لیا اور حویلی سے باہر گاڑی میں نکلا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ زمیندار آخر کس کام کے

لیے یہاں آیا تھا۔ کیا وہ ان جواہرات کا ریٹ لگوانے کے لیے آیا تھا تو اس کے لیے شانزیب انکل ہی لازمی کیوں تھے؟ یہ ایک ایسا معمہ تھا جو میرے لیے ناقابل فہم ثابت ہو رہا تھا۔ میں الطاف کے ساتھ ایک جیولرز کے پاس پہنچ گیا۔

وہ جیولر میرا اپنا بھی واقف کار تھا۔ اس کی شاپ کے اندر لگی پینٹنگز بھی ہمارے ہی پاس سے تیار ہو کر آئی تھیں۔ میں نے ڈبہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور آنے کا مدعا بیان کیا۔ جوہری نے اشتیاق بھری نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ ڈبے کے اندر رکھے ہیرے، یاقوت، الماس اور سونے کے بھاری نگینے تیز روشنی میں جواہر پر پڑی تو آنکھیں [illegible]

"خدا کی پناہ یہ تو انتہائی بیش قیمت ہیں کہ میں ان کے بارے میں کچھ بتا نہیں سکتا۔" جوہری نے آنکھیں [illegible] مال و زر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس اتنا کہہ سکتا ہوں کہ یہ جواہرات بہت بیش قیمت ہیں [illegible] اس کے علاوہ یہ ڈبہ بھی دو چار کروڑ سے کم نہ ہوگا جس کے اندر یہ جواہرات موجود ہیں۔"

جوہری باری باری ایک ایک ہیرا اٹھاتا اور دیوانہ وار خوشی سے جھومتے ہوئے اس کی تعریف میں قصیدے [illegible]

"غضب ہو گیا میاں!" ایک بار تو وہ چلاتے ہوئے بولا۔

"کیا نایاب الماس تو دنیا بھر میں کہیں نہیں ملیں گے اور یہ زمرد [illegible] پندرہ کروڑ کا ہوگا۔ یہ ڈبہ خالص سونے کا ہے۔ اس میں کھوٹ نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کسی ماہر کاریگر کے ہاتھوں بنوایا گیا ہے۔ ایسے باکمال لوگ اب کہاں۔ بھئی یہ نادر خزانہ ہے۔ یقین مانو شانزیب صاحب کی سات نہیں بلکہ سینکڑوں پشتیں بھی دونوں ہاتھوں سے دن رات لٹاتی رہیں تو ان سے ان کے دام ختم نہ ہوں۔"

"مجھے واپس بھی جانا ہے۔" میں نے جیولر کو یاد دلایا۔

"برائے کرم ایک کاغذ پر ان کی موٹی موٹی قیمت لکھ کر دے دیں۔ باقی خود شانزیب صاحب دیکھ لیں گے۔"

"ہاں ہاں ابھی کے ابھی لو۔" جیولر نے اپنا پیڈ سنبھالتے ہوئے کہا اور پھر اس نے تھوڑی ہی دیر میں سب کی قیمت لکھ دی۔ جسے دیکھ کر ایک بار تو میری حیرت ہویدا ہو گئی۔ جیولر ٹھیک ہی کہہ رہا تھا کہ شانزیب صاحب کی سینکڑوں پشتیں دونوں ہاتھوں سے بھی لٹانا شروع کر دیں تو وہ اسے نہ لٹا پائیں۔ میں نے سب کچھ سمیٹا اور اس جوہری سے رخصت لے کر ابھی دروازے تک ہی پہنچا ہوں گا کہ اس نے مخاطب کیا۔

"دیکھو میاں اگر اس مال کو بیچنے کا ارادہ بن جائے تو ادھر ادھر بھٹکنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آخر کو ہم بھی تو تمہارے اپنے ہی ہیں۔ دیکھ لینا مارکیٹ سے کئی گنا زیادہ ہی دوں گا۔ شکوے شکایت کا موقع نہیں آئے گا۔"

"کیوں نہیں آپ کی بات شانزیب صاحب تک ضرور پہنچا دوں گا۔" میں نے جان چھڑواتے ہوئے کہا اور اس کی دکان سے باہر نکل آیا۔

جب میں واپس پہنچا شانزیب انکل اور رانی پور کے زمیندار کو آپس میں گفتگو کرتے دیکھا۔ خالی برتن دیکھ کر میں سمجھ گیا کہ اس زمیندار کی خدمت بھی کر دی گئی تھی۔ مجھے دیکھ کر دونوں نے چپ سادھ لی اور میری طرف متوجہ ہو گئے۔ میں نے پہلے ڈبہ اور پھر وہ کاغذ شانزیب صاحب کے سپرد کیا جس پر جوہری نے ان جواہرات کی قیمت لکھی تھی۔ شانزیب صاحب نے ایک سرسری نگاہ مارنے کے بعد وہ سب کچھ زمیندار کے سپرد کر دیا۔ زمیندار نے ڈبہ پکڑ کر لاپرواہی سے ایک طرف رکھ دیا اور کاغذ پر نگاہ ڈالی۔

"چلیں جی یہ سب کچھ تو ہو گیا اب آپ یہ بتائیے کہ آپ یہاں صرف ان سب کا ریٹ لگوانے کے لیے

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
Digitized by Google

آئے تھے یا اور کوئی کام ہے؟" شانزیب صاحب نے زمیندار کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"میں جانتا ہوں کہ اصل کام آپ کو کچھ اور ہی ہے۔ کیونکہ یہ ریٹ وغیرہ کا کام آپ خود بھی کر سکتے تھے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اب مزید وقت کا ضیاع کیے بنا آپ اپنا مدعا بیان کریں پلیز۔"

"بے شک میرے آنے کی وجہ خاص ہی ہے۔" اس زمیندار نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

میں نے ایک بات بہت قریب سے محسوس کی کہ اتنی دیر میں میں نے اس زمیندار کو پلکیں جھپکاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ پھر اس کے دیکھنے کا انداز ایسا تھا۔ جیسے وہ ابھی اٹھ کے شانزیب صاحب کو کچا چبا ڈالے گا۔

"تم ہماری جاگیر رانی پور کے قریب سے ایک بار گزرے تھے۔ بلاشبہ تم بستی کے اندر داخل نہیں ہوئے تھے۔ لیکن اگر تم ہماری جاگیر میں داخل ہوتے تو ہمارے آدمی فوراً سے بھی پیشتر تمہیں ہم تک پہنچا دیتے اور ہماری ملاقات ضرور ہو جاتی۔ ہم نے تمہاری تعریف سنی ہے کہ تم اچھے مصور ہو۔ خیر یہ الگ بات ہے۔

تمہارے قافلے نے ہماری بستی سے باہر پڑاؤ ڈالا تھا۔ ایک خاص وجہ کی وجہ سے ہم خود بھی تم سے ملنے نہ آسکے لیکن ہمیں تمہاری موجودگی کا علم ضرور ہو گیا تھا۔ تمہارے ساتھ تمہارا ایک خادم اور تمہاری بیٹی انوسہ بھی تھی۔ ہم نے تمہاری دختر کو دیکھا اور اسے پسند کیا۔ وہ حسن و جمال میں یکتا ہے اور اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتی۔ یہی نہیں وہ اس قابل بھی ہے کہ کسی بڑے گھرانے کی مالک بن سکے۔ اگرچہ میں بڑا جاگیردار نہیں ہو لیکن تم دیکھ چکے کہ ہمارے پاس پھر بھی بہت کچھ ہے۔ اگر تم اپنی دختر انوسہ سے ہماری نسبت طے کر دو تو......"

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ انکل کا پارہ عروج پر پہنچ گیا لیکن انہوں نے اپنی کیفیت پر قابو رکھا۔ گھر آئے مہمان کے ساتھ وہ کسی طور بھی کوئی بدتمیزی یا سختی برتنا نہیں چاہتے تھے۔ لیکن میرا من چاہ رہا تھا کہ میں پلک جھپکتے میں اس بوڑھے کی تکہ بوٹی ایک کر دوں۔ اس کی اس جرأت پر میرا خون کھول رہا تھا۔ رانی پور کا زمیندار گویا اپنے مال و زر کے عوض انوسہ کو خریدنے آیا تھا۔ میں کبھی شانزیب انکل اور کبھی اس زمیندار کو دیکھتا مجھے پوری امید تھی کہ انکل ابھی کے ابھی اس کا قلع قمع کر دیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا۔

"مجھے ٹھیک سے یاد نہیں کہ آپ کس وقت کے پڑاؤ کی بات کر رہے ہیں؟" شانزیب انکل گویا ہوئے۔

"لیکن میں اپنی دختر کی زندگی کا فیصلہ خود نہیں کر سکتا نہ ہی میں نے اس سے متعلق کوئی فیصلہ آج تک اپنی مرضی سے لیا ہے۔ میں آپ کی بات پر غور و فکر کروں گا۔ اور اس سلسلے میں اپنی دختر سے ضرور مشورہ لوں گا کیونکہ زندگی اس نے گزارنی ہے اور میں بنا اس کی اجازت اور مرضی کے کوئی بھی قدم نہیں اٹھانا چاہتا۔"

"دروغ گوئی سے مت کام لو شانزیب۔" بوڑھا تقریباً بھڑک کر بولا۔

اس کی جرأت پر [illegible] اور شانزیب انکل کے صبر اور برداشت پر حیرانگی ہو رہی تھی۔

بوڑھے کے نتھنے عالم طیش میں آکر پھڑکنے لگے تھے۔ آنکھیں جو پہلے ہی انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔ لال انگارہ ہو گئی تھیں۔ اس کی خوفناک آواز گویا حویلی کے در و دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر گونجنے لگی تھی۔ یوں لگا جیسے ایکس اتھ سینکڑوں بارود جیں چلا رہی ہوں۔

"میں سب سمجھتا ہوں تمہاری ان چال بازیوں کو، تم اس کے ہر طرح سے سرپرست ہو۔ بولو کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔ اگر تم چاہو تو سب کچھ ممکن ہے۔ کیسے ممکن ہے کہ تمہاری مرضی کے آگے تمہاری دختر انکار کی جرأت کر جائے۔ انوسہ کو تمہارے حکم سے سرتابی کی مجال ہی نہیں ہو سکتی اور مجھے وہ پسند ہے۔ میں اسے بہر صورت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔"

نجانے اس کی آنکھوں میں ایسا کیا سحر تھا کہ شانزیب انکل اس کی بدتمیزی کا کوئی جواب نہ دے پائے تھے۔ میں حیرت کے سمندر میں غوطہ زن کبھی شانزیب انکل اور کبھی اس زمیندار کو دیکھے جا رہا تھا۔ کیسا عجیب اور حیرت انگیز لمحہ تھا۔ میرے تو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں مفقود پڑ چکی تھیں۔

"ہمارا حسب نسب بھی تم سے بہتر ہے شانزیب۔"

رانی پور کے زمیندار کی آواز ایک بار پھر گونجی۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک کاغذ اور قلم نکالا۔

"اس پر دستخط کرو۔ اس کے مطابق تم اپنی بیٹی کی شادی صرف مجھ سے ہی کرو گے۔ اس کے بدلے میں تمہارے پاس لاکھوں کے جواہرات رکھے جا رہا ہوں۔ دیکھو کوئی بحث مباحثہ نہیں چلے گا۔"

اس نے وہ کاغذ سامنے ٹیبل پر پھیلا دیا اور میں نے دیکھا کہ شانزیب انکل نے فوراً سے بھی پیشتر اس [illegible] لیکن [illegible] میرے سامنے بھاجان انسان وہی شانزیب ہے جو اپنی دختر کی ہر خواہش کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے۔ لیکن آج نجانے اسے کیا ہو گیا تھا۔ ایک انجان شخص سے اس نے اپنی دختر کی نسبت طے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ جس سے اس کی جان پہچان تھی نہ کوئی رشتہ تھا۔

"نوجوان۔"

میں اپنے خیالوں میں گم کھڑا تھا کہ اس رانی پور کے زمیندار کی آواز نے مجھے چونکایا تو میں اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"ادھر آؤ اور تم بھی یہاں دستخط کرو۔ اس سب میں تم ہمارے گواہ ہو۔"

میں نے پہلے اس زمیندار کو دیکھا اور پھر شانزیب انکل کو جنہوں نے سر ہلا کر مجھے اس زمیندار کی بات ماننے کا حکم صادر فرمایا۔ میرا دل کرچیاں کرچیاں ہو کر رہ گیا۔ دل کر رہا تھا کہ میں اس کاغذ کی کرچیاں کرچیاں کر ڈالوں۔ ایک باپ اپنی اولاد کے ساتھ اتنا ظلم کر سکتا ہے لیکن میں اپنی جان کے ساتھ کیسے اتنا بڑا ظلم کر سکتا تھا۔ میں نے اس گھر کا نمک کھایا تھا۔ اور وہ نمک میرے قدموں کو زنجیر کی مانند جکڑے ہوئے تھا۔ چار و ناچار میں نے بھی اس کاغذ پر دستخط کر ڈالے۔

"شانزیب کل رات میں ٹھیک نو بجے تمہارے گھر پہنچ جاؤں گا۔ مجھے دوبارہ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہمارے درمیان جو تحریری معاہدہ ہوا ہے تم اس کی پابندی کرو گے۔"

بوڑھا شانزیب کو گھورتے ہوئے بولا اور پھر کاغذ لپیٹ کر اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازے کے پاس جا کر وہ رک گیا اور اس نے پہلی بار بھرپور انداز میں مجھے دیکھا۔ میری نگاہیں بھی اسی پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اس نے مجھے ایسے دیکھا جیسے میری بے بسی پر اسے ترس آ رہا ہو۔ اس کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔ زیر لب مسکراتا ہوا وہ وہاں سے نکل گیا۔ اس کی اس حرکت پر میرے تن من میں گویا آگ سی لگ گئی۔

"تمہارا کیا خیال ہے برخوردار انوسہ کی شادی اس شخص سے کیسی رہے گی؟" شانزیب انکل نے پوچھا۔

میں نے ایک کھا جانے والی نگاہ شانزیب انکل پر ڈالی۔ اب یہ سوال پوچھنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میرا دل کر رہا تھا کہ شانزیب انکل کی گردن دبوچ ڈالوں۔ انہوں نے پلک جھپکتے میں اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا جس کی میں کبھی کسی طور بھی ان سے توقع نہ کر سکتا تھا۔ میں نے شانزیب انکل کی بات پر بمشکل تمام اپنی کیفیت پر قابو پایا۔ ممکن تھا تھوڑی سستی برتتا تو آنسو چھم چھم میری آنکھوں سے برسنا شروع ہو جاتے۔ لیکن اس ضبط کے باوجود میرے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ایک سرد آہ نکل گئی۔ میرے لیے یہاں مزید رکنا بہت وقت طلب ہو رہا تھا۔ میں شانزیب انکل سے اجازت لے

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

کر باہر راہداری میں آ گیا۔

میرے باہر نکلنے کے بعد شانزیب انکل باہر نکلے۔ ان کے ہاتھوں میں جواہرات سے بھرا ڈبہ بھی تھا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایک ایسا انسان جسے میں اپنا محسن گردانتا تھا۔ پیسے کا اتنا بڑا پجاری ہوگا۔ مال وزر کی خاطر اس نے اپنی دختر کے مستقبل کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ میں نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایک کھا جانے والی نگاہ شانزیب انکل کی طرف دوڑائی۔ ڈبہ سنبھالے وہ سیدھا انوسہ کے کمرے کی طرف بڑھے اور پھر اندر داخل ہوگئے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں بھی ان کے پیچھے ہولیا اور انوسہ کے کمرے کے باہر دروازے کے پاس دیوار سے لگ کر کھڑا ہوگیا تاکہ باپ بیٹی کے درمیان ہونے والی گفت وشنید سن سکوں۔

''کیسی ہو میری بچی؟'' شانزیب انکل نے اندر داخل ہوتے ساتھ ہی انوسہ سے پوچھا۔

''پہلے سے ٹھیک ہوں بابا۔'' انوسہ نے جواب دیا۔

''بابا اپنے دوست ڈاکٹر سے رابطہ کیجئے گا۔ نہ جانے کیوں میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ اندر ہی اندر ہوک سی اٹھتی محسوس ہوتی ہے۔ جیسے کچھ ہونے والا ہے۔ کسی طور بھی چین میسر نہیں آرہا۔ ہر وقت سر چکراتا رہتا ہے اور بھیانک خواب آتے رہتے ہیں۔''

''لیکن مجھ سے اس بارے میں کسی نے بھی کوئی تذکرہ نہیں کیا۔'' شانزیب انکل نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''خیر صبح ہوتے ساتھ ہی میں ڈاکٹر کو بلواؤں گا تاکہ تمہیں اچھی طرح سے چیک کرے اور بتائے کہ اس کی کیا وجہ ہے؟''

''ہوں۔'' انوسہ نے سر ہلایا۔

''تمہارے لیے ایک نوید لے کر آیا ہوں۔'' شانزیب انکل نے انوسہ کو مخاطب کیا تو میرا دل دھک سے رہ گیا۔

''میری پیاری بیٹی تم اس بات سے تو آشنا ہو ہی کہ میرے لیے اس دنیا میں تم سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہے۔ میں نے تمہارے لیے ایک ایسے آدمی کا انتخاب کیا ہے۔ جو تمہیں بہت زیادہ پسند کرتا ہے۔ شاید مجھ سے بھی زیادہ۔ وہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے گا۔ اس کے پاس مال وزر کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ آج وہ بذات خود میرے پاس آیا تھا۔ یہ دیکھو...... تمہارے لیے وہ کتنے نادر ہیرے جواہرات سے بنے زیورات لایا ہے۔ جانتی ہو وہ رانی پور کا زمیندار ہے۔ بڑا وجیہہ اور پر رعب انسان ہے۔ میں تو یقین مانو اس کی شخصیت سے اچھا خاصا متاثر ہوا ہوں۔ اور اتنا جانتا ہوں کہ تم بھی ایک نظر اسے دیکھو گی تو دنگ رہ جاؤ گی۔''

اتنا کہہ کر شانزیب انکل نے وہ ڈبہ انوسہ کی طرف بڑھایا لیکن انوسہ نے اسے ہاتھ تک نہ لگایا تو خود شانزیب انکل نے اس میں سے ہیرے جواہرات نکال نکال کر اسے دکھانے شروع کردیے۔ انوسہ نے ایک دم دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر دھواں دھار رونا شروع کردیا تھا۔ انوسہ دھواں دھار رو رہی تھی جبکہ شانزیب انکل ...... زن اسے تکے جارہے تھے۔

''کیا ہوا بیٹی؟'' شانزیب انکل نے انوسہ کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھو والدین تو ہمیشہ اپنی اولاد کا بھلا ہی چاہتے ہیں۔ میں بھی یہ سب تمہارے بہتر مستقبل کیلئے کیا ہے۔ ایک نہ ایک دن تو تمہیں شادی کرنی ہے تو پھر اتنے اچھے رشتے سے انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ تم میری لاج رکھو گی بیٹی۔ کل شب نو بجے وہ دوبارہ آئے گا۔ اسی وقت تمہارا اور اس کا نکاح بھی ہوجائے گا اور تمہیں رخصت ہونا ہے۔''

انوسہ نے کوئی جواب نہ دیا بس روئے جارہی تھی۔ جواب دینے کا موقع بھی کہاں دیا گیا تھا۔ پلک جھپکتے میں اس کے حسین خواب چکنا چور ہوچکے تھے۔ میں نے شانزیب انکل کو اپنی جگہ سے اٹھتے

ہوئے دیکھا تو میں تیزی سے چلتا ہوا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ میری ساری رات کروٹیں بدلتے بیت گئی۔ نیند آتی بھی تو کیسے؟ خوابوں کے حسین شیش محل نیست ونابود ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ دوسری طرف شانزیب انکل نے متواتر انوسہ کو سمجھانا بجھانا شروع کردیا تھا۔

میں علی الصبح اٹھ کر حویلی سے باہر نکل گیا تھا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کروں تو کیا کروں۔ حالات اتنی جلدی کروٹ بدل سکتے ہیں میں نے تو کبھی تخیل میں بھی نہ سوچا تھا لیکن جو ہونا تھا وہ تو ہوچکا تھا۔ پانی سر سے گزر چکا تھا۔

دوپہر کے وقت جب میں حویلی میں داخل ہوا تو اتنا مضمحل اور نحیف دکھائی دے رہا تھا کہ شانزیب انکل میری حالت دیکھ کر حیران وششدر رہ گئے۔ میری آنکھیں سوجی ہوئی، بال بکھرے ہوئے اور لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ شانزیب انکل نے آگے بڑھ کر مجھے ہاتھ سے پکڑا۔ میرے بری طرح سے پھنکتے بدن سے گویا آگ نکل رہی تھی۔

''برخوردار کیا ہوا ہے؟'' شانزیب انکل نے حیرت سے پوچھا۔

''تمہیں تو اتنا زیادہ بخار ہے۔ میں ابھی ڈاکٹر کو بلواتا ہوں۔ انوسہ کی طبیعت بھی تھوڑی خراب ہے۔ وہ اسے بھی چیک کرجائے گا اور تمہیں بھی۔''

تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر نے چیک اپ کیا اور دوائی دی۔ جلد ہی بخار نے جان چھوڑ دی۔ شانزیب انکل میرے کمرے میں آ گئے۔

''برخوردار آج تمہارے سر پر کچھ ذمہ داریاں عائد کررہا ہوں۔'' شانزیب انکل نے اندر داخل ہوتے ساتھ ہی کہا۔

''میرے ساتھ ہاتھ بٹاؤ۔ انوسہ کی شادی کے انتظامات مکمل کررہا ہوں۔ باہر صحن میں مہمانوں کے لیے نشستوں کا انتظام بھی کرنا ہے۔ کام جاری ہے بس تم وہاں بیٹھ کے کام کرواتے رہنا کہ کسی قسم کی کوئی کمی کوتاہی باقی نہ رہے۔''

میں منہ سے تو کچھ نہ بولا بس شانزیب انکل کی بات سن کر سر ہلا دیا۔ وہ جتنی جلدی میں آئے تھے اتنی ہی جلدی میں کمرے سے باہر نکل گئے۔ دولہا کے لیے ایک عظیم الشان مسند تیار کروائی گئی۔ رکاب دار کھانے پکانے میں مگن تھے۔ نو بجنے میں کچھ منٹ باقی رہ گئے تھے۔ میرا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ میری محبت چند منٹوں کی دوری پر تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہونے والی تھی۔ ایک عجب بے قراری نے ایک بار پھر قلب وذہن کو اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔ میرا من چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دوں۔ شانزیب انکل کے قدموں میں گر جاؤں اور اپنی محبت کی بھیک مانگوں لیکن میں جانتا تھا کہ ہوس کے مارے اس شخص کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگے گی۔

رانی پور کے زمیندار کی ہدایت کے مطابق سر شام ہی مہمانوں کو فارغ کردیا گیا تھا۔ بس بعد میں نکاح خوان، قاضی اور اس کے دو شاگرد شانزیب انکل اور میں رہ گئے تھے۔ قاضی سے بھی طے پاچکا تھا کہ رسم نکاح پوری ہوتے ساتھ ہی وہ بھی چلتا بنے گا۔ جونہی نو بجے...... حویلی میں ایک عجیب سا ہیبت ناک سکوت طاری ہوگیا۔ ہر شخص کو ایک عجیب اوران دیکھے خوف نے اپنی گرفت میں جکڑ لیا تھا۔ شعلوں اور فانوسوں کی تیز روشنی کے باوجود بھی ہر فرد سہم سا گیا تھا۔ خود شانزیب انکل کی حالت بھی دیدنی تھی۔ یکبارگی بیرونی دروازہ کھلنے کی بازگشت سنائی دی۔ دونوں بھاری دروازے گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ الگ ہوئے اور پھر صحن میں چاپوں کی بازگشت گونجنے لگی۔ دوسرے ہی لمحے نشست گاہ میں رانی پور کا زمیندار اپنی پوری شان وشوکت کے ساتھ موجود تھا۔ نشست گاہ میں موجود ہر کس وناکس اس کے استقبال کے لیے کھڑے ہوگئے تھے۔ حسب معمول اس کا لباس سر سے پیر تک سیاہ تھا۔ یہی نہیں اس نے

https://www.urdutubes.com/

ہاتھوں پر دستانے پہنے ہوئے تھے وہ بھی سیاہ تھے۔ اس کے علاوہ اس کی جوتی اور جرابوں تک کا رنگ سیاہ تھا۔ سونے پہ سہاگا جو چھڑی اس نے پکڑ رکھی تھی وہ بھی سیاہ رنگ کی تھی۔

شانزیب انکل نے لپک کر اس کا استقبال کیا اور اسے عالیشان مسند پر بٹھایا۔ وہ کسی بادشاہ کی طرح مسند پر براجمان ہوگیا۔ زمیندار نے جوتے تک اتارنے کی زحمت گوارہ نہ کی تھی۔ وہ حقارت بھری آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر اونچی آواز میں اس نے شانزیب انکل کو مخاطب کیا۔

"میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ رسم نکاح فوراً ادا کی جائے۔"

"بہت بہتر۔" شانزیب انکل نے کسی نوکر کی طرح دست بستہ ہوکر کہا۔

میرا دل بری طرح سے دھڑک رہا تھا۔ میں اس خالق کی طرف سے کسی کرشمے کا طلب گار تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب میرا اللہ تعالیٰ ہی میرا حامی و ناصر ہے۔ اس کی رحمت اور نظر کرم سے ہی یہ بلا ٹل سکتی ہے ورنہ میری محبوبہ ہمیشہ کے لیے مجھ سے جدا ہو جائے گی۔ میرا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔

قاضی صاحب نے شانزیب انکل کا حکم پاتے ساتھ ہی خطبہ نکاح پڑھنا شروع کردیا۔ ایک لاکھ روپے حق مہر کے عوض انوسہ کا نکاح رانی پور کے زمیندار سے طے ہوگیا۔ اس تمام عرصہ میں رانی پور کے زمیندار نے ایک بار پھر پلکیں نہ جھپکائی تھی۔ نجانے کیوں میری نگاہیں اس پر ہی جمی ہوئی تھیں اور میں اس بات سے حد سے زیادہ حیرت زدہ تھا کہ وہ پلکیں نہیں جھپکا رہا تھا۔ میں نے سنا تھا کہ ناگ پلکیں نہیں جھپکاتے۔ کہیں ایسا تو نہیں تھا کہ رانی پور کا یہ زمیندار ایک صدی کے بعد انسانی روپ دھار کر یہاں براجمان تھا لیکن پھر خود ہی اپنے اس احمقانہ خیال پر ہنس دیا۔

نہ اس زمیندار نے کھانا کھایا اور نہ کچھ۔ رسم نکاح ختم ہوتے ساتھ ہی وہ اپنی جگہ پر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"تمہاری حویلی کے باہر میری بگھی تیار کھڑی ہے۔ ہمیں فوراً نکلنا ہے۔ راستہ بہتر نہیں ہے۔" رانی پور کے زمیندار نے کہا اور شاہانہ چال چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ جلد ہی میرے سپنوں کی رانی، میری محبوبہ اس حویلی کی رونق، میرے دل کی دھڑکن میری آنکھوں کے سامنے آنکھوں میں نیر و بھرے اس رانی پور کے زمیندار کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ انوسہ نے ایک بار صرف مڑ کر مجھے دیکھا۔ اس کی شہد رنگ آنکھوں میں چھلکتے آنسوؤں نے میرا دل کرچی کرچی کرکے رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں میرے لیے نفرت اور غصہ عیاں تھا۔ اس کی وجہ میں اچھے سے جانتا تھا۔ یہ میری کوتاہی کا ہی نتیجہ تھا کہ آج میری محبوبہ کسی اور کے ساتھ شادی کرکے جارہی تھی۔ وہ کون تھا۔ کیا کرتا تھا؟ یہ سب جانے بنا ہی اس کی شادی کردی گئی تھی۔ صرف اس شخص کی فرضی باتوں اور مال و زر نے شانزیب انکل جیسے انسان کے قدموں تلے زمین کھینچ لی تھی۔ میں نے تو کبھی تخیل میں بھی نہیں سوچا تھا کہ شانزیب انکل [illegible] اتنے گھٹیا اور ہوس زدہ انسان ہوں گے۔

سب کچھ میری آنکھوں کے سامنے ہوا لیکن میں کچھ بھی نہ کرسکا۔ آج ایک عرصے بعد اپنی بے بسی اور بے چارگی پر پھوٹ پھوٹ کر رونے کو من چاہ رہا تھا۔ کتنی ہی دیر تک میں اپنے کمرے میں بند ہوکر روتا رہا تھا۔ مرغ بسمل کی سی حالت ہو چکی تھی لیکن اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت کے موافق پانی سر سے اوپر جا چکا تھا۔

وقت پر لگا کے گزرنے لگا۔ دنوں نے ہفتوں اور ہفتوں نے مہینوں کا روپ دھارنا شروع کردیا لیکن اس تمام عرصے میں ایک بار بھی انوسہ کی کوئی خبر نہ آئی۔ میرا ایک ایک پل انوسہ کی یاد میں بیتتا تھا۔ انوسہ کے الفت بھرے چہرے کو تکنے کے لیے من بہت چاہتا تھا لیکن وہ تو ایسے اس گھر سے گئی تھی۔ جیسے اس کا اس گھر سے اب کوئی واسطہ تعلق ہی نہ رہا تھا۔

خود شانزیب انکل بھی اب کافی مضطرب رہنے لگے تھے۔ میرا دل کئی بار چاہا کہ ان سے اس ٹاپک پر کچھ لب کشائی کروں لیکن نجانے کیوں اس پتھر انسان سے بات کرنے کو بھی من نہیں چاہتا تھا۔

ایک شام میں آنگن میں رکھی کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے براجمان تھا۔ دونوں پیر میں نے سامنے رکھے میبل پر رکھے ہوئے تھے۔ مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ کب شانزیب انکل آکر میرے پاس بیٹھ گئے۔

"برخوردار۔" شانزیب انکل نے مجھے مخاطب کیا تو میں یوں چونکا جیسے انسان خواب سے چونک کر بیدار ہوتا ہے۔

میں نے ان کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا اور ان کی موجودگی پر شرم بھی محسوس ہوا کہ ان کی موجودگی کا مجھے علم نہ ہوسکا تھا۔

"معذرت چاہتا ہوں انکل مجھے آپ کی موجودگی کا علم نہ ہوسکا۔" میں نے معذرت طلب لہجے میں کہا۔

"میں انوسہ کے لیے بہت بے چین ہوں۔ [illegible]

[illegible] ہو گیا تو میں بہت خوش ہوگیا۔

اتنا عرصہ ہوگیا وہ ایک بار بھی نہیں آئی نہ ہی ان کی طرف سے کوئی رقعہ ملا ہے۔ کیوں نہ چل کر اس کا حال احوال دریافت کیا جائے؟"

گویا شانزیب انکل بھی اس بات سے اسی طرح بے خبر تھے جیسے میں تھا۔ میں تو ہمیشہ یہ سمجھتا تھا کہ شانزیب انکل کو ضرور علم ہوگا یا وہ خود آتے جاتے ہوں گے لیکن آج ان کے منہ سے یہ بات سن کر میں اچھل پڑا تھا۔

"کیوں نہیں۔" میں نے فٹ سے جواب دیا۔

شانزیب انکل اور میں دونوں گاڑی میں حویلی سے نکلے۔ نکلتے سمے شانزیب انکل نے الطاف کو ضروری ہدایات دیں اور اس کے بعد ہم دونوں رانی پور کے زمیندار کے بتائے ہوئے ایڈریس پر چل پڑے۔ پورے راستے میں میرا دل بلیوں اچھلتا رہا۔ کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ایک لمبے عرصے بعد میں انوسہ سے کیسے ملاقات کرسکوں گا۔ کیا اب تک بھی وہ مجھ سے خفا ہوگی یا پھر......؟ میرے پاس میرے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ باوجود اس کے میرا ذہن ان گنت سوالوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

رانی پور کے زمیندار نے جو جگہ بتائی تھی وہاں پہنچتے پہنچتے ہمیں صبح ہوگئی تھی۔ شانزیب صاحب نے پہلے ہی بتایا تھا کہ سفر طویل ہے۔ راستے میں میں نے شانزیب صاحب سے گاڑی لے کر خود ڈرائیو کی اور انہیں سونے کے لیے کہا۔ انہوں نے بلاچوں چراں میری بات مانی اور پچھلی نشست پر سو گئے۔ پھر میں نے انہیں اس وقت اٹھایا جب ہم رانی پور کے زمیندار کے بتائے ہوئے ایڈریس پر پہنچ گئے۔

ہمارے سامنے ایک عالیشان محل نما مکان تھا۔ ڈور بیل دینے پر ایک ستر اسی سالہ بوڑھے نے گیٹ کے چھوٹے پٹ میں سے ہمیں گھورا اور پھر فوراً ہی چھوٹا پٹ کھول دیا۔ ہم لوگ اندر داخل ہوئے۔ ایک سائیڈ پر وہی بگھی کھڑی تھی جس میں میری محبوبہ دلہن بن کر اس زمیندار کے ساتھ آئی تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ جیسے جیسے ہم لوگ آگے بڑھ رہے تھے۔ ویسے ویسے میرے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہوتی جارہی تھی۔ وہ بوڑھا ہمیں ایک عالیشان ڈرائنگ روم میں لے گیا اور بٹھایا پھر خود بھی ہمارے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اور سوالیہ نگاہوں سے ہمیں تکنے لگا۔

"کیا میں آپ لوگوں کے آنے کی وجہ دریافت کرسکتا ہوں؟" بوڑھے نے اپنائیت بھرے انداز میں پوچھا۔

"میں انوسہ کا والد ہوں۔" شانزیب صاحب نے اپنا تعارف کروایا۔

بوڑھے نے بھنویں اچکا کر حیرت سے شانزیب صاحب کو دیکھا اور پوچھا: "کون انوسہ؟"

بوڑھے کی بات سن کر شانزیب صاحب اور میں

https://www.urdutubes.com/

دونوں ہی حیرت کے سمندر میں غوطہ زن رہ گئے۔
"رانی پور کے زمیندار کی اہلیہ انوسہ۔" شانزیب صاحب نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"آپ کھل کر اپنا مدعا بیان کریں۔" بوڑھے نے متواتر حیرت بھرے انداز میں کہا تو اس بار واقعی ہم دونوں گنگ رہ گئے۔
"یہ گھر رانی پور کے زمیندار کا ہی ہے ناں؟" شانزیب صاحب نے پوچھا۔
"رانی پور کے زمیندار کے ساتھ میری بیٹی کی شادی ہوئی تھی۔ وہ اسی بگھی پر جو آپ کی حویلی کی ایک سائیڈ پر کھڑی ہے اس میں بیاہ کر لایا تھا۔ وہ شادی کرنے اکیلا آیا تھا اور بقول اس کے وہ بہت امیر کبیر بھی تھا۔"
"لوہائی گارڈ۔" بوڑھے نے سر پکڑتے ہوئے کہا۔
"تو آپ اس حسین و جمیل دوشیزہ کے باپ ہو۔" بوڑھے نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا اور ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔
"کیا مطلب؟" شانزیب انکل نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔
"پہلے آپ لوگ یہ بتایئے کہ ٹھنڈا گرم کیا لیں گے۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں سے پوچھنا بھول گیا۔" بوڑھے نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔
"جب تک میں اپنی دختر سے نہ مل لوں مجھے کچھ نہیں کھانا پینا۔" شانزیب انکل روہانسے لہجے میں بولے۔
"پلیز بتایئے مجھے میری بیٹی کہاں ہے؟"
شانزیب انکل نے زور دیتے ہوئے پوچھا تو بوڑھے نے ایک بھرپور نگاہ ہم پر ڈالی۔
"میرا نام طاہر ہے۔" بوڑھے نے اپنا تعارف کروایا۔
"آج سے دو تین ماہ پہلے کی بات ہے۔ رات کافی ہو چکی تھی۔ تاریکی نے ہر شے کو اپنی گرفت میں جکڑ رکھا تھا۔ میرے بیٹے اور پوتے اس رات کسی تقریب میں گئے تھے۔ جبکہ میں یہاں تنہا اپنے گھر پر ہی موجود تھا۔ شاید آپ لوگوں نے دیکھا نہیں ہوگا کہ اس علاقے میں غروب آفتاب کا منظر دل موہ لینے والا ہوتا ہے۔
رات کا پچھلا پہر تھا جب بے چینی سی محسوس ہوئی اور میں ٹہلتا ہوا مکان سے باہر آ گیا۔ میرے گھر کا چوکیدار گیٹ سے باہر کھڑا ہو گیا تاکہ کوئی آفت ناگہانی برپا ہونے سے قبل اس پر قابو پایا جا سکے۔ میں سڑک پر اس طرف چل پڑا جو آگے رانی پور کی طرف جاتی تھی۔ ابھی میں چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ میں نے گھوڑوں کے دوڑنے کی آوازیں سنیں۔ [illegible] ہوئے اندھیرے میں مجھے ایک شاندار بگھی دکھائی دی۔ جو اسی سڑک پر آ رہی تھی۔ میں سرعت سے ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ شاندار بگھی مجھ سے کچھ فاصلے پر رک گئی۔ اس بگھی کے آگے سیاہ رنگ کے دو نہایت ہی قیمتی گھوڑے جتے ہوئے تھے۔
گھوڑے پسینے میں نہائے ہوئے تھے۔ جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ بگھی کافی دور سے یہاں آئی ہے۔ [illegible] بگھی میں سے [illegible] نمودار ہوا جس نے سیاہ رنگ کا لبادہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر اور بھاری مضبوط جسم کا مالک دکھائی دے رہا تھا۔ وہ چھلانگ لگا کر نوجوانوں کی طرح بگھی سے نیچے اترا۔ پہلے اس نے دونوں گھوڑوں کی پشت اور گردن پر باری باری ہاتھ پھیرا۔ تبھی میں نے دیکھا کہ گھوڑے اس کی قربت میں دہشت زدہ دکھائی دے رہے تھے۔ گھوڑوں کے منہ سے عجیب سی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں۔
پھر اس کوچوان نے بگھی کا دروازہ کھولا اور ہاتھ اندر بڑھایا۔ تھوڑی دیر بعد ایک نہایت ہی حسین و جمیل نازنین اس کے ہاتھ کا سہارا لے کر باہر نکلی۔ میں نے ایسی خوبصورت دوشیزہ زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ وہ عروسی جوڑا پہنے ہوئے تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت ہویدا ہو گئی کہ وہ زار و قطار روئے جا رہی تھی۔

"میری بچی۔" شانزیب انکل درد بھرے انداز میں بولے اور میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے اشک ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔
"مجھے معاف کر دینا میں نے تم پر کتنا بڑا ظلم ڈھا دیا ہے۔"
"کیا وہ آپ کی بچی تھی؟" بوڑھے نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں۔" شانزیب انکل نے درد کی شدت سے لبریز لہجے میں کہا۔
"وہ میری ہی بچی ہے...... میں ہی اس کا کم عقل باپ ہوں...... اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔"
شانزیب انکل فرطِ غم سے نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ مجھے شانزیب انکل کی حالت پر جہاں ترس آ رہا تھا وہیں غصہ بھی بہت آ رہا تھا۔ اس وقت تو ان کی آنکھوں پر لالچ کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ اس وقت انہیں یاد نہیں تھا کہ وہ اپنی دختر پر کتنا بڑا ظلم ڈھانے والے ہیں۔ اس معصوم کو ایک بوڑھے فریبی کے ہاتھوں میں [illegible] مال و زر دیکھ کر ان کی نیت میں فتور آ گیا۔ اس وقت تو رال ٹپکنے لگی تھی اور اب مگرمچھ کے آنسو بہائے جا رہے ہیں۔
"وہ شخص مجھے دھوکہ دے کر میری بیٹی کو بیاہ کر لایا ہے اور آج میں اس کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔ پلیز اگر تمہیں اس کے بارے میں کچھ معلوم ہے تو مجھے خبردار کرو۔"
"پہلے میری بات پوری سن لو۔" بوڑھے نے کہا تو شانزیب انکل چپ کر گئے۔
"میں اس درخت کی اوٹ سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ لڑکی بے تحاشہ رو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ساتھ وہ کوئی زور زبردستی کر کے اسے لایا ہے۔ لڑکی کی بے بسی اور بے چارگی پہ میرا لہو کھول اٹھا اور میں ایک دم سے ان کے سامنے پہنچ گیا۔ مجھے دیکھ کر وہ بوڑھا ٹھٹکا جب کہ لڑکی نے میری طرف رحم طلب نگاہوں سے دیکھا۔"
"کون ہے تو؟" اس بوڑھے نے کھا جانے والی آنکھوں سے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔
"تم کون ہو؟" میں جواباً اس سے سوال کیا۔
"اور تم اس لڑکی کو کہاں لے کے جا رہے ہو ضرور تم اس لڑکی کو اغواء کر کے لائے ہو جبھی تو یہ پیہم روئے جا رہی ہے؟"
"میری بات سن کر ایک زوردار طمانچہ اس بوڑھے نے میرے منہ پر رسید کیا۔ مجھے یوں لگا جیسے میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے تھے۔ مجھے اپنا سر گھومتا ہوا دکھائی دیا۔ بوڑھے کے اندر اتنی طاقت ہوگی میں نے قیاس بھی نہ کیا تھا۔ ایک کے بعد ایک اور طمانچہ مجھے لگا تو میں ہوش و حواس سے بیگانہ ہو کر زمین پر گرا۔
تھوڑی دیر تک میں اپنے حواس بحال کرتا رہا اور جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں اپنی کیفیت پر قابو پا چکا ہوں تو میں سرعت سے اٹھا لیکن اگلا منظر دیکھ کر میرے پیروں تلے زمین سرک گئی۔
وہ بگھی اپنی جگہ پر کھڑی تھی لیکن اس بوڑھے اور اس حسین و جمیل لڑکی کا دور دور تک کوئی اتہ پتہ نہ تھا۔ مجھے اچھے سے یاد ہے کہ زیادہ سے زیادہ کوئی ایک دو منٹ میں اس کیفیت میں مبتلا رہا تھا۔ اور اتنی دیر میں وہ گھوڑے کی سی رفتار سے بھی کسی اور جاتے تو بھی دکھائی ضرور دیتے لیکن وہ دونوں تو ایسے نو دو گیارہ ہو گئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔
میں آگے بڑھا اور بگھی کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا لیکن اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ میں اپنے گھر سے تھوڑا آگے نکل آیا تھا۔ شاید اسی لیے دروازے پر مستعد کھڑے واچ مین نے یہ سب کچھ نہیں دیکھا تھا۔ میں نے گھوڑوں کی باگ سنبھالی اور انہیں اپنے مکان میں لے آیا۔ اس دن سے آج تک یہ یہاں ہی موجود ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اس بگھی پر میں کئی بار سواری بھی کر چکا ہوں لیکن کوئی اس بگھی کو لینے کے لیے نہیں آیا۔

https://www.urdutubes.com/

بس یہی وہ حقیقت ہے جو میں نے آپ لوگوں کے سامنے عیاں کردی تھی۔ واللہ! اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔ ہاں البتہ اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ وہ بوڑھا جو کوئی بھی تھا لیکن وہ انسان نہیں تھا۔“

شانزیب انکل یہ ساری کہانی سن کر تقریباً پاگل ہوگئے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ اتنا کچھ سننے کے بعد مزید کچھ سننے کی سکت مجھ میں بھی نہ بچی تھی۔ میری محبوبہ نجانے کن حالات سے دوچار تھی۔ اے کاش کہ وقت پر میں نے اس کا ہاتھ شانزیب انکل سے مانگ لیا ہوتا تو آج میری محبوبہ میری انوسہ ان دگرگوں حالات سے دوچار نہ ہوتی۔ نجانے وہ کون تھا؟

اس خیال کے ذہن میں آتے ساتھ ہی میرے دماغ میں شاستری اور آصف میلو کے الفاظ گونجنے لگے جو انہوں نے بوقت اجل کہے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ شاستری اور آصف میلو کا اشارہ اسی بڈھے کی طرف تھا۔ اگر ایسا ہے تو میری انوسہ کا نجانے ان عفریتوں نے کیا حال کیا ہوگا۔ اب تک تو دو تین ماہ کا طویل عرصہ بیت چکا تھا نجانے انہوں نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہوگا۔ میرا دل موم کی طرح پگھلنے لگا تھا۔ میرا من چاہا کہ ساتھ بیٹھے شانزیب انکل کی گردن دبا ڈالوں۔ یہ سب کچھ انہی کی وجہ سے ہی تو ہوا تھا۔

وہ بڈھا بھلا انسان ہو ہی کیسے سکتا ہے کیونکہ میں نے خود اچھی طرح سے دیکھا تھا کہ اس کی آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں۔ اب مجھے یقین ہو چکا تھا کہ میں نے جو کچھ بھی دیکھا تھا وہ سب کچھ حقیقت پر مبنی تھا۔ اس کے اندر دروغ گوئی یا وہم کا کوئی گمان تک نہ تھا۔

ہم اس بوڑھے مہمان کے گھر سے واپس آگئے۔ تقریباً دن کے دو بجے ہم لوگ گھر پہنچے۔ پورے راستے میں گاڑی میں ہی ڈرائیو کرتا آیا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ شانزیب انکل جس قدر مضطرب ہیں۔ کوئی انہونی رونما نہ ہوجائے۔ بے شک میں خود بھی غم سے نڈھال تھا لیکن میں نے پھر بھی اپنی کیفیت پر قابو پا رکھا تھا جبکہ شانزیب انکل کی آنکھوں میں آئے گوہر ہائے آبدار میری آنکھوں سے پنہاں نہ تھے۔

کتنے ہی دن تک ہم لوگ انوسہ اور اس کے پراسرار شوہر کو تلاش کرتے رہے۔ خفیہ ایجنسیوں سے بھی مدد طلب کی لیکن بے سود۔

جاڑے کے اوائل دن شروع ہوگئے تھے۔ موسم میں ابھی سے کافی تبدیلی محسوس ہونے لگی تھی۔ کمرے سے باہر قدم رکھنے کی دیر ہوتی دانت بجنا شروع ہوجاتے۔ کتنے ہی مہینے گزر چکے تھے لیکن کوئی استفادہ نہ ہو پارہا تھا۔ میری انوسہ نجانے کس حال میں تھی۔ ان سب کا قصوروار صرف شانزیب انکل کو ہی ٹھہرا رہا تھا ... میں کوئی دروغ گوئی کا عنصر بھی موجود نہ تھا کیونکہ انوسہ پر آنے والی اس افتاد کے ذمہ دار ... ہی تھے۔

ایک سر شام شانزیب انکل اور میں دونوں رات کے کھانے سے فارغ ہوکر آتش دان کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ قبل اس کے کہ ہم میں سے کوئی بھی گفتگو کا آغاز کرتا اچانک صدر دروازے پر زور زور سے دستک ہونے لگی۔ ہم دونوں نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اتنی دیر میں بوڑھا طاہر تقریباً دوڑتا ہوا صدر دروازے ... ہوئے ... سی سرعت سے اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہونے والی ... کر ہمیں اپنے دل ڈوبتے ہوئے محسوس ہوئے ... اور نہیں میری محبوبہ انوسہ تھی۔ جس کی حالت دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئی تھیں۔ میرے بدن میں ... کی گردش تیز ہوگئی تھی۔ انوسہ کا لباس پھٹا ہوا تھا۔ ... کے جابجا چیتھڑے لٹک رہے تھے۔ ... اتنا مرجھایا ہوا تھا کہ یقین نہیں ہورہا تھا کہ یہ وہی ہے۔ جو کبھی اس حویلی کی رونق ہوا کرتی تھی اور آج اس کے چہرے پر بے رونقی عیاں تھی۔ صدر دروازے کے باہر مجھے کاشف دکھائی دیا۔ شاید وہ انوسہ کو چھوڑ کر اندر تک لایا تھا۔ انوسہ کو چھوڑ کر وہ دبے قدموں لوٹ گیا تھا۔ اس کے لوٹتے ساتھ ہی بوڑھے طاہر نے صدر دروازے کو بند کردیا تھا۔

(جاری ہے)

بھیانک منظر

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس سے زیادہ اور ہیبت ناک منظر انہوں نے کبھی نہ دیکھا تھا خوف و دہشت سے ان کے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی تھی سب سے زیادہ حیرانی یہ تھی کہ انسانی جسم سے ہاتھ پیر اور گردن کو غائب کر دیا گیا تھا، لیکن پھر بھی دھڑ زندہ تھا

ایک ظالم کی خوفناک دہشت ناک اچھوتی انوکھی اور ناقابل فراموش دل دہلاتی کہانی

پیشے کے اعتبار سے میں ایک ڈاکٹر ہوں۔ ایک ... کیا؟ ڈرائیور کے ساتھ کار میں جارہا تھا۔ کیونکہ کچھ دیر پہلے مجھے شہر کے ایک معزز تاجر کی بیوی نے فون کیا تھا کہ اس ... دق ... کا مریض ہے اور اس کی حالت خراب ... کا وقت تھا موسلا دھار بارش ہورہی تھی۔ میری کار ... سے سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ اس طوفانی بارش میں ہم ... بھٹک گئے۔ اور میں کسی نامعلوم راستہ پر چل پڑا۔ ... دور نکل جانے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ میں راستہ بھول گیا ہوں۔ میں نے کار روک دی۔ اس طوفانی اور سیاہ ... میں ہم نے راستہ پہچاننے کی کوشش کی مگر بے سود،

ہمیں یہ جان کر بڑی پریشانی ہوئی کہ ہم آبادی سے دور نکل آئے ہیں اور اب ایسے میدان میں کھڑے ہیں۔ جہاں پناہ لینے کے لئے دور تک کوئی سایہ نظر نہیں آتا تھا۔

اچانک دور ہم کو ایک روشنی دکھائی دی۔ جو ایک مکان کی کھڑکی سے جھلملا رہی تھی۔ ہم نے اپنی برساتیاں پہنیں۔ اور کار کو وہیں چھوڑ کر روشنی کی طرف بڑھے۔ پانی کے گڑھوں میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے اس مکان کے سامنے پہنچے۔ لال پتھر کی بنی یہ ایک خوشنما عمارت تھی۔ اس کی بالائی منزل کی کھڑکیوں سے مدھم روشنی چھن کر آرہی تھی۔ ہم اس مکان کے دروازے پر پہنچے اور دروازہ

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

کھٹکھٹانے کا ارادہ کیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ ہم اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہناتے دروازہ خود بخود کھل گیا۔

مجھے اور میرے کمپاؤنڈر کے منہ حیرت سے کھلے رہ گئے۔ ہم دروازہ کے اندر داخل ہوئے۔ ایک شاندار اور وسیع ہال ہمارے سامنے تھا۔ بڑے بڑے ستونوں پر کھڑا یہ ہال جدید ترین سجاوٹ و آرائش سے آراستہ تھا خوشنما مشرقی قالین بچھے ہوئے تھے۔ لیکن اس ہال میں ہمارے علاوہ کوئی دوسرا افراد موجود نہیں تھا۔

ہم ابھی پہلی حیرانی سے سنبھل نہیں پائے تھے کہ ہمارے ذہن کو دوسرا جھٹکا لگا۔ اچانک مگر بڑی خاموشی سے دروازہ جس سے ہم اندر داخل ہوئے تھے۔ خود بخود ہی بند ہوگیا۔ میں تیزی سے پیچھے کی طرف مڑا تاکہ دروازہ کھول کر ہم باہر جاسکیں، میں نے ہینڈل کو ادھر ادھر گھوڑا۔ مگر دروازہ مقفل ہوچکا تھا۔

ہمیں پہلی بار محسوس ہوا کہ ہم کسی عظیم خطرہ میں گھر گئے ہیں۔ کمپاؤنڈر نے مجھ سے بڑی حیرت کے ساتھ کہا۔

"ہم اگر باہر بارش ہی میں ٹھہرے رہتے تو کتنا اچھا ہوتا۔"

"کچھ بھی اچھا نہ ہوتا میرے دوست!"

ایک بھاری بھرکم پارعب آواز ہال کے ایک کونے میں گونجی ایک پروقار بڑھا شخص ہال کے دوسرے کونے پر اوپر جانے والے زینہ کے قریب سے بول رہا تھا۔ "محترم دوست! آپ کی یہاں آمد میرے لئے خدا کے انعام سے کم نہیں ہے۔"

اور وہ شخص ایک شاہانہ چال کے ساتھ ہماری طرف بڑھا۔ وہ پاجامہ اور گاؤن زیب تن کئے ہوئے تھا۔ اس کے پاؤں میں مراکش کے بنے ہوئے شاندار چپل تھے اور اس کے سر کے سفید بالوں پر ریشم کی پھولدار ٹوپی تھی۔ اس نے ایک نظر مجھ پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟"

اور تب میں نے اس آدمی سے اپنا اور اپنے کمپاؤنڈر کا تعارف کرایا۔

وہ آدمی بولا۔ "جناب میں آپ کو مارسٹن ہال میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ دراصل میری بیٹی بہت بیمار ہے۔ اور میں بوڑھا ہونے اور اس کوٹھی میں ٹیلی فون نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ابھی تک کوئی طبی امداد نہیں پہنچا سکا، براہ کرم آپ میری بیٹی کو طبی امداد دینا پسند کریں گے؟"

اس بوڑھے کے ساتھ ہم سیڑھیاں چڑھ کر خوب صورت گیلریوں سے ہوتے ہوئے ایک کمرے میں پہنچے۔ وہاں ایک آرام دہ بستر پر پندرہ سالہ ایک لڑکی لیٹی تھی۔ یہ لڑکی تکلیف کی شدت سے بار بار کروٹیں بدل رہی تھی۔ اور کراہ رہی تھی، میں نے پوچھا کہ "اس کو کیا تکلیف ہے؟"

اس بوڑھے نے بتایا کہ "یہ نیند کی بیماری کا شکار ہے۔ اس پر نیند کے دورے پڑتے ہیں اور پھر اس کو جگایا نہیں جاسکتا۔"

میں نے اپنا تجربہ کار ہاتھ لڑکی کے چہرہ، آنکھوں، گردن اور کان پر پھیرا میں نے اس کی نبض کو ٹٹولا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرے جسم کو بجلی کا کرنٹ چھو گیا ہو، کمپاؤنڈر نے میری طرف دیکھا اور وہ میری غیر معمولی پریشانی کو بھانپ گیا۔

گھر میں ابھی ایک [illegible] سنبھل [illegible] پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "[illegible] ٹھیک ہے [illegible] اکثر ہو جاتی ہے میں اس کو ایک انجکشن سے ٹھیک کر دیتا ہوں امید ہے آپ کی بیٹی صبح تک ٹھیک ہو جائے گی۔" اور پھر میں نے لڑکی کے منہ میں دوا کی ایک خوراک انڈیل دی۔ اور ایک انجکشن اس کے خوب صورت بازو میں لگا دیا۔

بوڑھے نے اس کے بعد ہم دونوں کو ایک کمرہ میں آرام کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جہاں میں نے اپنے [illegible] کو بتلایا۔ "وہ لڑکی بیمار نہیں ہے۔ اس کو بے ہوش کیا گیا ہے؟ لیکن میں نے اداکاری ایسی کی کہ [illegible] میں بوڑھے [illegible] یقین کرلیا تھا۔ میں نے اس بوڑھے کو بے وقوف بنایا۔ میرے لئے یہ مکان معمہ بن گیا ہے۔ دروازے کا پراسرار طریقہ سے کھلنا اور بند ہو جانا، اور پھر وہ لڑکی۔ وہ بیمار نہیں ہے؟ مجھے واقعات کی تہہ تک پہنچنا ہے۔" اس کے بعد میں نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے کی کھڑکیوں پر فولادی جنگلے لگے تھے۔ کمپاؤنڈر نے کمرے کا دروازہ کھولنا چاہا تو وہ بھی مقفل تھا۔ اب ہم اپنی مرضی سے باہر نہیں جاسکتے تھے۔

باہر تیز بارش ہو رہی تھی۔ سمندر میں موجوں کا طوفان موجزن تھا۔ جب میں اور میرا کمپاؤنڈر آنے والے خطرات اور اپنی موجودہ بے بسی پر سوچ رہے تھے تو ہمارے کانوں میں ایک دلدوز چیخ کی آواز سنائی دی۔

ہم دونوں یہ چیخ سن کر کانپ اٹھے میں نے مشورہ دیا کہ ہمیں کمرے کے اندر ہی پڑی بھاری میز کو دروازے پر لگا کر آرام سے سونا چاہئے۔ تاکہ باہر سے آنے والا ایکدم اندر داخل نہ ہو سکے۔ اور اس سے پہلے کہ وہ داخل ہو ہمیں معلوم ہو جائے۔ ہم بستر پر لیٹ گئے۔ لیکن نیند ہماری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ طرح طرح کے بھیانک خیالات ہم کو ستا رہے تھے۔ صبح ہونے سے پہلے ہی ہم بستر سے اٹھ کھڑے ہوئے میں نے کھڑکی سے دیکھا کہ کوئی [illegible] برساتی پہنے [illegible] گیا ہے۔

ہمارا بوڑھا میزبان جوانوں کی طرح تیز قدمی سے وسیع ہال سے گزرتا ہوا باہر جا رہا تھا۔ ہم جب اس مکان میں آئے تھے تو وہ بیڈ کے سہارے چل رہا تھا۔ میں فوراً ہی کچھ کرنا چاہتا تھا [illegible] کے تار کے ذریعہ تالا [illegible] ایک تار نکالا اور اس کو ایک خاص ڈھنگ سے موڑ کر دروازہ کے تالے کو کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ چند ہی منٹ میں تالا کھل گیا اور ہم کمرے سے باہر آگئے۔

کمرے سے باہر نکل کر ہم نام نہاد بیمار لڑکی کے کمرہ میں گئے وہ سیدھی بستر پر لیٹی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ سینہ پر رکھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ مر چکی ہو۔ اس کے خوب صورت بال اس کے چہرہ پر بکھرے ہوئے دل کش معلوم ہو رہے تھے۔

میں نے اپنی پیشہ ورانہ مہارت کے ساتھ لڑکی کی نبض پر ہاتھ رکھا، درجہ حرارت گرا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ پیلا پڑا ہوا تھا۔ اور پھر میری توجہ لڑکی کی آنکھوں کی طرف گئی تو میں خوف سے کانپ اٹھا۔ اس سے زیادہ بھیانک منظر میں نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ بے شک خوب صورت لڑکی تھی۔ مگر اس کی آنکھوں کو یہ کیا ہوا تھا۔ وہ آنکھیں کسی لڑکی کی تو کیا کسی بھی انسان کی معلوم نہیں ہوتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی لکڑی کی مورتی میں مصنوعی آنکھیں لگا دی گئی ہوں۔

وہ آنکھیں نہیں تھیں چہرہ پر جیسے دو بھیانک سوراخ تھے۔ اور نہیں دیکھ کر لڑکی کے بارے میں چڑیل کا تصور ذہن میں آتا تھا۔ اس کی آنکھوں کو ایک خاص آپریشن کے ذریعہ ایسا بنایا گیا تھا۔ میرے پیشہ ورانہ ذہن نے فوراً محسوس کرلیا کہ سرجری کا یہ کمال کسی ماہر سرجن کے ہاتھوں کا ہی کرشمہ ہوسکتا ہے۔ لڑکی کی صورت آنکھوں کی وجہ سے بہت بھیانک ہو گئی تھی لیکن وہ بے ہوش معلوم ہوتی تھی۔

میں نے فوراً اس کو ہوش میں لانے کا انتظام کیا۔ لڑکی کو ایک طاقت ور انجکشن لگایا گیا تو جونہی دوا نے اثر کیا۔ لڑکی میں حرکت ہوئی۔ وہ ایک دردناک کراہ کے ساتھ تکیہ کے سہارے بیٹھ گئی اور چلانا شروع کردیا۔ "مجھے آئینہ دکھاؤ، آئینہ دکھاؤ۔ یہ دھوکا ہے۔ جو کچھ میں نے آئینہ میں دیکھا ہے وہ حقیقت نہیں ہوسکتی۔"

میں نے پوچھا کہ یہ آئینہ کی کیا بات ہے۔ اس پر لڑکی نے کہا۔ "اس بوڑھے خبیث نے کچھ دیر پہلے مجھے آئینہ دکھایا۔ اور کہا تھا کہ یہ بھیانک چہرہ میرا ہے وہ کس قدر بھیانک کس قدر بھیانک۔"

"تم کیا اس کی بیٹی نہیں ہو؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔ میں کار سے گھر جا رہی تھی میری کار کا ایک ٹائر پنکچر ہوگیا۔ مجھے اس گھر میں روشنی نظر آئی، اور میں یہاں مدد مانگنے کے لئے آئی۔ بوڑھے نے میرا خیر مقدم کیا مجھے کھانے پر مدعو کیا۔ میں نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ اور اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کیا کچھ ہوا۔ کچھ دیر بعد وہ میرے سامنے آئینہ لئے کھڑا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ دیکھو یہ میرا چہرہ ہے۔ وہ کس قدر بھیانک میں یقین نہیں کرسکتی۔ وہ شخص بلا شک کوئی جادوگر ہے۔" وہ لڑکی بار بار آئینہ طلب کرتی تھی۔

میں نے اس کو دلاسا دیا مگر لڑکی اچانک پھر بے ہوش ہو کر پلنگ پر لیٹ گئی، میں ایک منٹ کی بھی دیر کرنا نہیں چاہتا تھا۔ دیر کا مطلب تھا کہ ہم خود خطرہ میں گھر سکتے تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ باہر جانے کا راستہ بھی یقیناً مقفل

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ہوگا۔ میں نے ہال کی سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر دیواروں کا جائزہ لیا۔ زینے کے سرے پر مجھے دو بٹن نظر آئے ایک کالا، دوسرا سفید، میں نے سفید بٹن پر ہاتھ رکھ دیا تو مکان کا دروازہ خود بخود کھل گیا۔ کالے بٹن کو دبانے سے دروازہ پھر بند ہو گیا۔ اب ہم باہر جا سکتے تھے۔

ہم بارش میں بھیگتے ہوئے تیزی سے اس طرف دوڑے جدھر بوڑھا گیا تھا۔ کل رات جہاں ہم نے کار کھڑی کی تھی۔ وہ بوڑھا وہاں موجود تھا۔ اور کار کے ساتھ کوئی حرکت کر رہا تھا۔ جب تک ہم وہاں پہنچے بوڑھا تیزی سے پلٹا اور ایک طرف دوڑنے لگا۔ وہ دوسرے راستہ سے گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ ہم اس کے پیچھے دوڑ رہے تھے۔ بارش کے ساتھ ہوا بھی طوفانی چل رہی تھی۔ وہ بوڑھا ابھی مکان کے دروازے سے دور ہی تھا کہ ایک تناور درخت جڑ سے اکھڑ کر اس بوڑھے کے اوپر گر گیا۔

ایک چیخ فضا میں گونج اٹھی، میں دوڑ کر بوڑھے کے پاس پہنچا۔ اس کا سر کچلا جا چکا تھا۔ اور وہ آخری سانس لے رہا تھا۔ اس کا چہرہ بھیانک صورت اختیار کر گیا تھا۔ اس نے اشارے سے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے کہا۔ "میرا آخری وقت ہے میں نے بہت ظلم کئے آپ پہلے انسان ہیں جس نے میرا راز جاننے کی کوشش کی ہے۔ آپ اس کار میں نہ بیٹھیے میں نے اس میں ٹائم بم لگایا ہے میں آپ کو مار ڈالنا چاہتا تھا۔ دوسرے میرے کمرے میں آپ کو کچھ کاغذات ملیں گے اور مکان کے تہہ خانہ میں میرے پالتو جانور اور وہ لڑکی بھی ان میں سے ایک ہے۔ اگر آپ اس کو چھاپیں گے تو دنیا پہلی بار جانے گی کہ کسی مارشن کو ستانے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔" اور اس کے چند منٹ بعد بوڑھے نے آخری سانسیں لیں اور وہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔

بوڑھے نے اپنے لئے کئی معمے کھڑے کر دیئے تھے۔ ہمیں انہیں حل کرنا تھا، میں ہر معاملہ کی تہہ تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بوڑھے کا کاغذات اور پالتو جانوروں سے کیا مطلب تھا۔

ہم بوڑھے کو درخت کے نیچے چھوڑ کر مکان کے اندر پہنچے۔ اور سیدھے بوڑھے کے کمرہ کے اندر گئے جہاں ہم نے بوڑھے کے بتلائے ہوئے کاغذات کو ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ ایک خوب صورت وسیع میز کی دراز سے کمپاؤنڈر کو ایک ہینڈ بیگ ملا۔ ہم نے اس بیگ کے خانوں کو ٹٹولنا شروع کیا تو اس میں سے کئی کاغذات برآمد ہوئے۔ وہ اخبار کے تراشے تھے جو پرانے ہو جانے سے پیلے پڑ گئے تھے اور جگہ جگہ سے خستہ ہو گئے تھے۔ میں نے انہیں پڑھنا شروع کیا۔ ایک اخبار کے تراشے میں تحریر تھا۔

"ایکٹریس ڈورالی کا عین شادی پر سرجن کے لنگڑے بیٹے کو دھوکا...... مشہور و معروف ایکٹریس ڈورالی نے کل شام مشہور سرجن جون مارشن کے بیٹے سے شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ ایکٹریس کا کہنا ہے کہ اس نے صرف جذبات میں ڈاکٹر کے بیٹے کی قابل رحم حالت پر ترس کھا کر اس سے شادی کا وعدہ کر لیا تھا۔ لیکن اب اس نے محسوس کیا کہ اس کے لئے اس کا لنگڑا پن ناقابل برداشت ہے۔"

یہ ناکام محبت کی کہانی کا آغاز تھا۔ اخبار پر 1896 لکھا تھا۔ میں نے اخبار کا دوسرا تراشا اٹھایا اور اسے پڑھنا شروع کر دیا۔

"سرجن کے لنگڑے بیٹے نے خودکشی کر لی مشہور و معروف سرجن مارشن کا لنگڑا بیٹا اپنی کوٹھی میں مردہ پایا گیا۔ دس سال سے، جب سے پولیو کا حملہ ہوا تھا اس نے گیس پائپ منہ میں لگایا ہوا تھا اور گیس سلنڈر کا سوئچ کھلا ہوا تھا۔ ایک ماہ پہلے مشہور ڈورالی ایکٹریس نے اس سے عین ایک دن پہلے شادی سے انکار کر دیا تھا۔ جب اس کے ساتھ یہ حادثہ ہوا تھا۔ وہ نہایت افسردہ رہنے لگا تھا۔ جب پریس کے نمائندوں نے لڑکی کے باپ سے سوالات کیے تو ڈاکٹر نے صاف صاف کہا کہ ڈورالی میرے بیٹے کی موت کی ذمہ دار ہے۔ اور اس کا ارادہ ہے کہ وہ اس کے خلاف مقدمہ چلائے گا۔"

اخبار کے تیسرے تراشے کی تحریر کچھ اس طرح تھی:

"مشہور سرجن مارشن گوشہ نشین ہو گئے۔"

مزید تحریر تھا:

"ڈاکٹر جون مارشن نے جو اس علاقہ میں ہڈیوں

سے متعلق اپریشن کرنے کے بہترین سرجن ہیں۔ اعلان کیا کہ وہ اپنے پیشہ سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مکان بیچ دیا ہے۔ وہ جلد ہی شہر سے رخصت ہو جائیں گے۔

ایک تراشہ پر ایکٹریس ڈورالی کی تصویر بھی تھی، میں نے اس تصویر کو غور سے دیکھا۔ اس تصویر اور اس بیمار لڑکی کی صورت میں کافی مشابہت تھی۔ مگر ان دونوں کا ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے؟ کیا وہ لڑکی اس ایکٹریس کی کوئی عزیز ہے۔ ابھی میں اس گتھی کو سلجھا نہیں پایا تھا کہ مجھے بیگ سے ایک اور اخبار ملا۔ میں نے اس کے اوراق کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

میری نگاہ اخبار کے ایک صفحہ پر ٹھہر گئی جس پر آدھی درجن لڑکیوں کی تصویریں تھیں۔ اور ان کے نیچے یہ مضمون تھا۔

"گمشدہ لڑکیاں کہاں غائب ہو جاتی ہیں۔ یہ کسی کا نجی ہاتھ ہے۔ جو ان لڑکیوں کو گھروں، دکانوں، دفتروں سے اٹھا کر لے جاتا ہے اور پھر ان کا پتہ نہیں چلتا۔" اس کے نیچے ... اور ان کے ... عنوان کیا تھا۔ "یہ سب لڑکیاں کہاں غائب ہو گئیں؟"

میں نے اخبار کا یہ مضمون بڑے غور سے پڑھا۔ دوسری بات، جو مجھے نمایاں طور پر محسوس ہوئی وہ ان تصویروں کا ایک دوسرے سے مشابہ ہونا تھا۔ ڈورالی سے اس لڑکی تک اور آپس میں ان اخباروں کی تصویروں میں کافی مشابہت تھی جیسے وہ سب ایک ہی فیملی سے تعلق رکھتی ہوں۔

یہ کہانی ایک معمہ بنتی جا رہی تھی۔ آخر ڈاکٹر مارشن کا ان سب لڑکیوں سے کیا تعلق تھا۔ کیا ان کے غائب کرنے میں اس کا ہاتھ تھا۔ وہ خوب صورت لڑکیوں کو بدصورت کر کے ان کو شیشہ کیوں دکھلاتا تھا؟ یہ سب سوالات میرے ذہن کے پردہ پر رقص کر رہے تھے۔ پھر مجھے ان پالتو جانوروں کا خیال آیا جو ڈاکٹر مارشن کے تہہ خانے میں تھے۔ میں اپنے کمپاؤنڈر کو ساتھ لے کر نیچے کی طرف دوڑا ہم نے بڑی مشکل سے تہہ خانے کے دروازے کا پتہ لگایا۔ کمپاؤنڈر کے ہاتھ میں جلتی ہوئی موم بتیاں تھیں۔

موم بتیوں کی روشنی میں ہم تہہ خانہ میں داخل ہوئے۔ اس کے اندر کافی نمی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی پانی چھڑکا گیا ہے۔ تہہ خانہ خالی معلوم ہوتا تھا۔ مگر میں اپنی ہار ماننے والا نہیں تھا، میں نے دیکھا کہ ایک جگہ تہہ خانے کے فرش پر تختوں کو بولٹ سے کسا گیا تھا۔ میں نے ایک تختے کو سرکانے کی کوشش کی اور وہ آسانی سے سرک گیا۔ اس تہہ خانے کے نیچے بھی ایک اور تہہ خانہ تھا۔ ایک زینہ سے اس کا راستہ نیچے جاتا تھا۔ ہم دونوں ان سیڑھیوں سے نیچے اتر گئے۔

اس تہہ خانہ کی چھت اس قدر نیچی تھی کہ ہم مشکل سے سیدھے کھڑے ہو کر چل سکتے تھے۔ ہم نے کچھ دور موم بتی کی روشنی میں سرنگ کے دونوں طرف تختوں کے سہارے کچھ سفید چیز لٹکتی ہوئی دیکھیں۔ میں نے ڈاکٹر کی حیثیت سے فوراً پہچان لیا کہ وہ کیا چیز تھی۔

تختوں کے سہارے انسانی مردہ ڈھانچے لٹک رہے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کر دیکھا کہ وہ سات مکمل انسانی ڈھانچے لٹک رہے تھے۔ وہ بھیانک بھوتوں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔

یہ منظر میرے لئے دل دہلا دینے والا تھا کمپاؤنڈر بھاگ جانے کی سوچ رہا تھا۔ مگر میرے حوصلے نے اسے روکے رکھا سرنگ کے دوسری طرف چودہ مکمل انسانی بازو لٹکے ہوئے تھے۔

میں نے ایسے لوگوں کے بارے میں پڑھا تھا جنہیں مردہ پرندوں کو اسٹف کر کے جمع کرنے کا شوق ہوتا ہے یا کچھ لوگ خشک حشرات الارض جمع کرتے ہیں۔ مگر میں پہلی بار ایسے انسان کے بارے میں جان رہا تھا جسے انسانی ڈھانچوں کے جمع کرنے کا شوق تھا۔ یہ مارشن کے پالتو جانور تھے۔ پھر ابھی ہم یہ سنسنی خیز اور روح فرسا منظر دیکھنے میں مصروف ہی تھے کہ ہم نے اسی تاریک سرنگ کے ایک کونہ سے ایک آواز سنی آواز کیا تھی جیسے کوئی بکری کا بچہ ممنا رہا ہو۔ کچھ ہی دیر بعد اس آواز کے ساتھ مل کر دوسری آوازیں آنے لگیں۔ خوف سے ہمارے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ہم ان آوازوں کی طرف بڑھے۔

https://www.urdutubes.com/
www.urdutubes.com
Digitized by Google

اور سرنگ کے آخری کنارے پر پہنچ کر ہم نے کچھ لکڑی کے صندوقوں کو دیکھا۔ سات صندوق ایک قطار میں رکھے ہوئے تھے۔ یہ صندوق کبوتروں کے کابک یا مرغی خانے جیسے معلوم ہوتے تھے۔ ان ساتوں صندوق میں ہم نے جو شے دیکھی وہ ہمارے تصور سے باہر تھی۔ ان صندوقوں میں سات انسانی دھڑ رکھے ہوئے تھے۔ دھڑ بغیر ہاتھوں اور ٹانگوں کے تھے۔ ان دھڑوں کے ہاتھ اور ٹانگیں سرنگ کے دیواروں پر لٹکے تھے۔ اس سے بھی زیادہ بھیانک ان دھڑوں کے چہرے تھے۔ یہ چہرے قطعی سپاٹ تھے۔ ان چہروں پر ناک، ٹھوڑی، کان کچھ بھی نہیں تھے۔ سب کو تراش لیا گیا تھا۔ اور ان کی آنکھیں بالکل اس بیمار لڑکی کی طرح بے جان، بے روح اور بھیانک معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے منہ خوف ناک طریقہ سے کھلے ہوئے تھے۔ ان کی زبانیں باہر لٹک رہی تھیں اور یہ زبانیں بولنے کی ناکام کوششیں کر رہی تھیں۔

سب سے حیرت ناک بات یہ تھی کہ یہ سب دھڑ زندہ تھے۔

ہم نے اس سے زیادہ بھیانک اور اس سے زیادہ ہیبت ناک منظر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ خوف و دہشت سے ہمارے جسم کانپ رہے تھے۔ ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے مجھے اس بات پر سب سے زیادہ حیرانی تھی کہ ان دھڑوں کو اس حالت میں زندہ کس طرح رکھا گیا تھا۔ ہم نے اپنے خوف پر ذرا قابو پایا تو ان صندوقوں کو ذرا غور سے دیکھا۔ ان میں سے ہر ایک کی تصویر ایک صندوق پر لگی ہوئی تھی۔ ہم نے پہلی تصویر دیکھی۔ ڈلین منرو اور اس کے نیچے تاریخ کے ساتھ لکھا تھا: ''قیمت ادا کردی گئی'' یہ تصویر ان ہی لڑکیوں میں سے ایک کی تھی جو ہم نے اخبار میں دیکھی تھی ہم آگے بڑھے۔

ہر ایک صندوق پر ایک خوب صورت نوجوان لڑکی کی تصویر تھی اور اس کے ساتھ تحریر تھا: ''قیمت ادا کردی گئی مورخہ 12 دسمبر 1897ء'' آخری صندوق پر تصویر زاہدی تھی۔ اور اس پر تحریر سرخ حروف میں خوب صورت طریقے سے لکھی گئی تھی۔ یہ تصویر ایکٹریس ڈورالی کی تھی۔ سب میرے لئے یہ منظر ناقابل برداشت ہو رہا تھا۔

میں ان معصوم اور بے گناہ انسانی ڈھانچوں کو واپس دنیا میں نہیں لے جا سکتا تھا۔ اگر میں ایسا کرتا تو شاید دنیا اس ظلم و بربریت پر چیخ اٹھتی، تڑپ اٹھتی ہم دونوں ان لڑکیوں کی زبان سے نکلتی ہوئی بے معنی و بے مفہوم آوازیں سنتے ہوئے واپس لوٹے۔ سرجری کا یہ کتنا بڑا کمال تھا کہ ہر جسم سے شانوں تک ٹانگیں کاٹ لی گئی تھیں۔ بازو مونڈھوں تک صاف تھے، آنکھ، کان، ناک ٹھوڑی تک تراش کر الگ رکھ دیئے گئے تھے اور پھر بھی وہ زندہ تھے۔ کتنا بڑا ظلم تھا۔ صرف کوئی پاگل بگڑا ہوا آدمی ایسا کر سکتا تھا مگر اس ظلم کے پیچھے کون سا مقصد تھا؟

میں نے سوچنا شروع کیا۔ اب واقعات کی کڑیاں ایک دوسرے سے ملتی جا رہی تھیں۔ اس عظیم سرجن ہرمن نے اپنے لنگڑے بیٹے کی خودکشی کا پہلا ردعمل یہ ہوا کہ وہ ڈورالی سے انتقام لینے کا ارادہ کر رہا تھا۔ وہ اس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ مگر اس ایک عورت سے نفرت کے ساتھ وہ تمام عورتوں سے نفرت کرنے لگا۔ اور اس نے اپنے دل میں لنگڑے بیٹے کی خودکشی کا انتقام لینے کی ٹھان لی ... اس نے کتنوں ہی کو اپنے انتقام کا نشانہ بنا ڈالا۔

کیسا عجیب و غریب انتقام کا جذبہ تھا۔ اس نے یہ سب منصوبہ کس ہوشیاری سے بنایا ہوگا۔ کس طرح وہ اپنے شکار حاصل کرتا ہوگا۔ اور پھر کس کمال سے ان خوب صورت پھول جیسی لڑکیوں کو ایک بھیانک و خوف ناک شکل میں بدل دیتا ہوگا۔ میں اس سے زیادہ نہیں سوچ سکا۔

ہم تیزی سے اس لڑکی کے کمرہ میں آئے اور اس کو اٹھا کر وسیع ہال میں لے آئے۔ میں اس لڑکی کو اچھا کر کے اس کے والدین کو واپس لوٹا دوں گا۔ جب ہم واپس لڑکی کے ساتھ گھر آئے تو ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ میں نے بڑی محنت سے لڑکی کا علاج کیا اور وہ اچھی ہوگئی۔ اس کے بعد پھر شہر میں کسی لڑکی کے گم ہونے کا واقعہ پیش نہیں آیا۔

بھیانک چیخ

گلاب خان سولنگی - لاہور

نوجوان کو پنڈت نے جواب دیا ہمارے بڑے بوڑھوں کے مطابق ان جنگلوں میں ایک آتما صدیوں سے بھٹک رہی ہے، رات کے سمے کافی لوگوں نے اس بھٹکتی آتما کو دیکھا ہے لیکن......

ڈراؤنی کہانیاں پسند کرنے والے قارئین کے لئے حیرت ناک اور خوف ناک کہانی

نام تو اس کا راجکمار شری واستو تھا لیکن بستی والے اسے ''راجو تانگے والا'' کے نام سے پکارتے تھے۔ تانگہ چلانا اس کا پیشہ تھا۔ وہ غریب اور سادہ قسم کا آدمی تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب رکشہ، ٹیکسی عام نہیں تھے، لوگ زیادہ تر تانگے کی سواری کرتے تھے اب تو تانگے کی جگہ رکشہ اور چنگ چی نے لے لی ہے اور ٹیکسی تو آن لائن انٹرنیٹ پر دستیاب ہے لیکن ہماری کہانی تانگے کے دور کی ہے۔ بستی کا نام رام پور تھا جو شہر سے دس میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ راجو کے پریوار میں اس کی پتنی اور ایک بیٹا تھا جس کی عمر پانچ سال تھی۔

راجو دن بھر شہر سے گاؤں اور گاؤں سے شہر کے درمیان اپنا تانگہ چلاتا تھا اور سورج ڈھلتے ہی آخری سواری بیٹھا کر بستی واپس آتا تھا۔ وہ اتنا کما لیتا تھا کہ بیوی بچے کو خوش رکھ سکتا تھا۔ کبھی کسی سے ادھار نہیں لیا وہ

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

محنت مزدوری پر یقین رکھتا تھا۔ وہ ابھی جوان تھا، رام پور کے اکلوتے پرائمری اسکول میں پانچویں جماعت تک پڑھا ہوا تھا، وہ ہندی اخبار پڑھ لیتا تھا، اپنے پریوار سے بے حد محبت کرتا تھا۔ راجو کی بیوی کا نام مدھو تھا۔ راجو اسے پیار سے مدھو بالا (ایکٹریس) پکارتا تھا۔ وہ تھی ہی اتنی سندر جو کسی بھی بالی ووڈ ایکٹریس سے کم نہیں تھی۔ بچہ بھی اس کی طرح کو چاہتا تھا لیکن راجو بے چارہ شکل و صورت کا سادہ تھا، گندمی رنگ لیکن دل کا صاف انسان تھا، راجو کے بیٹے کا نام دیپک تھا جو دونوں میاں بیوی کے دل کا چین تھا۔ راجو ایک کچے مکان میں رہتا تھا۔ گھر کا صحن کافی وسیع تھا جہاں وہ اپنا گھوڑا باندھتا تھا۔ بستی خاصی بڑی نہیں تھی بس کچے پکے مکانوں پر مشتمل چھوٹی سی بستی تھی جہاں بستی والے پیار سے رہتے تھے۔

زیادہ تر لوگ محنت مزدوری کرتے تھے جبکہ چند لوگ بمبئی اور دلی جیسے بڑے شہروں میں بھی قسمت آزمائی کرنے جاتے تھے۔ رام پور کی بستی جمنا ندی کے مشرقی کنارے پر واقع تھی۔ لوگ امیر نہیں تھے بلکہ غریب تھے۔ وسائل بہت کم تھے لیکن محنت کش بستی والے جیون سے نراش نہیں تھے۔ کافی حوصلہ مند تھے۔

سال نو شروع ہو چکا تھا۔ موسم سرما اپنے عروج پر تھا، رام پور ان دنوں برفانی ہواؤں کی لپیٹ میں تھا۔ اس خطے میں برف باری تو نہیں ہوتی تھی لیکن برفانی ہوائیں ضرور چلتی تھیں۔ جمنا ندی کی وجہ سے یہاں ٹھنڈ میں اچھا خاصا اضافہ ہو جاتا تھا۔ شدید سردی کی وجہ سے بستی کے کچھ کسان اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور ایسی خبریں آئے دن TV اور اخبارات میں آتی رہتی تھیں۔ جمنا کنارے آباد رام پور کی بستی ان دنوں شدید دھند کی لپیٹ میں تھی جس کی وجہ سے کاروبار زندگی ٹھپ ہوا پڑا تھا۔

لوگوں نے سردی سے بچاؤ کے لئے دھڑا دھڑ لکڑی کا ایندھن اور کوئلہ جمع کر رکھا تھا اور یہی حالات راجو کے بھی تھے۔ اس نے کوئلے کی بوری اتاری اور اپنی پتنی کو آواز دی۔

مدھو نے کوئلے کی بوری اتارنے میں اس کی مدد کی، راجو نے گھوڑے کو باندھا اور چارا بھی دیا، مدھو اس کے لئے روٹی لے آئی۔

"دیپک کے بابو! سردی میں اضافہ ہو گیا ہے۔ میرے خیال میں آپ کچھ دنوں کے لئے آرام کریں، بھگوان نہ کرے آپ کو اگر کچھ ہو گیا تو ہمارا کیا بنے گا، لوگ سردی سے مر رہے ہیں، موسم جب صاف ہو جائے گا تبھی کام پر چلے جانا۔"

راجو روٹی کے نوالے لیتے ہوئے "میری پیاری مدھو بالا چنتا کیوں کرتی ہو، اری بھاگوان یہی تو کمائی کے [illegible] موسم گرما میں تو دھندا چوپٹ ہو جاتا ہے، بستی والے سردی میں زیادہ شہر کا رخ کرتے ہیں۔ اگر یوں میں سردی سے گھبرا کر گھر بیٹھ جاؤں تو تم لوگوں کا پیٹ کس طرح پالوں گا۔ سچ پوچھو تو مدھو جب میں تھکا ہارا کام سے واپس آتا ہوں تب تمہارا سندر مکھڑا دیکھ کر ساری تھکن دور ہو جاتی ہے، مجھے خوشی ہے کہ تم جیسی پتنی ملی۔" وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

☆......☆......☆

رام پور ایک [illegible] علاقہ تھا [illegible] تھی بلکہ بجلی ضرور تھی، بستی والے سادہ زندگی گزار رہے تھے، یہاں فرج TV کسی کسی گھر میں موجود تھی جبکہ اکثریت ان چیزوں سے محروم تھی۔ کبھی کبھار کسی گھر میں VCR چلتی تھی اور پوری بستی کے بچے اس گھر میں جمع ہو جاتے تھے، بچوں کے ساتھ بڑے بوڑھے بھی اپنی من پسند موویز دیکھ کر لطف اندوز ہوتے تھے۔ راجو بھی کبھار اپنی پتنی اور بچے کے ساتھ پڑوس والے گھر میں VCR پر فلم دیکھنے جاتا تھا، اسے مدھو بالا کی فلمیں بہت پسند تھیں شاید اس وجہ سے کہ اس کی پتنی کا نام بھی مدھو تھا۔

آج کے دور نے تو وہ سارے مزے ختم کر دیئے کہاں رہی وہ محبت، سادگی، ایک دوسرے کو برداشت کرنا، پڑوسیوں کا خیال رکھنا، آج تو ہر گھر میں TV ہے، موبائل ہے، نیٹ ہے لیکن پھر بھی لوگ اکیلے ہیں، کتابیں چھوٹ گئیں، ان کی جگہ ہاتھوں میں موبائل آ گیا، لائبریریاں ویران ہو گئیں اور نیٹ کیفے آباد ہو گئے۔

رام پور کی بستی کافی عرصے سے پرامن تھی، کوئی اکا دکا واقعات ہوتے رہتے تھے کہ کسی جانور کو کوئی جنگلی چیتا لے گیا یا کسی لکڑہارے کو سانپ ڈس گیا۔ مطلب سیلاب کی تباہ کاریوں کے برعکس جنگل کافی شانت تھا۔ ایسا بھی نہیں تھا کہ جنگلی جانور کم تھے، جنگلی جانوروں کی بہتات تھی ان میں شیر ہاتھی، بھالو چیتے وغیرہ بھی شامل تھے اور چھوٹے موٹے خرگوش اور سانپ وغیرہ لیکن بستی والے ان کے شر سے محفوظ تھے۔ بڑے بوڑھے تو جنگل کی خطرناک کہانیاں سناتے تھے لیکن موجودہ وقت میں رام پور ایک پرامن اور شانت علاقہ تھا۔ رات کے وقت ہاتھی کے چلانے کی آوازیں دور سے سنائی ضرور دیتی تھیں لیکن بستی والے ان آوازوں پر کان نہیں دھرتے تھے، ان کے مطابق جنگلی جانور رام پور سے ڈرتے ہیں اور یہاں کا رخ نہیں کریں گے [illegible]

آج بارش کی وجہ سے راستے پر کیچڑ جمع ہو گیا تھا جس کی وجہ سے لوگ گھروں سے باہر کم نکلے تھے۔ شام ہو گئی تھی اور راجو تانگے والا خاصا پریشان دکھائی دے رہا تھا [illegible] سورج ڈھلتے ہی راجو واپس گھر آ جاتا تھا۔ لیکن آج حالات اس کے برعکس تھے وہ اس امید پر مزید وہاں رکا کہ شاید کوئی مسافر مل جائے لیکن فی الحال تو لاری اڈہ خالی خالی سا نظر آ رہا تھا۔

رات کے آٹھ بجنے والے تھے کہ ایک جوڑا راجو کے پاس آیا ایک لڑکا اور لڑکی جن کی شادی نئی نئی ہوئی تھی جو ان کے لباس سے ظاہر ہو رہا تھا لڑکی نوعمر تھی اس کی مانگ میں سیندور لگا ہوا تھا اور بڑا سا دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔

"دستے بھائی تانگے والے ہماری نئی شادی ہوئی ہے اور ہمیں شانتی نگر گاؤں جانا ہے، ہمارے ساتھ کچھ سامان بھی ہے، ہم جے پور سے آ رہے ہیں، کافی دیر ہو گئی ہے اور کافی سمے سے ہمیں کوئی سواری نہیں مل رہی ہے۔ ایک ٹیکسی والے نے تو ہماری مجبوری کو دیکھ کر کافی سارے روپوں کی ڈیمانڈ کی، بھیا آپ شانتی نگر چلیں گے؟"

راجو ویسے بھی خالی جا رہا تھا اس نے مناسب کرایہ بتایا تو نوبیاہتا جوڑا خوشی خوشی اس کے تانگے پر مع سامان سوار ہو گئے۔ "چلو بھیا پیسوں کی چنتا مت کرو۔"

راجو نے بھی گھوڑے کو ہانکا۔ شہر کی مرکزی سڑک سے ہوتا ہوا راجو کا تانگہ اب جنگل کی پگڈنڈیوں پر دوڑا چلا جا رہا تھا۔ لڑکا لڑکی پریم کی باتیں کر رہے تھے جبکہ راجو کا دھیان کچے پکے راستوں پر تھا۔

رام پور سے پہلے شانتی نگر آتا تھا۔ جس کے لئے ایک الگ سڑک بنی ہوئی تھی لیکن جگہ جگہ سے وہ سڑک اکھڑی ہوئی تھی اور کیچڑ الگ سے۔ جس کی وجہ سے تانگے کے پہیے بار بار اٹک رہے تھے۔ رات کی تاریکی بڑھ گئی تھی اور بارش کی وجہ سے سردی کی شدت میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ راجو نے گرم کوٹ کے اوپر ایک سیاہ چادر اوڑھ رکھی تھی۔ لیکن سردی پھر بھی اپنا زور دکھا رہی تھی جبکہ نوبیاہتا جوڑا سردی سے بے نیاز باتوں میں مگن تھے، لگتا ہے کافی سمے بعد اپنے گاؤں جا رہے ہیں، راجو بھی وقفے وقفے سے ان سے گفتگو میں شریک حال رہا اور آخر کار کوئی سوا دو گھنٹے بعد شانتی نگر آ گیا۔ چوں کہ راجو متعدد بار یہاں آ چکا تھا اس لئے وہ صحیح راستہ جانتا تھا۔

جوڑا اترا اور انہوں نے کرایہ ادا کرتے ہوئے راجو کا شکریہ بھی ادا کیا۔

راجو کی دیہاڑی لگ چکی تھی۔ اس نے گھوڑے کو ہلکا سا چابک مارتے ہوئے کہا۔ "چل میرے گھوڑے رام پور کی طرف لیکن گولی کی طرح" بے زبان جانور راجو کی زبان سمجھ گیا اور سرپٹ دوڑنے لگا۔ آتے سمے تو تین لوگ تھے لیکن واپس جاتے سمے وہ اکیلا تھا یہ سوچتے ہوئے وہ کافی ڈر رہا تھا اور ڈرتا بھی کیوں نہیں۔

کالی رات میں جنگل اور بھی بھیانک دکھائی دے رہا تھا، چاروں اور جنگلی جانوروں کی آواز اور بھیڑیے کی مخصوص آواز سے راجو تو کیا اس کا گھوڑا بھی خوف کی کیفیت میں گزر رہا تھا۔ تانگہ اب رام پور کی سڑک پر دوڑ رہا تھا کہ یکسر راجو کی نظر جنگل میں بنے پرانے مندر پر پڑی جس کی سیڑھیوں پر کوئی بیٹھا ہوا تھا۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

خوفناک اور پُراسرار مکمل کہانیاں

خوفناک شکتی

خونی موت......میزبان روح......دولت کی ہوس......قاتل......تقدیم کے ستم......

سردحرف......جادوگرڈاکٹر......خونی انتقام......لقمہ......پڑوسی......روحوں کا بسیرا......

خوفناک روح......آسیبی ٹب......خمیازہ......قیدی روحیں......

خوفناک روح

جادوگرنی......کفن پوش......رقابت کی آگ......خونی پیاس......آتش انتقام

آخری خواہش......بھوک......بھوت کا وجود......خمیازہ......پراسرار تپیا

پراسرار حالات......خوفناک شکتی......زندگی کی قید......طلسماتی دروازہ

خوفناک شیطان کی بیٹی

سمادھی......راکھ کے پتلے......سائیکل والا......پی کو......موت کا انتقام

موت کا جنگل......خونی آتما......گل سانگہ......خوفناک شیطان کی بیٹی

پچھتاوا......کھوپڑی کے گلدان......روح کا عشق

خوفناک ڈاک بنگلہ

بھوت......سیکورٹی گارڈ......وہ کون تھے؟......دہشت زدہ

انوکھی محبت......چینی......خوفناک ڈاک بنگلہ......تیس سال بعد

غیبی محافظ......شاتومی......خبیث بدروح

خالد کتاب گھر

Ph: 021-32744391

”یہ رات کے اس سمے مندر کی سیڑھیوں پر کون بیٹھا ہے؟“ راجو نے خود کلامی کی اور گھوڑے کو لگام دیا۔

”شاید کوئی رستہ بھول گیا ہے، مجھے انسانی ہمدردی کے تحت جو کوئی بھی ہے اس کی مدد کرنی چاہئے۔“ یہ سوچ کر راجو کے قدم پرانے مندر کی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگے۔

تھوڑا تھوڑا خوف بھی اسے آرہا تھا لیکن مدد کے جذبے کے تحت اس کے قدم رک نہیں رہے تھے۔ اب اسے سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی عورت کے خدوخال صاف اور واضح طور پر نظر آرہے تھے وہ لال ساڑھی میں لپٹی جواں سال عورت تھی بڑی سیاہ چادر اس نے سر پر اوڑھ رکھی تھی جس کے پلو سے اس کا چہرہ مکمل ڈھکا ہوا تھا۔ راجو اس کے قریب آیا۔

”معاف کرنا آپ کون ہیں؟ اور اس سمے یہاں کیا کر رہی ہو؟ آپ کو میری سہائتا کی ضرورت تو نہیں؟“

وہ عورت خاموش رہی تب راجو کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔

”دیکھو میرے پاس زیادہ سمے نہیں ہے، آپ کو اگر کہیں جانا ہے تو میں آپ کو تانگے پر چھوڑ آتا ہوں۔“

عجیب عورت ہے! بھلائی کا تو کوئی زمانہ ہی نہیں، راجو نے واپسی کی راہ لی۔ اس کا گھوڑا شدید ڈرا ہوا تھا۔ شاید کوئی ڈراؤنی چیز دیکھ لی تھی، راجو نے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ ”چلو دوست ہم نے اپنا فرض نبھایا......شاید گھر سے بھاگی ہوئی کنیا ہے جو شاید اپنے متر کے انتظار میں بیٹھی ہے۔“

گھوڑا ہنہنایا شاید وہ راجو سے اتفاق نہیں کر رہا تھا، رام پور تک آتے آتے آدھی رات بیت چکی تھی، گھر پر اس کی پتنی پریشان حال اس کا انتظار کر رہی تھی، راجو کو آتا دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی اس سے چمٹ گئی۔ ”کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں، اتنی دیر کہاں لگا دی؟“ راجو نے گھوڑے کو باندھا لیکن اس کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ راجو سمجھا شاید تھکن کی وجہ سے اس کا گھوڑا پریشان ہے۔ ”میری مدھوبالا کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ سواری کی وجہ سے دیر سویر ہو جاتی ہے اور آج بھی کچھ ایسا ہی ہوا، شانتی نگر کی سواری تھی۔ اس لئے دیر ہوگئی ہے آپ چنتا نہ کریں۔“ راجو کی بیوی کھانا لے آئی۔

کھانے سے فارغ ہو کر راجو باہر صحن میں بندھے گھوڑے کے پاس آیا جو اب بھی خوفزدہ تھا۔ دوسری طرف گھاس بھی اسی طرح پڑی ہوئی تھی۔ راجو کو گھوڑے کی کیفیت سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ وہ اب بھی یہی سمجھ رہا تھا کہ گھوڑا شدید تھکا ہوا ہے، پر سچ تو یہ ہے کہ گھوڑے نے وہ کچھ دیکھ لیا تھا جو راجو دیکھ نہیں پایا تھا پھر راجو نے اردگرد کی چیزوں پر زیادہ دھیان [illegible]

☆......☆......☆

راجو کا گھوڑا دن بدن لاغر و کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ گھوڑے کی ایسی حالت دیکھ کر راجو بہت پریشان ہوگیا تھا، اس کی پتنی نے اسے مشورہ دیا کہ شہر میں کسی [illegible] جانوروں کے ڈاکٹر کو دکھا دو۔

اگلے روز راجو لاری اڈے سے سیدھا [illegible] گھوڑے کے ہمراہ جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس گیا۔ ڈاکٹر کافی عمر رسیدہ تھا اس نے گھوڑے کا معائنہ کیا۔ گھوڑا بدستور خوف کے عالم میں تھا۔ ڈاکٹر [illegible] راجو [illegible] میں نے لکھ دی ہیں......مگر؟“

راجو نے دوائیوں کی پرچی لیتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ ”مگر کیا ڈاکٹر صاحب؟“ ڈاکٹر توقف کے بعد ”دوائیاں تو کیول شریر پر اثر کرتی ہیں پرنتو آپ کا گھوڑا شدید ڈرا ہوا ہے، لگتا ہے اس نے کوئی انتہائی بھیانک اور خوفناک قسم کی کوئی چیز دیکھ لی ہے۔“ راجو کی پریشانی میں مزید اضافہ ہوگیا۔

”میں سمجھا نہیں ڈاکٹر صاحب۔“ ڈاکٹر نے اسے مزید سمجھاتے ہوئے کہا۔ جانور وہ کچھ دیکھ لیتے ہیں جو انسانی آنکھ نہیں دیکھ پاتی۔“

کوئی آتما، کوئی سایہ، کوئی عفریت یا کوئی آنے والی آفت، راجو ابھی تک بے یقینی کی کیفیت میں تھا۔

”دماغ پر زور لگاؤ، گھوڑے کی حالت کب سے ہے؟ یاد کر کے مجھے بتا دو۔“ راجو کچھ دیر سوچتا رہا اور پھر

بولا۔ "کچھ دن قبل گھر لوٹتے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی۔ پاس والے گاؤں میں سواری کو چھوڑ کر میں اپنے گاؤں رام پور جارہا تھا کہ اچانک میری نظر پرانے مندر کی سیڑھیوں پر بیٹھی ایک کنیا پر پڑی، میں نے پاس ہی تانگہ روکا تھا، لیکن حیرت کی بات ہے ڈاکٹر صاحب میرے بار بار استفسار پر بھی وہ عورت مکمل خاموش بیٹھی تھی۔ اس نے منہ پر مکمل دوپٹہ ڈال رکھا تھا، میں اس کا چہرہ بھی نہیں دیکھ پایا، واپس آیا تو گھوڑے کو ڈرا ہوا پایا تھا، اس دن کے بعد میرے گھوڑے کی حالت خراب ہے اور اب وہ آپ کے سامنے ہے، میں آشا کرتا ہوں، آپ جلد اسے ٹھیک کردیں گے۔"

ڈاکٹر بولا۔ "یہی تو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ وہ کنیا نہیں بلکہ ایک آتما تھی جو کب سے جنگلوں میں بھٹک رہی ہے، آپ کے گھوڑے نے اس آتما کو دیکھ لیا تھا تبھی سے وہ ڈر کے مارے جی رہا ہے، جانور وہ دیکھ لیتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ پاتے۔ آپ کے گھوڑے کے شریر کی دوائی تو تمہیں دے دی ہے۔

لیکن میری مانو تو کسی اچھے تانترک سے گھر میں پوجا پاٹ کراؤ اور گھوڑے کو بھی دکھاؤ۔ آگے آپ کی مرضی اور ہاں آپ کے گھوڑے کے پاس سمے بہت کم ہے۔"

راجو کو وشواس ہی نہیں آرہا تھا کہ وہ کس مصیبت میں پھنس چکا ہے۔ اس نے گھوڑے کے لئے دوائیاں خریدیں۔

سورج ابھی باقی تھا وہ سیدھا لاری اڈے کی طرف آیا۔ آج بھی کافی انتظار کیا مگر سواری نہیں ملی۔ سورج ڈھل چکا تھا۔ رات کی تاریکی بڑھتی جارہی تھی۔ آج پھر وہ مایوس تھا، اس نے گھوڑے کی طرف دیکھا اور واپسی کی راہ لی۔ اس کا خالی تانگہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ پرانے مندر تک پہنچتے رات گہری ہوچکی تھی۔ راجو کو دور سے ایک سایہ نظر آیا جو راستے پر کھڑا نظر آیا، راجو نے سکھ کا سانس لیا کہ شکر ہے کوئی تو سواری ملی۔ قریب آنے پر پتہ چلا کہ وہ کوئی عورت ہے جس نے اپنا چہرہ گھونگھٹ میں چھپایا ہوا ہے۔ اسے دیکھ کر راجو کا گھوڑا عجیب انداز میں چیخنے چلانے لگا۔ بڑی مشکل سے راجو نے اسے لگام لگا کر قابو کیا۔ "ارے اسے کیا ہوگیا ہے۔"

راجو ڈاکٹر کی باتیں یکسر بھول چکا تھا۔ وہ عورت سے مخاطب ہوا۔ "بہن جی آپ نے کہاں جانا ہے؟" وہ خاموش رہی راجو کو حیرت لگی۔ "دیکھو میں رام پور جارہا ہوں، یہاں تانگے کے سوا اور کوئی سواری نہیں چلتی، اگر رام پور تک جانا ہے تو بیٹھو، اگر پیسے نہیں ہیں تو خیر چنتا کی بات نہیں ہے۔"

وہ عورت خاموشی سے راجو کے تانگے پر آکر بیٹھ گئی، راجو کا گھوڑا ابرابر دوڑے جارہا تھا۔ راجو بار بار اس عورت کی طرف مڑ کر دیکھ لیتا تھا کہ شاید وہ ہی گفتگو کا سلسلہ شروع کرے۔ مگر وہ بدستور خاموش تھی اور اپنا چہرہ چھپائے ہوئی تھی۔

موسم کے تیور بدل چکے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے زوردار آندھی شروع ہوگئی، ہوا کا زور شدید تھا۔ شدید آندھی کی وجہ سے تانگے کو چلنے میں دشواری ہورہی تھی، اتنے وحشت ناک ماحول میں راجو کے اعصاب پر خوف طاری ہونے لگا، ڈاکٹر کی بات کو لے کر اسے بھی احساس ہورہا تھا کہ شاید [illegible] دوبارہ اسے ٹکرائی ہے اور اب وہ میرے تانگے پر براجمان ہے تبھی تو دوبارہ گھوڑے کی حالت غیر ہوگئی تھی۔

اس سے پہلے کہ خوف کی شدید لہر راجو کے شریر میں سرایت کرتی، سامنے ایک آدمی دکھائی دیا جو پیدل سڑک پر جارہا تھا، وہ نوجوان وردی میں ملبوس تھا اور سفری بیگ تھامے ہوئے تھا۔ راجو نے اس کے قریب جاکر تانگہ روکا۔ "ارے دیپک آپ اور اس سمے؟" دیپک اس کا دوست تھا۔ دیپک فوج میں بھرتی ہوا تھا جبکہ راجو ان سے مختلف تھا، راجو نے تانگہ چلانا چنا تھا۔ "ارے دیپک آپ لاری اڈے سے پیدل گاؤں آرہے ہو جبکہ میں بھی وہاں پر تھا آپ میرے تانگے پر آجاتے؟"

دیپک بولا۔ "لاری اڈے تک پہنچتے دیر ہوگئی تھی اور آپ بھی وہاں نظر نہیں آئے اس لئے پیدل چل پڑا، ویسے بھی فوجی ہوں اور دس میل کا فاصلہ میرے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔"

راجو بولا۔ "یار واپسی پر ایک مجبور عورت راستے پر ملی اسے بھی تانگے پر سوار کیا۔ آپ پچھلی سیٹ پر آجاؤ۔"

دیپک نے حیرت سے کہا۔ "پرنتو آپ کا تانگہ تو خالی ہے۔" راجو بھی حیران رہ گیا۔

"ارے ابھی تو یہاں بیٹھی تھی، کہاں غائب ہوگئی؟"

دیپک تانگے پر بیٹھتے ہوئے مذاق میں بولا۔ "جہاں تک میری جانکاری ہے راجو ایک شریف آدمی تھا، کون وہ لڑکی؟" راجو اس کا مذاق سمجھ گیا تھا۔ "ارے نہیں یار ایسی کوئی بات نہیں، وہ کوئی اجنبی عورت تھی اور پورے راستے ہماری اس سے کوئی بات چیت بھی نہیں ہوئی، خیر چلتے ہیں گاؤں۔" راجو کا تانگہ تیزی سے رام پور کی طرف جارہا تھا۔ راجو کی پتنی کافی سمے سے اس کی راہ تک رہی تھی، راجو کو دیکھ کر اس کی سانس میں سانس آئی۔ "ارے یہ آپ کہاں رہ گئے تھے۔" راجو نے [illegible] تھا۔

☆......☆......☆

"ارے میری مدھو بالا گھوڑے کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا تھا اس وجہ سے دیر ہوگئی اور کتنی مرتبہ کہا ہے کہ میرا کام ہی ایسا ہے دیر سویر ہوتی رہتی ہے چنتا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" سردی کی شدت سے راجو کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہوگئے تھے۔ راجو کی پتنی نے لکڑیوں کی ایندھن کے ساتھ کوئلے کی آگ جلائی تھی، راجو نے ہاتھ منہ دھویا اور آگ سینکنے بیٹھ گیا۔ راجو کی پتنی اس کے لئے روٹی لے آئی۔

راجو بار بار گھوڑے کی طرف دیکھ رہا تھا، اس نے ڈاکٹر والی بات پتنی سے بھی شیئر کی جسے سن کر وہ بھی فکرمند ہوگئی۔ اس نے بھی راجو کو مشورہ دیا کہ کسی دن گھر میں پوجا کا اہتمام کیا جائے تاکہ جو کوئی بھی کالی شکتی یا آتما سے چھٹکارا حاصل کیا جائے وہ دونوں اس بات پر متفق ہوئے، کچھ دیر وہ باتیں کرتے رہے اور پھر بستر پر سو گئے۔

صبح راجو کا گھوڑا مردہ پایا گیا، گھوڑے کی اچانک مرتیو پر دونوں میاں بیوی کافی دکھی ہوگئے، اپنے پیارے گھوڑے کی موت پر راجو سر پکڑ کر کافی دیر تک روتا رہا جبکہ اس کی پتنی اسے دلاسہ دیتی رہی۔ راجو کا گھوڑا مرگیا پورے گاؤں میں یہ بات پھیل گئی۔ ہر کوئی راجو سے ہمدردی کرنے آرہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ غریب لوگ جانوروں کو بھی اپنے پریوار کا حصہ سمجھتے ہیں جبکہ آج کے جدید دور میں انسان کو انسان نہیں سمجھا جاتا۔ سوشل میڈیا کے اس دور میں انسان نے ترقی تو بہت کرڈالی مگر سادگی، ہمدردی اور انسانیت کہیں پیچھے رہ گئی۔

☆......☆......☆

گھوڑے کے سوگ میں کافی دن گزر گئے تھے اور اب راجو بے روزگار ہوگیا تھا، اب وہ محنت مزدوری کرتا تھا اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر انہیں بیچتا تھا اور اس طرح گھر کا چولہا جلتا تھا۔

ایک دن وہ بستی کے پنڈت کے پاس گیا اور کہا۔ "پنڈت جی، مجھے اپنے گھوڑے کی مرتیو پر ابھی تک دکھ ہے، لیکن سمجھ میں نہیں آرہا کہ یہ سب یوں اچانک کیسے ہوگا۔"

اور اس طرح راجو نے پنڈت کو ڈاکٹر والی بات بھی بتادی۔ پنڈت نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "دیکھو بیٹا مرتیو اوش ہے۔ ہر جیو نے مرتیو کا مزہ چکھنا ہے۔ میرے وچار کے مطابق ڈاکٹر کی بات صحیح تھی اور راجو بیٹا یہ بھی سچ ہے کہ اس سنسار میں کالی شکتیاں اور آتمائیں بھی موجود ہیں اور رات کے سمے وہ بلائیں باہر نکلتی ہیں۔ ہمارے بڑے بوڑھوں کے مطابق ان جنگلوں میں ایک آتما صدیوں سے بھٹک رہی ہے اور رام پور میں کافی لوگوں نے رات کے سمے اس بھٹکتی آتما کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی ہے لیکن انہوں نے بات نہیں پھیلائی۔ تمہارے گھوڑے کو وہ آتما نظر آگئی تھی، جسے تم نے مندر کی سیڑھیوں پر عورت کے روپ میں دیکھا تھا، دراصل وہ نقاب پوش عورت ایک بھٹکتی ہوئی آتما ہے۔ بھگوان کا شکر ادا کرو کہ اس نے تجھے زندہ چھوڑ دیا۔

https://www.urdutubes.com/
HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

بیٹا میری بات یاد رکھنا رات کے سمے کبھی اکیلے جنگل میں نہیں جانا مگر دن کے سمے اوش جا سکتے ہو۔"

راجو شکریہ ادا کر کے واپس گھر آ گیا۔ وہ صبح سویرے کلہاڑا، رسی لے کر جنگل کا رخ کرتا تھا اور سوکھی لکڑیاں کاٹ کر گاؤں میں بیچتا تھا اور اس طرح محنت کر کے اپنا گزارا کرتا تھا۔ جنگل کافی وسیع اور گہرا تھا سو وافر مقدار میں سوکھی لکڑیاں دستیاب تھیں۔

اب گاؤں والے اسے راجو لکڑ ہارا کے نام سے پکارتے تھے۔

موسم سرما کے آخری دن تھے، ایک دن راجو کلہاڑا لے کر لکڑیاں کاٹنے کے لئے جنگل میں گیا۔ قرب و جوار سے سوکھی لکڑیاں بہت کم مقدار میں دستیاب تھیں اس لئے راجو کافی آگے نکل گیا۔ دوپہر سے شام ہو گئی تھی اب وہ جنگل کے اس حصے میں داخل ہو گیا تھا۔ جہاں خطرناک جنگلی جانور پائے جاتے تھے۔ اتنی زیادہ مقدار میں سوکھی لکڑیاں دیکھ کر راجو حیران رہ گیا۔ "لگتا ہے جنگل کا یہ والا حصہ رام پور کے لکڑ ہاروں کی نظروں سے اوجھل ہے۔" اس نے خود کلامی کی اور سمے برباد کئے بغیر لکڑیاں کاٹنے لگا۔

ابھی تھوڑی دیر ہی نہیں گزری تھی کہ ایک مہا شکتی شالی چیتا اچانک کہیں سے نمودار ہوا جس کی دھاڑ سن کر راجو کے اوسان خطا ہو گئے۔ اپنی جان بچانے کے لئے وہ دوڑا اور ایک لمبے گھنے درخت پر چڑھ گیا۔

چیتا راجو کو دیکھ کر زور زور سے دھاڑنے لگا جس سے جنگل میں یکسر خاموشی چھا گئی۔ چیتا بار بار درخت پر اوپر چڑھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ڈر اور خوف کے مارے راجو کی سٹی گم ہو گئی تھی اور سردی میں بھی پسینے چھوٹ رہے تھے وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب وہ یہاں آیا تھا چیتا بھی باز نہیں آیا اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ آج اپنا شکار حاصل کر کے دم لے گا۔ وہ درخت کے نیچے زمین پر بیٹھ گیا تا کہ اس کا شکار نیچے اترے اور وہ اسے دبوچ لے۔ سورج ڈھل چکا تھا۔ مگر ہنوز چیتا اپنی جگہ سے نہیں اُٹھا۔

آخر کار طویل انتظار کے بعد چیتا اپنی جگہ سے اُٹھا اور راجو کی طرف دیکھ کر غصے سے دھاڑا اور واپس چلا گیا۔ راجو کافی دیر سے اس انتظار میں درخت کے اوپر بیٹھا تھا کہ کب چیتا واپس جاتا ہے۔ اور وہ درخت سے نیچے اترے۔ چیتے کے جانے کے کافی دیر بعد بھی وہ درخت کے اوپر بیٹھا رہا۔

جب راجو کو یقین ہو گیا کہ چیتا وہاں سے کافی دور نکل گیا ہو گا۔ تبھی وہ دبے پاؤں درخت سے نیچے اترا اور اپنا کلہاڑا سنبھالا۔ ادھر ادھر دیکھا اور [illegible] دوڑ لگا دی۔

رات کی تاریکی گہری ہو گئی تھی وہ شاید راستہ بھی بھٹک گیا تھا۔

اچانک ایک عورت اس کے سامنے نمودار ہوئی جس کا چہرہ مکمل گھونگھٹ میں چھپا ہوا تھا۔

راجو کے بھاگتے قدم رک گئے۔ راجو کو [illegible] پنڈت کی بات یاد آ گئی۔ اس نے اس عورت پر کلہاڑا تانا اور ڈرتے ڈرتے پوچھا۔ "کون ہو تم؟ اور رات کے [illegible] سمے یہاں جنگل میں کیا کر رہی ہو؟" [illegible] رہی لیکن جب راجو نے اسے کلہاڑا [illegible] فوراً اس نے اپنا گھونگھٹ الٹ دیا۔

اور پھر چشم زدن میں ایک بھیانک چیخ کے ساتھ ہی راجو وہاں سے بھاگا کیوں کہ گھونگھٹ کے پیچھے کسی کا بھی چہرہ نہیں تھا، کوئی وجود نہیں تھا بلکہ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے ہوا کے اوپر گھونگھٹ اوڑھا دیا ہو۔

راجو خوف کے عالم میں گرتا پڑتا بھاگ رہا تھا۔ اس کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی تھی اور رام پور پہنچتے پہنچتے اس کے دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا تھا۔

راجو کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ مر گیا۔ اپنے گھوڑے کی طرح راجو بھی مردہ پایا گیا۔

اور پھر راجو کے بعد تو لوگوں نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رات میں پرانے مندر کے راستے سے آنا جانا چھوڑ دیا۔

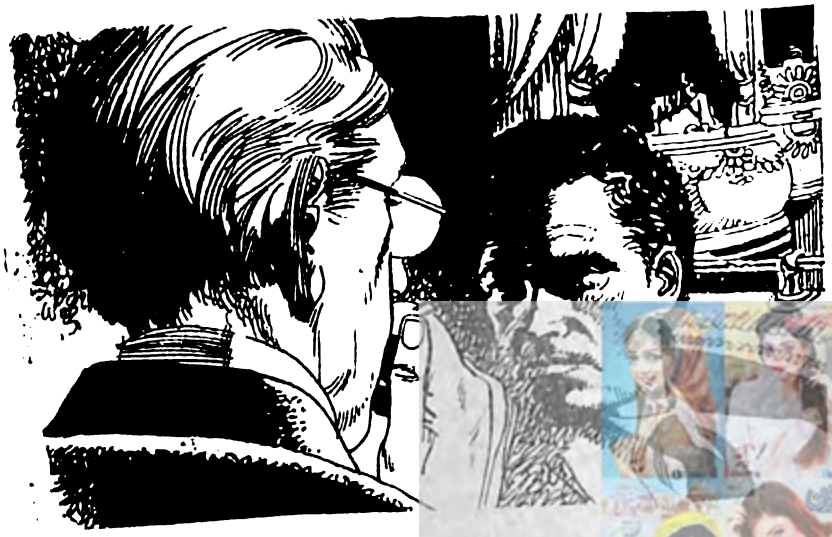

☠

انوکھی شرط

مریم فاطمہ - کراچی

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

نوجوان محتاط انداز سے آگے بڑھا اور ڈبے کا ڈھکن ہٹایا اور جب اندر دیکھا تو حیران رہ گیا اندر نیلے رنگ کے غبارے تھے ان میں پانی بھرا ہوا تھا اور پھر نوجوان پر سکتہ طاری ہو گیا۔

خوف و ہراس کے لبادے میں لپٹی ہوئی اپنی نوعیت کی عجیب و غریب دلچسپ کہانی

فلپ اور ٹامس اس وقت USA پولیس ڈپارٹمنٹ کی بلڈنگ کے ایک کمرے میں بیٹھے کافی کی چسکیاں لے رہے تھے۔ ٹامس چیف آف پولیس تھا۔ جبکہ فلپ ایک ڈیٹیکٹو تھا جو کہ پولیس کے لئے کام کرتا تھا۔ ٹامس کی عمر 36 سال تھی جبکہ فلپ ابھی 32 سال میں داخل ہوا تھا۔ ٹامس ایک عام سی شکل و صورت کا تھا جبکہ اس کے برعکس فلپ نہایت ہینڈسم، پرکشش اور جاذب نظر آنے والا شخص تھا۔ ٹامس کی شادی کو اب آٹھ سال ہو چکے تھے۔ حالانکہ دوسری طرف فلپ نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بڑے گہرے دوست تھے۔

ٹامس نے کافی کا کپ میز پر رکھتے ہوئے فلپ کی طرف قدرے سنجیدہ انداز میں دیکھا اور پھر بولا تو لہجہ خاصا فکر مند تھا۔ "فلپ میرا خیال ہے کہ اب تمہیں

شادی کر لینی چاہئے۔" اس نے کہا۔ "ہاں؟ یہ اچانک تمہیں میری شادی کا خیال کیوں کر آ گیا۔" قلب نے چونک کر اپنے مقابل بیٹھے ٹامس کو دیکھا۔

"دیکھو تم نے ایک ڈیٹکٹیو کی حیثیت سے اپنا کیریئر بنا لیا ہے۔ اس فیلڈ میں تمہیں اب اتنے سال ہو چکے ہیں۔ میرے خیال سے اب تمہیں شادی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا چاہئے اور ویسے بھی تم بالکل اکیلے ہو۔ نہ کبھی نائٹ کلبز میں جاتے ہو نہ تمہاری کوئی گرل فرینڈ ہے اور نہ ہی تم کبھی کسی قسم کی کوئی موج مستی کرتے ہو، یعنی کہ شراب پینا اور جہاں تک میں جانتا ہوں تم سگریٹ کے علاوہ اور دوسرا کسی قسم کا کوئی نشہ نہیں کرتے ہو۔ اتنی بورنگ زندگی ہے تمہاری قلب۔ میری مانو تو شادی کرلو بیوی گھر میں آجائے گی تو تمہاری تنہائی بھی دور ہوجائے گی۔" ٹامس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاہاہا! اگر میں نشہ کرنے لگ گیا تو مجرموں کا کون پتا چلائے گا۔ اور سارے مجرم تو فرار ہوجائیں گے۔ پھر میں کیا کروں گا۔" قلب نے اس کی بات کو مذاق میں اڑاتے ہوئے کہا۔

"کم آن قلب سیریس یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔ تم سالوں سے اکیلے گھر میں تنہا زندگی گزار رہے ہو۔ ماں باپ کا تمہارے کب کا ایک کار حادثے میں انتقال ہو چکا۔ سچ بتاؤ اس بھری دنیا میں تمہارا میرے علاوہ اور کوئی ہمدرد ہے؟ نہیں نا۔ ذرا سوچو شادی کرلو گے تو دن بھر کام کرتے رہنے کے بعد جب گھر لوٹو گے تو تمہاری بیوی تمہاری دن بھر کی تھکن پیار اور محبت سے سمیٹ لے گی۔ اور ویسے بھی مرد چاہے کتنا مرضی مضبوط سہی لیکن عورت کے بغیر نہیں جی سکتا۔ عورت نہ صرف مرد کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ خواہش بھی اور ایسا ہر دور میں ہوتا آیا ہے۔ عورت مرد کی بہت بڑی کمزوری ہوتی ہے۔" ٹامس نے کہا۔

"اب رہنے بھی دو ٹامس عورت مرد کی کمزوری ہوتی ہوگی لیکن میں عام مردوں کی طرح نہیں ہوں۔ میں ایسا نہیں کہتا کہ میں کبھی شادی کروں گا ہی نہیں لیکن کم از کم ابھی وہ وقت نہیں آیا ابھی میں عورت کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا۔ اور ویسے بھی میرا ماننا ہے کہ عورت مرد کو سوائے تباہ و برباد کرنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ میرے اپنے والدین کی مثال لے لو۔ میرے ڈیڈ نے مام کو ہمیشہ خوش رکھنے کی کوشش کی۔ رہنے کے لئے اچھا گھر لے کر دیا۔ ان کی ہر خواہش پوری کر کے دی لیکن اس کے باوجود بھی وہ ڈیڈ کے ساتھ خوش نہیں تھیں اور ہر وقت ان سے جھگڑا کرتی رہتی تھیں۔ اور پھر یونہی ایک روز کار حادثے میں دونوں مجھے تنہا چھوڑ گئے میں اکیلا رہ گیا لیکن میری تعلیم مکمل ہونے والی تھی اپنی تعلیم مکمل کر کے میں نے ڈیٹکٹیو کا پیشہ اختیار کر لیا اور آج زندگی میں بے حد خوش اور مطمئن ہوں۔ کم از کم آج میں چین اور سکھ سے تو رہ رہا ہوں۔ اگر واقعی میری زندگی میں کوئی عورت آگئی تو میرا یہ چین اور سکھ سب چھین لے گی اور پھر روز روز کی تکرار گھر میں ہوا کرے گی۔ میرے لئے یہ جاب برقرار رکھنا بھی مشکل ہوجائے گا۔" قلب نے قدرے اطمینان سے جواب دیا۔

"اچھا تو تم فی الحال شادی کے لئے [illegible] ہو۔" ٹامس نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں بالکل نہیں۔" قلب نے جواب دیا۔

"تو آخر تم شادی کرو گے کب؟" ٹامس نے سوال کیا۔

"جس دن میری مت ماری جائے گی تو میں شادی کرلوں گا۔" قلب نے مسکرا کر جواب دیا۔

"چلو دیکھتے ہیں تمہاری مت کب تک نہیں ماری جاتی۔" ٹامس نے آخر میں ہنستے ہوئے کہا۔

"میرا نام قلب ہے میری مت اتنی آسانی سے کوئی نہیں مار سکتا۔" قلب نے غرور کے ساتھ جواب دیا۔

"ہاہاہا...... بڑا یقین ہے تمہیں خود پر۔" ٹامس ہنستے ہوئے بولا۔ ہاں یقین تو ہے۔ قلب نے بھی دانت

نکالتے ہوئے کہا۔ "اس بات پر شرط لگانا چاہو گے۔" ٹامس کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ "ہاں بالکل بولو کیسی شرط۔"

"شرط یہ ہے کہ جس دن تمہیں کسی سے پیار ہوگیا تو تمہیں میرے ساتھ بیٹھ کر پہلی بار شراب پینی پڑے گی۔" ٹامس نے مسکرا کر کہا تو قلب بڑے اعتماد کے ساتھ بولا۔ "سمجھو لگ گئی شرط۔ میں شیمپین کے کئی گلاس چڑھا جاؤں گا۔"

"چلو دیکھتے ہیں۔" ٹامس بولا تو قلب نے ہنستے ہوئے سگریٹ جلا لیا اور پینے لگا۔

☆......☆......☆

اس روز قلب بستر میں لیٹا سو رہا تھا۔ الارم کی آواز سے اس کی آنکھ کھلی۔ وہ جلدی سے بستر سے باہر نکلا۔ سیدھا واش روم میں گھس گیا۔ منہ ہاتھ دھو کر باہر آیا اور اپنے لئے ناشتہ تیار کرنے لگا۔ ناشتہ بن گیا تو بیٹھ کر کھانے لگا۔ تب ہی دروازے پر گھنٹی بجی۔ وہ اٹھ کر دروازہ کھولنے گیا۔

"اس وقت کون آگیا۔" وہ سوچتا ہوا آگے بڑھا اور دروازہ کھول دیا۔ اب جو دیکھا تو سامنے کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے حیرت ہوئی۔ اس نے سوچا شاید محلے کا کوئی شریر بچہ گھنٹی بجا کر بھاگ گیا ہے۔ لیکن تب ہی اس کی نظر سامنے زمین پر رکھے ایک پارسل پر پڑی تو اس نے چونک کر دیکھا۔

"یہ کون رکھ گیا۔" وہ دل میں بولا اور پارسل کا ڈبہ اٹھا کر اندر لے آیا۔ ناشتے کی میز پر پارسل رکھا اور کرسی پر بیٹھ کر اسے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ "نام تو میرا ہی ہے قلب لیکن بھیجنے والے کا کوئی پتا نہیں لکھا۔ معلوم پڑتا ہے کہ کوئی اسے خود میرے دروازے پر رکھ گیا ہے۔ ورنہ ڈاک کی کوئی مہر وغیرہ تو ہوتی۔ دیکھتا ہوں اس میں کیا ہے۔" اس نے جلدی سے پارسل کھولا۔ اندر سوائے ایک خط کے اور کچھ نہیں تھا۔

"کمال ہے ایک خط کے لئے اتنا بڑا پارسل۔" اس نے دل میں سوچا۔ پھر وہ خط کھول کر پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"میرے پیارے قلب تم سالوں سے اکیلے تنہا زندگی گزار رہے ہو۔ نہ تمہاری کوئی گرل فرینڈ ہے نہ تم کبھی نائٹ کلبز میں جاتے ہو۔ ذرا سی شراب پیتے ہوئے تمہیں ڈر لگتا ہے کہ اگر میں نشے میں مست ہو گیا تو میرے مجرم کا کون پتا لگائے گا۔ تمہاری حالت واقعی قابل رحم ہے۔ سچ پوچھو تو مجھے تم جیسے اناڑی پر بے حد ترس آتا ہے۔ سچ پوچھو تو یہ بڑے شرم کا مقام ہے تمہارے لئے۔ پچھلی دفعہ تم نے اپنے مجرم رونلڈ کا پتا لگانے میں بھی اتنی دیر کر دی تھی۔ تمہارے بس کی کچھ نہیں ہے۔ کبھی میرے روبرو آؤ تو بتاؤں کہ مردانگی کسے کہتے ہیں۔ آخر تمہارے پاس ہے ہی کیا۔ پولیس ڈپارٹمنٹ میں ایک ڈیٹکٹیو کی حیثیت سے معمولی سی نوکری۔ میں تو دن رات پیسوں میں کھیلتا ہوں۔ زندگی کی ہر آسائش مجھے میسر ہے۔ آرام دہ بستر پر نئی حسینہ کے ساتھ رات گزارتا ہوں۔ جبکہ تم دن بھر کے تھکے ماندے رات کو اکیلے اپنے بے آرام چھوٹے سے بستر پر سو جاتے ہو۔ نہ تمہارے پاس شراب ہے اور نہ ہی شباب۔ جبکہ تمہارے برعکس میں ہر وقت نشے میں رہتا ہوں لیکن پھر بھی ہر بات کی خبر ہے مجھے۔ دنیا والوں کو اچھی طرح جانتا ہوں میں اور بھلا لڑکی کے بغیر بھی زندگی کا کوئی مزہ ہے۔ کیسی بے کار زندگی ہے تمہاری۔ قلب مجھے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں ہے جبکہ تمہارے اس دنیا میں کوئی دوست بھی نہیں ہیں۔ ماں باپ بھی عرصہ ہوئے ایک کار حادثے میں تمہیں چھوڑ گئے۔ تم یتیم ہو گئے ہو۔ ہاہاہا! میری بات مان لو۔ ڈیٹکٹیو کی یہ نوکری چھوڑ دو اور کسی فیکٹری میں ملازمت کرلو۔ تمہارے جیسے بے وقوف اور احمق انسان پر یہ ڈیٹکٹیو کا پیشہ سوٹ نہیں کرتا اور اگر نہ ہو سکے تو اپنی شادی پر توجہ دو۔ آخر کب تک شراب اور شباب کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔ زندگی گزر جائے گی تمہاری۔ بڑھاپے میں داخل ہو جاؤ گے تو لڑکی تمہارے پاس پھٹکے گی بھی نہیں۔ لیکن مجھے بھی

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

لڑکیوں کی کمی نہیں ہونے والی کیونکہ میرے پاس پیسہ فالتو ہے۔ امید کرتا ہوں کہ تم میری باتوں پر سنجیدگی سے غور کرو گے اور اپنا یہ فضول طرز زندگی بدل ڈالو گے۔ مجھے ہمیشہ یاد رکھنا۔ تمہارا مجرم "ایرک اینڈریو"

خط کا سلسلہ یہاں پر ختم ہو گیا۔

فلپ یہ خط پڑھ کے حیران پریشان رہ گیا۔ آخر کس نے کی یہ حرکت میرے ساتھ۔ اور کون جانتا ہے میرے بارے میں اتنا کچھ۔ اور وہ کون ہے؟ کیوں کیا اس نے ایسا؟ آخر مقصد کیا تھا؟ کوئی دشمنی؟ کوئی کھیل کوئی شرارت؟ لیکن نہیں کھیل اور شرارت ایسا نہیں ہوتا۔ جہاں تک میں جانتا ہوں تو میرے بارے میں اتنی معلومات صرف ٹامس کو ہے۔ اور ٹامس کا کوئی دماغ نہیں خراب ہوا جو وہ ایسی حرکت کرے گا۔ آخر ہے کون یہ ایرک اینڈریو۔ اور اچانک کہاں سے ٹپک پڑا۔ مجھ سے کیا غرض نکل آئی اسے۔ کیا یہ کام میرے کسی مجرم کا ہے؟ لیکن نہیں میرے سارے مجرم اس وقت یا تو جیل کی ہوا کھا رہے ہیں یا پھر پھانسی کے تختے پر چڑھ چکے ہیں۔ فلپ دل ہی دل میں خود سے ہمکلام تھا۔ خیر دفع کرو اس بے ہودہ خط کو۔ بھاڑ میں جائے ایرک اینڈریو اور اس کی دولت۔ فلپ نے بلند آواز سے کہا اور پھر خط کو ڈسٹ بن میں پھینکنے کے لئے بڑھا لیکن فوراً ہی کچھ خیال کر کے رک گیا۔ میں یہ خط ٹامس کو بھی دکھاؤں گا۔ اس نے دل میں کہا۔ اور خط واپس میز پر رکھ دیا۔ اس نے ناشتے کے برتن سمیٹے اور کچن میں لے جا کر دھونے لگا۔ اس نے آج پورا ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔

ایرک اینڈریو کے خط نے اس کا دماغ خراب کر ڈالا تھا۔ اسے شدید حیرت کے ساتھ غصہ بھی آ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ایرک اینڈریو اس کے سامنے آ جائے اور وہ اس کا منہ توڑ دے۔

بہرحال وہ جلدی جلدی تیار ہو کر پولیس ڈیپارٹمنٹ پہنچا تا کہ وہاں ٹامس سے ملاقات کر سکے اور اسے ساری بات بتا سکے۔ "ہیلو ٹامس" اس نے ٹامس کے کمرے میں گھستے ہی کہا۔

"یار ٹامس ایک گڑبڑ ہے۔" فلپ نے کہا۔

"گڑبڑ کیسی گڑبڑ ہے۔" فلپ نے کہا۔ کوئی نیا کیس؟" ٹامس نے پوچھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے دراصل تمہیں یہ ایک خط دکھانا تھا۔ نا معلوم کون کمینہ یہ خط میرے دروازے پر ڈال گیا۔" اور فلپ نے جھجکتے ہوئے ایرک اینڈریو کا خط ٹامس کی طرف بڑھایا تو ٹامس نے فوراً ہی پڑھنا شروع کر دیا۔

وہ جیسے جیسے خط پڑھتا جاتا اس کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا۔ ... پڑھ لینے کے بعد اس نے وہ اپنے سامنے میز پر ... پرسوچ لہجے میں بولا۔ "بہت عجیب بات ہے۔ آخر یہ ایرک اینڈریو تمہارا اتنا مذاق کیوں اڑا رہا ہے۔"

"ہاں بالکل نہ صرف یہ کہ یہ ایرک ... رہا ہے بلکہ بے ہودہ انسان ہر وقت عورت کے چکر میں رہتا ہے اور ذرا دیکھو گھمنڈ کتنا ہے اسے اپنی دولت پر۔" فلپ غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔

"کیا ایسا ممکن ہے کہ یہ ہمارے ہی ڈیپارٹمنٹ میں سے کسی کی شرارت ہو ..." ... تھوڑی پر پھیرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ٹامس میں تمہیں بتا رہا ہوں یہ کوئی شرارت نہیں ہے جیسی باتیں اس خط میں کی گئی ہیں اور جس انداز سے کی گئی ہیں یہ کوئی مذاق نہیں لگتا۔ نا معلوم کیوں ٹامس مجھے خطرے کی بو محسوس ہو رہی ہے۔" فلپ آخر میں پریشان سے لہجے میں بولا۔

"خطرے کی کوئی بات نہیں ہے تم تو خود ایک ڈیٹیکٹو ہو۔ اس بے ہودہ ایرک اینڈریو سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے۔" ٹامس نے تسلی دی۔ "اگر دوبارہ ایسا کوئی خط یا کوئی بھی چیز اس شخص کی طرف سے ملے تو میں چین سے نہیں بیٹھوں گا۔ بلکہ اس کے بارے میں پتا لگا کر ہی دم لوں گا۔" فلپ غصے سے بولا۔ اس کے ماتھے پر بل پڑے ہوئے تھے۔

"ہاں ہاں ضرور پتا لگانا بلکہ مجھے بھی اس کی طرف سے ملنے والی کسی بھی چیز کو ضرور دکھانا لیکن فی الحال تو تم چین سے بیٹھ جاؤ۔ ٹھہرو میں تمہارے لئے کافی منگواتا ہوں۔" ٹامس نے کہا۔ "ہاں ضرور جلدی منگواؤ مجھے سر درد ہو رہا ہے۔" فلپ نے اپنا ماتھا مسلتے ہوئے کہا۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے تین دن بعد ایک صبح فلپ میز پر ناشتہ کر رہا تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے ... ٹامس کی کال آئی تھی۔ ... جلدی سے کال ... "ہیلو ٹامس۔" فلپ ...

"Voice Of Nation کا اس ہفتہ کا ..." ٹامس کے لہجے میں فکر ... تھی۔

"نہیں ابھی نہیں میرے سامنے میز پر پڑا ہے ابھی پڑھ کے دیکھوں گا۔ کیوں کوئی خاص بات؟" فلپ نے اطمینان سے پوچھا۔

"... اور وہ بھی صرف تمہارے لئے ..." ٹامس نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "کیا مطلب؟ میرے لئے؟" فلپ نے حیرت سے پوچھا۔ "ہاں تمہارے لئے۔ اب صفحہ نمبر 9 کھول کر ... باقی بات بعد میں ہوگی۔" ٹامس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وائس آف نیشن ایک میگزین کا نام تھا جو ہر ہفتے شائع ہوتا تھا۔ اس میں عوام کے مسائل اور لوگوں کے خط شائع ہوتے تھے۔ مختلف آرٹیکلز لکھتے تھے جن میں عوام کے مسائل پر بات کی جاتی تھی۔ فلپ نے جلدی جلدی صفحہ 9 کھول کر دیکھا۔ وہاں اس کی ایک چھوٹی سی تصویر بنی ہوئی تھی اور ساتھ میں کسی کا خط شائع ہوا تھا۔ فلپ جلدی جلدی پڑھنے لگا۔ لکھا تھا۔

"Hc میرا نام ایرک اینڈریو ہے اور میں USA پولیس ڈیپارٹمنٹ کے مشہور ڈیٹیکٹو فلپ کے بارے میں اہم جان کاری دینا چاہتا ہوں۔ فلپ جو بظاہر ایک شریف نظر آنے والا بندہ ہے درحقیقت قدرے عیاش طبیعت کا مالک ہے۔ کہنے کو تو وہ جرائم پیشہ لوگوں کا پتا لگاتا ہے لیکن وہ مجرموں سے پیسے لے کر انہیں چھوڑ دیتا ہے۔ ایسے کئی کیس ہیں جب اس نے مجرم کو رشوت لے کر جانے دیا اور دنیا کی نظروں میں ایسا ظاہر کیا جیسے کہ مجرم کا کبھی پتا ہی نہیں چل سکا۔ میں فلپ کی تصویر بھیج رہا ہوں۔ آپ سب بھی اسے غور سے دیکھ لیجئے۔ اور امید ہے میری بتائی گئی باتوں پر غور کیا جائے گا۔ اور اس شخص کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔" خط کا سلسلہ یہاں ختم ہوتا تھا۔

"کیا ہے یہ سب۔ ایرک اینڈریو۔ ایرک اس بار تم نے جو میرے ساتھ کیا ہے میں تمہیں کبھی معاف نہیں کرنے والا۔" فلپ نے با آواز بلند کہا اور میگزین میز پر پٹخ دیا۔ پھر کچھ سوچ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے گھر سے نکلتا چلا گیا۔ اس کا رخ سیدھا وائس آف نیشن کے دفتر کی جانب تھا۔ وہ بڑی تیزی سے گاڑی چلا رہا تھا۔ جیسے ہی وہاں پہنچا۔ تیزی سے گاڑی سے باہر نکلا اور آفس میں داخل ہو گیا۔ "رسالے کے مالک ہنری کا کمرہ کہاں ہے؟" اس نے ایک سیکورٹی گارڈ سے پوچھا جو ایک کمرے کے باہر بیٹھا ڈیوٹی دے رہا تھا۔

"تم کون ہو؟" گارڈ نے سختی سے دریافت کیا۔

"میں تمہارے باپ کا بھی باپ ہوں۔" فلپ نے کہا اور اپنا ڈیٹیکٹو کا لائسنس نکال کر دکھا دیا۔ گارڈ ذرا سہم سا گیا۔ "وہ اندر کمرے میں ہیں۔" گارڈ نے اندر کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ فلپ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔

کمرے میں رسالے کا مالک ہنری بیٹھا کافی کے سپ لے رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ "ہنری مجھے تم سے ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں۔" فلپ دھاڑا اور آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا اور اسے گریبان سے پکڑے پکڑے کرسی سے کھینچ کر کھڑا کر دیا۔ "سچ سچ بتاؤ تم نے میرے بارے میں بغیر کسی

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

ثبوت کے وہ خط اور ساتھ میں میری تصویر کیوں شائع کی۔" فلپ چیخا۔

ہنری سہم کر بولا۔ "بتاتا ہوں پہلے میرا گریبان تو چھوڑو۔" فلپ نے فوراً اسے چھوڑا اور اس کی طرف جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

"دراصل یہ خط کوئی ہمیں دے گیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ اگر ہم نے یہ شائع کیا تو ہم کو پندرہ ہزار ڈالرز دے گا۔" ہنری نے بتایا۔

"کون تھا وہ شخص؟" فلپ نے پوچھا۔ "یہ میں نہیں جانتا۔ میرے گارڈز نے وہ خط لیا تھا اور اس کا کہنا ہے کہ اس شخص نے چہرے پر ماسک پہن رکھا تھا۔"

"شرم آنی چاہئے تمہیں چند پیسے کی خاطر کسی کو بلا وجہ بدنام کرنے چلے ہو۔" فلپ غصے سے بولا۔ "ابھی تو میں جا رہا ہوں بعد میں تم سے نمٹ لوں گا۔"

اتنا کہہ کر فلپ رکا نہیں اور سیدھا بلڈنگ سے باہر نکل آیا۔ اب اس کا رخ پولیس ڈپارٹمنٹ کی جانب تھا۔ وہ جیسے ہی ٹامس کے کمرے تک پہنچا تو تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگیا۔ "ٹامس" اس نے کہا۔

"Hi فلپ کیسے ہو۔" ٹامس نے اس کا بجھا ہوا چہرہ دیکھ کر کہا۔ "ہاں ٹھیک ہوں۔ وہ غصے سے بولا اور ٹامس کے سامنے رکھی کرسی پر دھپ سے بیٹھ گیا۔

"ارے کیا خاک ٹھیک ہو۔ ذرا دیکھو تو سہی اس ایرک اینڈریو کے بچے نے تین دن میں تمہاری کیا حالت بنادی ہے۔ ٹامس فکرمندی سے بولا۔

"بھاڑ میں جائے ایرک اینڈریو۔ یقین جانو ٹامس اگر اس وقت وہ شخص میرے سامنے آجائے تو میں اس کو جان سے ماردوں۔ یہ ایرک اینڈریو اب حد سے بڑھ چکا ہے۔ اس بار اس نے جو حرکت کی ہے ناں میں اسے اتنی آسانی سے چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ اس نے مجھ سے پنگا لیا ہے اب میں اسے سبق سکھا کر ہی دم لوں گا۔ بس کسی طرح اس کا کوئی سراغ مل جائے۔ وہ اتنا چالاک ہے کبھی اپنا کوئی سراغ نہیں چھوڑتا۔" فلپ نے غصے سے کہا۔

"تم ایسا کرو۔ وائس آف نیشن کے دفتر جا کے معلوم کرو۔" ٹامس نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا اور ایک سگریٹ فلپ کو بھی پیش کی۔ وہ بھی پینے لگا۔ "کیا تھا وہاں بھی۔ بلکہ ابھی وہیں سے تو ہو کر آرہا ہوں۔" فلپ بولا۔

"تو کیا پتا چلا؟" ٹامس نے تجسس سے پوچھا۔

"کچھ نہیں وہ بے ہودہ شخص وہاں بھی اپنا کوئی سراغ نہیں چھوڑ گیا۔" فلپ نے کہا۔ "خیر تم پریشان مت ہو۔ وہ تمہارا مجرم ہے اور جہاں تک مجھے یاد ہے تمہارا کوئی بھی مجرم اب تک تمہارے ہاتھوں سے بچ کر نہیں نکل سکا۔ یہ بھی کہیں چھپ نہیں پائے گا۔ ایک نہ ایک دن پکڑا ہی جائے گا۔ اس دن تم سارے حساب پورے کرلینا۔" ٹامس نے اس کو اتنا پریشان دیکھ کر تسلی دی۔

فلپ ایک آہ بھر کر رہ گیا۔ اب وہ دل ہی دل میں ایرک اینڈریو کی جانب سے اٹھائے جانے والے کسی دوسرے قدم کا انتظار کر رہا تھا۔ اس رات اسے نیند بھی ٹھیک سے نہیں آئی۔ وہ برے برے خواب دیکھتا رہا۔ اور گھبرا کر جاگ جاتا۔

خواب میں وہ دیکھتا کہ وہ [illegible]

ایک ویران جگہ بھٹک رہا ہے کہ تب ہی پیچھے سے ایرک اینڈریو چہرے پر ماسک چڑھائے پیچھے سے آکر اسے کلوروفارم سنگھا دیتا ہے۔ وہ بے ہوش ہو کر گرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل جاتی تھی۔ فلپ اب بہت پریشان ہو چکا تھا۔ وہ جلد از جلد ایرک اینڈریو کا پتا لگانا چاہتا تھا جو کہ خود کو پوشیدہ رکھتے ہوئے اس کے خلاف نامعلوم کیا سازش تیار کر رہا تھا۔

☆......☆......☆

دو دن بعد کی بات ہے فلپ دوپہر کے وقت گھر میں کھانا تیار کر رہا تھا کہ اس کے دروازے پر بیل ہوئی۔ کون آگیا وہ بڑبڑاتا ہوا دروازہ کھولنے پہنچا۔ دروازہ کھول کر دیکھا لیکن باہر کوئی نہیں تھا۔ اسے فوراً ہی ایرک اینڈریو والا واقعہ یاد آگیا اور اسی وقت اس کی نظر دروازے کے پاس پڑے پارسل پر گئی۔ اس

نے چونک کر پہلے ایرک اینڈریو کی تلاش میں ادھر ادھر نظریں دوڑائیں لیکن گلی پوری خالی پڑی تھی۔ اس نے جھک کے پارسل اٹھایا اور اندر لے آیا۔ اسے جلدی جلدی کھولا۔ اس بار بھی سوائے ایک خط کے اس میں اور کچھ نہیں تھا۔ فلپ نے جلدی جلدی خط پڑھنا شروع کیا لکھا تھا۔

میرے پیارے فلپ میں جانتا ہوں کہ وائس آف نیشن میں اپنے بارے میں خط پڑھ کے تم کتنے پریشان ہوئے ہو۔ تم یقیناً مجھ سے ملنا چاہتے ہو۔ میں تمہیں ایک موقع دے رہا ہوں۔ دو [illegible] اسی وقت وہاں پہنچو۔ تمہیں وہاں لکڑی کا ایک [illegible] نظر آئے گا۔ اس میں تمہیں میری ایک [illegible] جس سے تم مجھ تک با آسانی پہنچ سکو گے۔"

تمہارا ایرک اینڈریو۔

فلپ نے خط ایک طرف رکھا اور تیزی سے [illegible] گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ بھاگتا ہوا وہاں تک پہنچا [illegible] ایرک اینڈریو نے پہنچنے کو کہا تھا۔

وہاں واقعی لکڑی کا ایک [illegible] تھا۔ فلپ نے [illegible] کاغذ [illegible] کھول کر دیکھا اور کاغذ پڑھنے شروع [illegible] کاغذ پر ایک ہی لفظ لکھا تھا۔ "بار ہویں"

فلپ نے غصے میں کاغذ مٹھی میں بھر کر ہوا میں [illegible] سے ڈبے کو ٹھوکر ماری۔ پھر وہ [illegible] دیوانوں کی طرح چیخنے لگا۔ [illegible] ایرک اینڈریو باہر نکلو۔ اپنا یہ بے ہودہ کھیل [illegible]

سامنے والے گھر سے ایک عورت عجیب نظروں سے فلپ کو دیکھ رہی تھی۔ ایسے جیسے کہ اس کا دماغ خراب ہوگیا ہو۔ فلپ شرمندہ ہوتا ہوا واپس گھر لوٹا۔ گھر کے اندر آتے ہی اسے جلنے کی بو محسوس ہوئی۔ اسے پہلے تو کچھ سمجھ نہ آیا لیکن پھر فوراً یاد آیا کہ وہ کھانا پکا رہا تھا۔ وہ تیزی سے کچن کی طرف بھاگا۔ اب جو دیکھا تو سارا

سالن جل چکا تھا۔ اس نے غصے اور بے بسی کے عالم میں برتن چولہے پر سے اتارا اور جلا ہوا کھانا ڈسٹ بن میں پھینکتے ہوئے دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اب پھر سے کھانے کی تیاری کرنی پڑے گی۔ یہ ایرک اینڈریو تو اس کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ اس کی حرکتوں سے صاف ظاہر ہے۔ وہ اسے بوکھلا دینا چاہتا ہے۔ اور وہ واقعی بوکھلاتا جا رہا ہے۔ یہ ایرک اینڈریو اب اس کے اعصاب پر حاوی ہوگیا ہے۔

اس نے کھانے سے فارغ ہو کر ٹامس کو فون ملایا اور پوری بات بتائی۔ ٹامس کو بھی تشویش ہوئی لیکن پھر اس نے اسے تسلی دی اور کہا کہ اگر ایرک اینڈریو بار بار تمہارے دروازے تک آ رہا ہے گا۔ تو ایک دن خود ہی پکڑا جائے گا۔ ویسے بھی بھولو مت مجرم چاہے کتنا ہی چالاک کیوں نہ ہو کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی غلطی کر دیتا ہے۔

فلپ کو تھوڑی تسلی ہوئی اور وہ ایک بار پھر ایرک اینڈریو کی جانب سے اٹھائے جانے والے نئے قدم کے بارے میں سوچنے لگا۔

☆......☆......☆

اس واقعے کے ایک ہفتے بعد کی بات ہے فلپ اپنے گھر کی اوپری منزل والے کمرے میں بیٹھا اخبار کا مطالعہ کر رہا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ وہ کھانا کھا کر فارغ ہو چکا تھا۔ اچانک ہی اس کے موبائل کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے جلدی سے موبائل اٹھایا نمبر دیکھا تو اجنبی تھا۔ بہرحال اس نے فون اٹینڈ کیا۔ "ہیلو کون بول رہا ہے؟" فلپ نے پوچھا۔

"تمہارا مجرم ایرک اینڈریو۔" دوسری طرف فون پر کسی لڑکے کی آواز سنائی دی۔ فلپ بری طرح چونک گیا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ "کیا چاہتے ہو تمہیں مجھ سے۔" فلپ نے پوچھا۔ "بس یونہی تمہارے ساتھ شرارت کر رہا ہوں۔ دوسری طرف قدرے ڈھٹائی سے جواب ملا۔

"بکواس بند کرو اور سیدھی طرح بتاؤ کہ یہ سب

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT

Digitized by Google

کیا کھیل لگا رکھا ہے تم نے۔" فلپ دھاڑا۔ "کیوں تمہیں مزہ نہیں آ رہا کھیل کا۔" دوسری جانب سے پوچھا گیا۔ "تم اس وقت کہاں ہو؟" فلپ نے کام کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

"ہاہاہا۔ میں جانتا تھا تم ضرور پوچھو گے۔ اپنے گھر کی کھڑکی کے باہر دیکھو میں باہر ہی کھڑا ہوں۔" ایرک اینڈریو نے ہنستے ہوئے کہا۔

فلپ نے فوراً سے پلٹ کر کھڑکی کی طرف دیکھا۔ باہر واقعی دو آدمی کھڑے فون پر بات کر رہے تھے۔ فلپ نے جلدی سے فون بند کیا۔ کوٹ کی جیب میں رکھا اور کھڑکی سے باہر کودنے کا سوچنے لگا۔ اس نے کھڑکی سے باہر گراؤنڈ فلور کی چھت پر قدم رکھا پھر سنبھلتا ہوا آگے بڑھا اور کمال مہارت سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ ان آدمیوں میں سے ایک تو کسی سے فون پر بات کر رہا تھا اور ہنستا جا رہا تھا جبکہ دوسرا اب فون رکھ چکا تھا۔ فلپ نے اسی کو دھر لیا۔ "ایرک اینڈریو آج تم میرے ہتھے چڑھ گئے دیکھنا اب کیا حالت بناتا ہوں تمہاری۔" فلپ نے اسے گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"چھوڑو مجھے کون ہو تم۔" وہ آدمی پریشان ہو کر بولا۔ "زیادہ ڈرامے بازی مت کرو ابھی تھوڑی دیر پہلے تم ہی تو مجھے کال کی تھی۔ اب تم میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلو ایرک اینڈریو۔" فلپ نے کہا اور اسے گھسیٹ کر اپنی گاڑی میں بیٹھا لیا۔ اس کا رخ پولیس ڈپارٹمنٹ کی جانب تھا۔

وہ شخص سارے راستے صفائیاں پیش کرتا رہا کہ وہ ایرک اینڈریو نہیں بلکہ جوزف ہے اور وہ فون پر اپنی بیوی سے بات کر رہا تھا۔ لیکن فلپ نے اس کی ایک نہ سنی اور کہا کہ اب پولیس ڈپارٹمنٹ چل کر بات ہوگی۔

تھوڑی دیر میں وہ وہاں پہنچ گئے۔ فلپ اس شخص کو جو خود کو جوزف بتا رہا تھا۔ سیدھا ٹامس کے پاس لے آیا۔ "ٹامس تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ میں نے اپنے مجرم ایرک اینڈریو کو پکڑ لیا ہے۔" ٹامس فوراً اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ فلپ اسے ساری تفصیل بتانے لگا۔

ٹامس نے اس آدمی کی تلاشی لی اس کے پاس سے سوائے ایک موبائل کے اور کچھ نہیں نکلا۔ ٹامس نے یہ پتا لگانے کے لئے کہ وہ آدمی سچ بول رہا ہے یا جھوٹ اس کے موبائل سے اپنے موبائل پر مس کال دی اور پھر وہ نمبر فلپ کو دکھا دیا۔ فلپ ٹپٹایا کیونکہ یہ وہ نمبر نہیں تھا جس سے ایرک اینڈریو کو کال آئی تھی۔ اور اس شخص کے پاس سے کوئی سم یا موبائل نہیں ملا تھا اس سے بظاہر یہ لگتا تھا کہ وہ ایرک اینڈریو نہیں ہے۔

ٹامس نے مزید تفتیش کرنے کے بعد اس جوزف نامی آدمی کو جانے دیا لیکن [illegible] سزا کے طور پر اس شخص کو بھاری جرمانہ [illegible] فلپ اس کے جانے کے بعد پریشان حال اپنا [illegible] کرسی پر بیٹھ گیا۔ ٹامس [illegible] پریشان [illegible] اسے دیکھ رہا تھا۔ "تم فکر مند نہ ہو اس وقت [illegible] والوں کا دفتر بند ہو چکا ہوگا۔ لہٰذا تم کل ان [illegible] کر اس نمبر کے بارے میں معلومات لے لینا۔ [illegible] PBS والوں کا لگ رہا ہے۔" ٹامس نے تسلی دی اور [illegible] اسے کافی کی آفر کی [illegible] اپنے گھر واپس آ گیا۔

اسے اب ایرک اینڈریو کی چال سمجھ [illegible] اس نے بس یونہی اسے بے وقوف بنایا تھا جبکہ وہ اس کی کھڑکی کے باہر نہیں کھڑا تھا۔

بہرحال فلپ اگلے دن کا انتظار کرنے لگا تاکہ PBS کے دفتر جا کے اس نمبر کے بارے میں معلومات لے سکے۔ وہ رات اسے نیند بھی بڑی مشکل سے آئی۔ اگلے روز وہ PBS کا دفتر کھلتے ہی وہاں پہنچ گیا اور اس نمبر کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ لیکن ان لوگوں کا جواب بری طرح اس کا منہ چڑا گیا۔ "سر [illegible] حال ہی میں بند ہوئی ہے۔" اس کے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔ "بند ہو چکی ہے۔ لیکن کوئی معلومات تو ہونگی آپ کے پاس اس نمبر کے بارے میں۔" فلپ نے پوچھا۔

"سوری سر اس سم کے بارے میں ہمارے

پاس جتنا بھی Data تھا وہ سب اب Delete ہو چکا ہے۔" اس آدمی نے جو کہ وہاں کا نمائندہ تھا معذرت کے ساتھ جواب دیا۔

فلپ غم و غصے سے وہاں سے آ گیا۔ اب فلپ ایرک اینڈریو سے نمٹنے کی ایک نئی ترکیب دل میں سوچ رہا تھا اور وہ ترکیب تھی۔ سوشل میڈیا پر اپنی ویڈیو وائرل کر دینا۔ اور پھر فلپ نے ٹامس کو بتائے بغیر کیونکہ وہ اسے اس کام سے لازمی منع کرتا۔ سوشل میڈیا پر اپنی [illegible]

اس وقت ایرک اینڈریو اپنے موبائل پر فلپ کی وائرل ویڈیو دیکھ رہا تھا۔ ویڈیو میں فلپ کہہ رہا تھا۔ "دیکھو ایرک اینڈریو میں تم سے ملنا چاہتا ہوں تاکہ ہم دونوں اپنے معاملات طے کر سکیں۔ پچھلے کئی روز سے تم [illegible] کھیل رہے ہو۔ اب کھل کر سامنے آؤ۔ اور دکھاؤ اپنی مردانگی کا ثبوت۔"

ویڈیو دیکھ لینے کے بعد ایرک اینڈریو مسکرایا اور اسے ایک ایسی جگہ جو آبادی سے کافی ہٹ کر تھی وہاں ملنے کے لئے [illegible] ہمیشہ کی طرح وہ خط ایک [illegible] فلپ کے دروازے پر چھوڑ دیا اور [illegible]

فلپ نے آ کر دروازہ کھولا سامنے ویسا ہی پارسل دیکھ کر فوراً اسے اٹھا کر اندر لے آیا۔ میز پر بیٹھ کر پڑھنے لگا لکھا تھا۔

"میرے پیارے فلپ مجھے خوشی ہے کہ تم مجھ سے ملنے کے لئے اتنے بے تاب ہو۔ میں نے تمہاری ویڈیو دیکھی تھی۔ تم کل شام مجھ سے فلاں جگہ ملو۔ میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔ تمہارا مجرم ایرک اینڈریو۔" خط کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

فلپ نے خط رکھا ہی تھا کہ اس کا موبائل بج اٹھا۔ اس نے کال ریسیو کی۔ "ہیلو ٹامس۔" فلپ بولا۔

فلپ کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں نے آج تمہاری ویڈیو دیکھی سوشل میڈیا پر۔ کیا تم پاگل ہو گئے ہو۔" ٹامس نے اس کو ڈانٹا۔

"شانت ہو جاؤ ٹامس کچھ نہیں ہوگا۔" فلپ نے کہا اور اسے تسلی دے کر یہ بتائے بغیر کہ ابھی اسے ایرک اینڈریو کی جانب سے خط موصول ہوا ہے اور کل وہ اس سے ملنے جائے گا فون بند کر دیا۔

☆......☆......☆

اگلے روز شام کے وقت فلپ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ایرک اینڈریو کے بتائے پتے پر نکل گیا۔ وہ خاصی لمبی ڈرائیو کے بعد ایک جگہ گاڑی روک کر باہر نکلا۔ غالباً ایرک اینڈریو نے اسے یہیں کہیں اپنا انتظار کرنے کو کہا تھا۔ وہ ادھر ادھر نظریں گھما رہا تھا کہ اس کے پاس ایک مڑا ہوا کاغذ آ کر گرا۔ فلپ نے چونک کر اسے دیکھا اور جلدی سے اٹھا لیا۔ اسے کھول کر دیکھا۔ اس میں لکھا تھا۔

"میرا پیچھا کرو۔" فلپ نے چونک کر نظریں ادھر ادھر دوڑائیں تو اسے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹے قد کا آدمی جس نے سر پر ہیٹ لگا رکھا تھا اور چہرے پر ماسک۔ فلپ سمجھ گیا کہ وہ ہی ایرک اینڈریو ہے۔

فلپ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تو وہ آدمی بھی تیز تیز بھاگنے لگا۔ اب ایرک اینڈریو آگے آگے بھاگ رہا تھا اور فلپ اس کے پیچھے پیچھے۔ کچھ دور بھاگ کر ایرک اینڈریو ایک چھوٹے سے لکڑی کے گھر میں گھس گیا اور دروازہ بند کر لیا۔ فلپ دروازے تک پہنچ کر رک گیا۔ پھر اس نے لات مار کر دروازہ توڑ ڈالا اور اندر چلا آیا۔ اندر کوئی بھی نہیں تھا۔ فلپ حیرت سے دیکھنے لگا تب ہی پیچھے سے ایرک اینڈریو نے اسے دھکا دیا تو فلپ نے ذرا دیر لگائے بغیر کمال مہارت اور پھرتی کے ساتھ اس کا ہیٹ اور ماسک اتار کر پھینک دیا اور اسے زمین پر دھکا دے کر گرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی نسوانی چیخ کمرے میں گونجی۔

فلپ نے بری طرح چونک کر ایرک اینڈریو کو دیکھا۔ وہ کوئی لڑکا نہیں تھا بلکہ ایک خوب صورت انیس سالہ دوشیزہ تھی جس کے سیاہ ریشمی بال اس کی پشت پر بکھر گئے تھے۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

"کون ہو تم؟" قلب نے حیرت سے پوچھا۔

"کون ہوں میں؟ یہ تو میں بھی نہیں جانتی کبھی میں ایک اینڈریو بن جاتی ہوں تو کبھی اپنی اصلی حالت میں واپس آ کر مارگریٹ بن جاتی ہوں۔" وہ لڑکی ایک آہ بھرتے ہوئے یوں بولی۔ "جیسے کہ آخرکار میری چوری پکڑی ہی گئی۔"

"کیا ہو رہا ہے یہ سب اتنے دن سے تم مجھے ایک اینڈریو بن کر پریشان کر رہی تھیں۔" قلب چیخا۔

"شانت ہو جاؤ۔" وہ لڑکی اس کا غصہ دیکھ کر سہم گئی۔

"کیسے شانت ہو جاؤں۔ بدتمیز لڑکی اتنے دنوں سے تم نے میرا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ سچ سچ بتاؤ کون ہو تم اور کیوں میرے پیچھے پڑی ہو۔"

"سمجھ نہیں آتا کہ تمہیں اصل حقیقت بتانی چاہئے یا نہیں۔" وہ لڑکی کچھ سوچتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

قلب تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ "سچ سچ بتاؤ ورنہ مار مار کر تمہاری ہڈیوں کو سرمہ بنا دوں گا۔" قلب نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

لڑکی بری طرح ڈر گئی اور خود میں سمٹ گئی۔

قلب کو اپنے ایسے رویے اور اس کی یہ حالت دیکھ کر تھوڑی شرمندگی ہوئی۔ اس نے آج تک اپنے پورے کیرئیر میں کسی عورت سے اس طرح بات نہیں کی تھی۔

"بتاتی ہوں۔ میرا نام مارگریٹ ہے۔ میں اپنے والدین کے ساتھ ایک اپارٹمنٹ میں رہتی تھی۔ ساری زندگی میرے ماں باپ آپس میں جھگڑتے رہے اور پھر ایک روز جب میں انیس کی ہونے والی تھی وہ کار حادثے میں مارے گئے۔ میں بھری پری دنیا میں اکیلی رہ گئی۔ کسی رشتے دار اور جاننے والے نے مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھا۔ میں ابھی چھوٹی تھی اور پڑھ رہی تھی۔ میرے لئے اب اپارٹمنٹ کا کرایہ دینا مشکل تھا۔ میں نے چھوٹی موٹی نوکری کر کے اپارٹمنٹ کا کرایہ دینا شروع کیا۔

لیکن یہ سلسلہ یونہی چلتا رہا۔ میری نوکری چھوٹ جاتی اور تعلیم میرے پاس اتنی تھی نہیں کہ کہیں اعلیٰ نوکری کرتی۔ پھر ایک روز میری ملاقات ڈیوڈ سے ہوئی۔ اس نے مجھے یہ آفر کی کہ اگر میں تمہیں ایک اینڈریو بن کر پریشان کروں گی تو وہ مجھے رہنے کے لئے نئے گھر کے پیسے بھی دے گا اور پڑھائی آگے جاری رکھنے کے لئے خرچ بھی دے گا۔ پہلے تو میں نہ مانی لیکن پھر مان ہی گئی۔" اس نے کہا۔

"اور تم مان گئیں۔ ارے میں پوچھتا ہوں کون ہے وہ ڈیوڈ۔" قلب نے طنز کیا۔

"ڈیوڈ تمہارا ایک مجرم ہے۔ آج سے تین سال پہلے تم نے اسے ڈکیتی کے جرم میں پکڑا تھا۔ وہ تم سے بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس کے لئے اس نے میری مدد مانگی۔" مارگریٹ نے بتایا۔

"بے وقوف اس نے تمہاری مدد نہیں مانگی بلکہ اس نے تمہیں استعمال کیا تاکہ اگر پکڑی جاؤ بھی تو صرف تم۔" قلب بولا۔

"ہاں تم درست کہتے ہو لیکن میں مجبور تھی۔" مارگریٹ نے کہا۔

"تم مجبور نہیں تھیں تم نادان تھیں۔ اب ذرا [illegible] میں تمہیں یونہی چھوڑ دوں گا تمہیں لگتا ہے سیدھا پولیس اسٹیشن لے کر جاؤں گا۔" قلب نے رعب جماتے ہوئے کہا۔ "اور ویسے یہ بتاؤ کہ مجھے یہاں بلانے کا تمہارا مقصد کیا تھا۔ کیا ڈیوڈ بھی یہاں آنے والا تھا۔" قلب نے مزید اضافہ کیا۔

"تمہیں یہاں بلانے کا مقصد تھا..... آف تم؟ وہ چھپکلے تھے۔" مارگریٹ نے قدرے ڈرتے شرمندگی سے کہا۔

"کیا چھپکلے تھے" قلب نے حیرت سے اسے دیکھا تو مارگریٹ نے ایک لکڑی کے ڈبے کی طرف اشارہ کیا۔

جس پر "Panger" لکھا تھا۔

قلب محتاط انداز میں آگے بڑھا ڈبے کا ڈھکن

ہٹایا۔ اب جو دیکھا تو اندر نیلے رنگ کے غبارے تھے جن میں پانی بھرا ہوا تھا۔ قلب حیرت سے کبھی مارگریٹ کو دیکھتا تو کبھی ان غباروں کو۔ "کیا بکواس ہے یہ۔ تمہارا دماغ تو ٹھکانے پر ہے؟" او مائی گاڈ اتنی دور سے میں یہاں پر پانی والے غبارے دیکھنے آیا تھا۔

مارگریٹ قدرے شرمندہ لہجے میں بولی۔

"آئی ایم سوری دراصل یہ ڈیوڈ کا آئیڈیا تھا اس نے کہا تھا ایسا کرنے کو، ذرا غور سے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑاؤ یہاں کیمرے لگے ہیں جن سے یہ فلم بن رہی ہے۔ یہ فلم ڈیوڈ سوشل میڈیا پر ڈالنا چاہتا تھا وہ تمہیں شرمندہ دیکھنا چاہتا تھا۔"

"ٹھیک ہے مان لیا کہ یہ سب تم نے خود سے نہیں کیا بلکہ تم سے کروایا گیا لیکن میرے بارے میں وہ ساری معلومات کہاں سے ملیں تم کو۔" قلب نے پوچھا۔

"تم کو اتنا تو سمجھ لینا چاہئے تھا۔ تم نے ایک دفعہ اخبار کے لئے انٹرویو دیا تھا۔ وہاں سے ڈیوڈ کو تمہارے بارے میں وہ باتیں پتا چلیں۔"

[illegible] سوچ [illegible] مارگریٹ نے پوچھا۔

"سوچ رہا ہوں کہ جیسے تم نے پیسے کی خاطر ڈیوڈ کی شرائط مانی تھیں ایسے ہی تم اگر میری ایک شرط مان جاؤ تو تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"کیسی شرط؟" مارگریٹ نے پوچھا۔

"شرط انوکھی ہے۔" قلب نے کہا اور اسے اپنی شرط بتائی۔ وہ سن کر مارگریٹ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

☆......☆......☆

اگلے روز شام کے وقت قلب تامس کے گھر پہنچا تو بہت خوش لگ رہا تھا۔ "Hi تامس" اس نے آتے ہی چہکتے ہوئے کہا۔

"Hi قلب آج تو بڑے خوش نظر آ رہے ہو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "بات ہی ایسی ہے خوش کیوں نہ ہوں۔ تامس میری مت آخر ماری ہی گئی۔ میں بھی تمہاری طرح شادی کر رہا ہوں۔" قلب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں کیا مذاق کر رہے ہو۔ کون ہے وہ خوش نصیب۔" تامس نے پوچھا۔

"مارگریٹ نام ہے اس کا۔" قلب نے بتایا۔

"کب اور کہاں ملی؟" تامس نے پھر سوال کیا۔ "کل ملی وہ بھی ایک جنگل میں" قلب نے شرارت سے کہا تو تامس نے چونک کر اسے دیکھا۔ "ذرا کھل کے بتاؤ۔" تامس نے کہا جواباً قلب نے اسے مارگریٹ سے ہونے والی ملاقات کا پورا افسانہ سنا دیا۔

"ارے نہیں یار قلب تمہاری تو سچ میں مت ماری گئی۔" تامس حیرت زدہ سا اسے دیکھ رہا تھا۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ محبت کیسے اور کس پل ہوئی۔" تامس نے پوچھا۔ "اس وقت جب اس نے بتایا کہ اس کے والدین ساری زندگی آپس میں جھگڑتے رہے اور ایک دن اسے تنہا چھوڑ گئے۔ بالکل ایسا ہی کچھ تو میرے ساتھ بھی ہوا تھا ناں۔" قلب نے بتایا۔ "اور اب ڈیوڈ کا کیا کرو گے۔" تامس نے پوچھا۔ "اسے پکڑوں گا اور کیا کرنا ہے۔" قلب نے جواب دیا تو تامس کچھ سوچ کر مسکرایا پھر بولا۔ "قلب آج تم اپنی شرط ہار گئے ہو مجھے یاد ہے تم نے کہا تھا کہ جس دن تم نے شادی کا ارادہ کر لیا میرے ساتھ بیٹھ کر شیمپین پیو گے۔"

"ہاں مجھے یاد ہے اچھی طرح یاد ہے، لے آؤ گلاس اور شیمپین۔" قلب خوش ہوتا ہوا بولا تو تامس بھی جلدی سے دو گلاس اور ایک شیمپین کی بوتل لے آیا۔ ایک گلاس اپنے لئے بھرا اور دوسرا قلب کے لئے۔ قلب نے گلاس ہوا میں اونچا کیا اور بولا۔ "میری زندگی کا یہ پہلا جام ایک اینڈریو کے نام۔" تامس بے ساختہ ہنسنے لگا۔ "مجھے خوشی ہے کہ تم شادی پر رضامند ہو گئے۔ اب بس جلدی سے مجھے مارگریٹ سے ملواؤ۔" تامس نے کہا تو قلب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

چڑیلوں کا مسکن

شہزاد خان۔ صادق آباد

جیسے ہی نوجوان کی نظریں آتش دان پر لگے فریم پر پڑیں تو اس کا خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا۔ فریم میں ایک عورت کی تصویر تھی اور اس نے اپنے ہاتھ میں ایک کٹا بازو اٹھا رکھا جس سے خون ٹپک رہا تھا۔

ڈر کے لبادے میں پوشیدہ ذہن سے محو نہ ہونے والی دل کو دہلاتی اور رگوں میں خون منجمد کرتی کہانی

یہ دسمبر کی ایک ٹھٹھرتی شام تھی۔ چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے اور کبھی کبھی آسمانی بجلی چمک کر آس پاس کا علاقہ پل بھر کے لئے روشن کر دیتی تھی۔ موسم کے آثار سے لگتا تھا کہ جیسے ابھی پل بھر میں موسلا دھار بارش ہونے لگے گی۔ میں کسی کام سے شہر گیا ہوا تھا اور واپسی میں مجھے گھر لوٹنے میں دیر ہو گئی تھی۔ آج میری بیٹی ایلیا کی سالگرہ تھی۔ میں نے اسے تحفہ میں دینے کے لئے ایک خوبصورت سی گڑیا خریدی تھی۔ میں تیزی سے موٹر سائیکل بھگائے چلا جا رہا تھا اور جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا کہ اچانک موٹر سائیکل نے ایک جھٹکا کھایا اور یکدم رک گئی۔ میں نے دل ہی دل میں اسے برا بھلا کہا۔ اس کا پلگ کھول کر صاف کر کے اس کی جگہ پر لگایا اور اسے دوبارہ اسٹارٹ کرنے لگا۔ لیکن باوجود کوشش کرنے کے موٹر سائیکل اس طرح ہو گیا جیسے کبھی چلا ہی نہ ہو۔ میں ابھی اسی کوشش میں مصروف تھا کہ اچانک آسمان سے بارش برسنے لگی۔ میں نے اس اچانک افتاد سے گھبرا کر جائے پناہ ڈھونڈنے کے لئے چاروں طرف نظریں دوڑائیں لیکن اس بیابان علاقے میں مجھے کوئی ایسی جگہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں میں بارش سے بچنے کے لئے پناہ لے سکوں۔ [illegible] ابھی میں کھڑا ابھی سوچ رہا تھا کہ ایک طرف [illegible] دھواں سا چکراتا ہوا میری جانب بڑھنے لگا۔ [illegible] خوفزدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ [illegible] طرف بڑھ رہا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے [illegible] مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جیسے ہی میں اس کی [illegible] میں آیا تو یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک [illegible] پہ بیٹھ گیا ہوں اور پھر آہستہ آہستہ دھوئیں نے [illegible] ایک طرف دھکیلنا شروع کر دیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی نادیدہ قوت مجھے ایک طرف چلنے پر مجبور کر رہی ہے۔

کچھ دیر تک دھواں مجھے لئے ہوئے ایک طرف چلتا رہا اور پھر تھوڑی دیر تک یک لخت غائب [illegible] جیسے ہی وہ غائب ہوا، میں نے اپنے آپ کو بیابان چٹیل میدان میں کھڑے پایا۔ چاروں طرف ہیبت ناک سناٹا اور وحشت چھائی ہوئی تھی۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ دور سامنے ایک مکان دکھائی دیا۔ رات کی تاریکی میں وہ یوں نظر آ رہا تھا جیسے کوئی بھیانک دیو سر اٹھائے کھڑا

ہو۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق میں اس مکان کی طرف بڑھنے لگا۔ جیسے جیسے میں اس کی جانب بڑھ رہا تھا مکان کے آثار واضح ہوتے جا رہے تھے۔ میں کچھ دیر بعد اس کے قریب پہنچ گیا۔ مکان کافی خستہ حال دکھائی دے رہا تھا۔ [illegible] کہیں کہیں سے اس کا پلستر ادھڑا [illegible] ہوئے [illegible] جیسے پرانے مندروں کے ہوتے ہیں۔

رات کی تاریکی میں ان میناروں پر بیٹھے ہوئے گدھ ماحول کو اور بھی دہشت ناک بنا رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہوں نے ہلکی ہلکی آوازیں نکالیں اور پھر یکدم خاموش ہو گئے۔

صدیوں کی گردش لیل و نہار کے باعث مکان کا رنگ سیاہ پڑ چکا تھا جسے دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے صدر دروازے کے نزدیک پہنچ گیا۔ مکان دو منزلہ عمارت پر مشتمل تھا اور دوسری منزل سے ہلکی ہلکی روشنی باہر آ رہی تھی۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مکان میں کوئی نہ کوئی موجود ہے۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر دروازہ کھٹکھٹانے کی کوشش کی تو جیسے ہی میری نظر دروازے کی سائیڈ پر لگی ہوئی ایک تختی کی تحریر پر پڑی تو میرا ہاتھ اٹھے کا اٹھا ہی رہ گیا۔

تختی پر لکھا تھا ”خوش آمدید آپ کا سفر یہاں ختم ہوتا ہے“

میں اس عجیب و غریب تحریر پر کچھ دیر غور کرتا رہا لیکن باوجود کوشش کے میں ان الفاظ کی وجہ تسمیہ نہ سمجھ پایا لہٰذا میں نے کندھے جھٹکے اور دوبارہ دروازہ کھٹکھٹا دیا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے جیسے ہی دوبارہ ہاتھ اٹھایا تو دروازے کی دوسری طرف سے کسی کے چلنے کی آواز آئی اور پھر آہستہ آہستہ دروازہ ایک چرچراہٹ سے کھلنے لگا۔

میں دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے کی طرف دیکھنے لگا اور پھر دروازے کی دوسری جانب ایک عورت نے باہر کی جانب جھانکا۔ اس عورت کے ہاتھ میں ایک پرانی وضع کا شمع دان تھا جس میں ایک شمع روشن تھی۔ شمع کی مدھم روشنی میں اس عورت کا چہرہ بہت ڈراؤنا اور بھیانک لگا۔ مجھے اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ایک سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ میں نے تھوک نگلتے ہوئے اس عورت کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

”میں مسافر ہوں اور بارش سے بچنے کے لئے ایک رات کی پناہ چاہتا ہوں۔“

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

عورت نے پہلے تو مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پھر آہستہ سے سر ہلا دیا اور مجھے اندر کی طرف آنے کا اشارہ کر کے میرے لئے راستہ چھوڑ دیا۔ میں نے قدم بڑھائے اور اندر داخل ہو گیا۔ عورت نے ایک ہاتھ سے دروازہ بند کیا اور میرے آگے آگے چل پڑی۔ یہ ایک طویل راہداری تھی جس میں جا بجا مکڑیوں کے جالے تنے ہوئے تھے اور اس میں کسی قدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ میں خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھتا ہوا اس عورت کے پیچھے بڑھتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ہم دونوں ایک بڑے ہال نما کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہ ایک بہت بڑا کمرہ تھا جس میں ایک بڑے سے آتش دان میں لکڑیاں جل رہی تھیں۔ لکڑیاں چٹخنے کی آواز کمرے میں ایک عجیب سی آواز پیدا کر رہی تھی۔ ایک طرف کھانے کی بڑی سی میز لگی ہوئی تھی۔

میں چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھ رہا تھا اور جیسے ہی میری نظریں آتش دان پر لگے ہوئے ایک فریم پر پڑیں تو مجھے اپنا خون رگوں میں جمتا ہوا محسوس ہوا۔ فریم میں ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی جس میں اس نے ایک کٹا ہوا انسانی بازو اٹھایا ہوا تھا جس سے خون ٹپک رہا تھا اور عورت نے اپنے دوسرے ہاتھ سے دو انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنایا ہوا تھا۔ میں وحشت زدہ نظروں سے اس تصویر کی طرف دیکھتا رہا اور اس کے یہاں لگانے کا مقصد سوچنے لگا مگر کافی دیر تک مغز ماری کرنے کے باوجود بھی میں ناکام رہا۔ دوسری طرف عورت میز پر کھانا لگانے میں معروف تھی۔ پھر اس نے مجھے اشارہ کیا اور میں کھانے کی میز کی طرف چل پڑا۔ گرم گرم کھانا دیکھ کر میری بھوک چمک اٹھی۔ پیٹ بھر کر کھانے کے بعد نیند سے میری آنکھیں بوجھل ہونے لگیں۔ مجھے اس وقت ایک بستر کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ عورت نے میری بند ہوتی آنکھیں دیکھ کر مجھے کرسی سے پکڑ کر اٹھایا اور لے کر کمرے سے نکل گئی اور لے جا کر ایک اور کمرے میں ایک بچھے ہوئے بستر پر لٹا دیا۔ بستر پر گرتے ہی مجھے نیند نے آ لیا۔ ابھی مجھے لیٹے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ میں ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی آہستہ آہستہ کمرے کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہو۔

خوف سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور لپک کر دروازے کی جانب بڑھا۔ نزدیک جا کر میں نے اونچی آواز میں پوچھا کون ہے؟ مگر باہر خاموشی چھائی رہی۔ میں نے کچھ دیر انتظار کیا پھر اسے اپنا وہم خیال کر کے دوبارہ بستر پر آ کر بیٹھ گیا۔

کمرے میں اچانک گھٹن سی ہو گئی تھی۔ شاید ایسا بارش تھم جانے کی وجہ سے ہوا ہو یا کوئی اور وجہ ہو۔ میں نے ذہن پر زیادہ زور نہیں دیا مگر اس وقت غسل کرنے کی خواہش شدت اختیار کر گئی تھی۔ میں نے سوچا اس وقت غسل کر لیا جائے تو تھکان بھی اتر جائے گی اور گرمی کا احساس بھی کسی قدر کم ہو جائے گا۔ یہ سوچ کر میں نے کمرے میں غسل خانہ تلاش کرنا شروع کر دیا۔ جلد ہی مجھے کمرے کے ایک کونے میں ایک بند دروازہ دکھائی دیا [illegible] میں نے کنڈی کھولی اور ہاتھ کے زور سے دروازہ اندر کی جانب دھکیل دیا۔ ایک بدبو دار ہوا کا جھونکا میری ناک سے ٹکرایا۔ شاید اسے اس طرح بند ہوئے صدیاں گزر گئی تھیں۔ اس کے اندر نہانے کے لئے ایک بڑا سا ٹب رکھا ہوا تھا اور ایک جانب ویسٹرن ٹائپ کا کموڈ لگا ہوا تھا۔ ٹب پر فرش سے تقریباً تین فٹ اوپر ایک نل لگا ہوا تھا۔ کمرے میں جلنے والی کی مدہم روشنی غسل خانے تک پہنچنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ میں نے کپڑے اتار کر بستر پر رکھے اور آہستہ سے سیٹی کی دھن بجاتا ٹب میں گھس گیا اور ہاتھ بڑھا کر نل کھول دیا۔ ٹب میں پانی کی ایک پتلی سی دھار گری۔ پانی لے کر میں نے اپنے چہرے اور جسم پر ملنا شروع کر دیا۔

ابھی میں نے آدھے جسم پر ہی پانی ملا تھا کہ جسم میں اینٹھن سی محسوس ہونے لگی۔ میں نے

ہاتھ میں لے کر سونگھا تو مجھے اس سے ایک عجیب سی سڑاند اور بدبو محسوس ہوئی۔ پہلے تو سوچا شاید کافی عرصہ سے رکا ہوا پانی بدبو دے رہا ہے مگر جب میں نے شمع کی روشنی میں آ کر پانی کو دیکھا تو دہشت سے میری چیخ نکل گئی۔ مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ اف خدایا! میرا تمام جسم انسانی خون میں نہایا ہوا تھا جسے میں گدلا پانی سمجھ رہا تھا وہ انسانی خون تھا۔ نہ جانے کون بدنصیب اس چڑیل کا شکار بنا تھا۔

آدھی رات کے وقت انسانی آبادی سے دور ایک ویران مکان میں انسانی خون سے غسل کرنے کا تصور ہی رونگٹے کھڑے کر دینے کے لئے کافی تھا۔ خوف سے میرے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ مجھے رہ رہ کر اس ڈائن کا خیال آ رہا تھا جب وہ مجھے بھوکی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ میں نے بستر کی چادر سے اپنے جسم پر لگا ہوا خون صاف کیا اور کپڑے پہن کر یہاں سے بھاگنے کی تدبیر سوچنے لگا۔

ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ دروازے کی جانب سے ایک بار پھر آہٹ سی سنائی دی اور دروازے کا تالا [illegible] بڑھا اور چلا کر کہنے لگا کون ہے؟ دفع ہو جاؤ یہاں سے مگر دوسری طرف پھر خاموشی چھا گئی تھی۔ میں نے کمرے میں رکھی ہوئی چیزوں کو اٹھا اٹھا کر دروازے کے ساتھ لگانا شروع کر دیا اور اس طرح میں نے کم از کم دروازے کی طرف سے خود کو محفوظ کر لیا۔ میرا سارا جسم پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔ میں نے کپڑے سے اپنے چہرے سے پسینہ صاف کیا اور ہانپتا ہوا دوبارہ بستر پر بیٹھ گیا۔ ابھی میں پوری طرح سستا بھی نہ پایا تھا کہ کمرے کی شمالی دیوار سے ٹھک ٹھک کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی وزنی چیز سے دیوار میں سوراخ نکالنے کی کوشش کر رہا ہو۔ میں سانس روکے اس جانب دیکھنے لگا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے دیوار سے ایک اینٹ نکل کر کمرے میں آ گری اور اس میں چھوٹا سا سوراخ بن گیا۔ دوسری جانب سے شمع دکھائی دی اور وہی عورت جس نے مجھے پناہ دی تھی، اس کا چہرہ نظر آیا۔ اس کے پیچھے ایک اور سایہ نظر آیا مگر اندھیرے کی وجہ سے دکھائی نہ دے رہا تھا۔ میں نے اپنے بچاؤ کے لئے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں مگر بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں جلدی سے غسل خانے میں داخل ہو گیا تو مجھے ایک کونے میں روشن دان بنا ہوا نظر آیا۔ شاید وہ فالتو سامان وغیرہ رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ میں نے اچھل کر اس روشن دان کی کنگری کو پکڑا اور آہستہ آہستہ جسم کو اوپر کی جانب سرکانے لگا۔ روشن دان میں ایک خلاء سا بنا ہوا تھا جس کے دوسری طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اُدھر دوسری طرف سے اب کمرے میں ملی جلی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں اور پھر ایسے محسوس ہونے لگا جیسے مجھے کمرے میں تلاش کیا جا رہا ہو اور پھر وہی عورت غسل خانے میں داخل ہو گئی۔ اس کی نظر جیسے ہی مجھ پر پڑی تو وہ کلہاڑی لہراتی ہوئی میری جانب بڑھی اور کہنے لگی نیچے اترو، تمہیں اس جگہ ٹھہرنے کی قیمت ادا کرنا ہو گی۔ اس کے خوفناک دانت دیکھ کر میرا خون خشک ہو رہا تھا۔

میں نے روشن دان کے باہر بنے ہوئے خلاء میں دیکھنے کی کوشش کی مگر باہر گھپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اُدھر وہ چڑیل اب مجھے پکڑنے کے لئے اوپر چڑھ رہی تھی۔ میں نے آخری بار اس کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں ایک فیصلہ کرتے ہوئے خدا کا نام لے کر دوسری جانب چھلانگ لگا دی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں ایک تاریک کنویں میں گرتا چلا جا رہا ہوں اور پھر ایک زوردار چھپاکے سے پانی میں جا گرا۔ گرتے ہی میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے چاروں طرف نگاہ ڈالی تو اپنے آپ کو ایک گٹر لائن میں کھڑے پایا۔ یہ ایک پانچ فٹ اونچی اور تقریباً چار فٹ چوڑی گٹر لائن تھی۔ جس میں میں اس وقت گھٹنوں تک پانی میں کھڑا تھا۔ اس ویرانے میں اس قدر بڑی گٹر لائن دیکھ کر میری عقل دنگ رہ گئی۔ شاید کسی دور میں یہاں انسانی آبادی رہی ہو اور اس وقت یہ استعمال ہوتی ہو۔ مگر

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

اب اس میں کھڑے ہوئے بدبودار پانی سے ثابت ہوتا تھا کہ اسے استعمال ہوئے صدیاں گزر گئی ہوں گی۔ بہرحال میں نے اس کی تاریخ پر غور کرنے کی بجائے اپنے بچاؤ کے متعلق سوچنا شروع کر دیا۔ میرے چاروں طرف گھپ اندھیرا ہونے کی وجہ سے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے سر اٹھا کر اس طرف دیکھنے کی کوشش کی جہاں سے میں گرا تھا مگر وہاں مکمل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے آہستہ آہستہ ایک طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ میرے اس طرح چلنے سے پانی میں چھپاک چھپاک کی آواز عجیب سا خوف طاری کر رہی تھی۔ میرے کپڑے پانی میں بری طرح بھیگ گئے تھے اور مجھے سردی محسوس ہو رہی تھی۔

جیسے تیسے میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ میں نے اپنی ریڈیم رسٹ واچ پر وقت دیکھا تو رات کے ڈھائی بجے تھے۔ مجھے اس قید خانے میں پھنسے پورے پانچ گھنٹے ہو گئے تھے۔ مجھے اپنی بیوی اور بچی کی یاد شدت سے ستا رہی تھی۔ پھر جیسے ہی میں ایک موڑ مڑا تو مجھے ایک ٹھوکر لگی میں نے جھک کر اس چیز کو ٹٹولا تو خوف سے میری چیخ نکل گئی۔

میرے ہاتھ میں ایک انسانی کھوپڑی تھی۔ میں نے جلدی سے اسے واپس پانی میں پھینک دیا اور آگے کی جانب تیزی سے بڑھنا شروع کر دیا۔

نہ جانے میں نے کتنے موڑ مڑے۔ مجھے کچھ احساس نہیں رہا تھا۔ میں اس امید پر آگے کی جانب جا رہا تھا کہ شاید کہیں سے باہر نکلنے کا راستہ مل جائے مگر گٹر لائن شیطان کی آنت کی طرح لمبی ہوتی جا رہی تھی اور آہستہ آہستہ اس میں گھٹن بڑھتی جا رہی تھی۔ آکسیجن کی کمی کی وجہ سے مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور یوں لگتا تھا کہ جیسے کوئی نادیدہ قوت دونوں ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ رہی ہو۔ میں لڑکھڑاتے قدموں سے آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔

پھر دور بہت دور مجھے ایک جگنو سا چمکتا دکھائی دیا اور مجھے ایک امید کی کرن نظر آئی اور میں دیوانہ وار اس طرف دوڑنے لگا۔ جیسے جیسے میں اس کی جانب بڑھتا گیا، جگنو بڑا ہوتا گیا۔ نجانے میں نے کتنا فاصلہ طے کیا تھا کہ اب مجھے وہ روشن دان صاف نظر آنے لگا تھا جو دور سے جگنو دکھائی دیا تھا۔ مجھے اپنے جسم میں ایک نیا حوصلہ پیدا ہوتا نظر آیا۔ وہ ایک بڑا سا روشن دان تھا جس سے ہلکی پھلکی روشنی اندر کی جانب آ رہی تھی۔ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا اس کے نزدیک پہنچا اور اس کے سوراخ سے اپنی ناک لگا کر تازہ ہوا اپنے پھیپھڑوں میں بھرنے لگا۔ یوں محسوس ہوا [illegible] میں مر کر دوبارہ زندہ ہوا ہوں۔ روشندان [illegible] لوہے کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور ان کا اختتام لوہے کے چوکور ڈھکن پر ہوتا تھا۔

میں نے کچھ دیر رک کر اپنا سانس درست [illegible] پھر سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ آخری سیڑھی پر [illegible] نے ہاتھ کا زور لگا کر ڈھکن باہر کی جانب [illegible] مگر ڈھکن مضبوطی سے اپنی جگہ جما رہا۔ [illegible] دیر سوچا اور پھر اپنے کندھے کا پورا زور لگا کر [illegible] [illegible] اچھال [illegible] سے ہلا اور اس میں تھوڑی سی جھری [illegible]

دوسری بار کوشش کرنے سے ڈھکن باہر کی جانب جا گرا۔ میں نے جلدی سے اپنا سر باہر کی جانب [illegible] باہر صبح کا ہلکا پھلکا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ میں [illegible] کے اپنے جسم کو باہر نکالا تو اپنے آپ کو [illegible] درمیان کھڑے پایا۔ مجھے یہ علاقہ جانا پہچانا [illegible] ہوا۔ میں کئی بار اس علاقے سے گزر چکا تھا۔ [illegible] دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ میرے کپڑے گندے پانی سے بری طرح بھیگے ہوئے [illegible] [illegible] خوشی [illegible] اپنے زندہ سلامت بچ جانے کی بہت [illegible] نے کچھ دیر رک کر دھوپ میں کپڑے خشک [illegible] کی جانب جانے والے راستہ پر چل پڑا جہاں [illegible] بیوی اور بیٹی میری منتظر تھیں۔

جادوئی انتقام

عائشہ سید۔ صادق آباد

اچانک ایک خوبرو حسینہ زمین پر بیٹھ کر لوٹ لگانے لگی اور پھر اس کے گرد دھواں پھیل گیا لیکن جب دھواں چھٹا تو اس جگہ حسینہ کے بجائے ایک خوفناک اور خطرناک ناگن موجود تھی کہ پھر......

جسم و جاں پر سکتہ اور رگ و پے میں خون کو منجمد کرتی اور رونگٹے کھڑے کرتی دہشتناک۔ کہانی

وہ رات اماوس کی رات تھی۔ آکاش پر ہر سو بادل چھائے تھے۔ بارش ہونے والی تھی، وقفے وقفے سے بجلی چمک رہی تھی، ایسے میں میرا منیم ایک جھونپڑی میں جوگی رمیش آگ جلا کر ناگ دیوتا کے بت کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے جاپ کر رہا تھا، آدھی رات گزر گئی تو، جوگی رمیش جاپ مکمل کر کے اٹھا اور جھونپڑی کے کونے کی طرف بڑھا اور پھر جب کونے سے پلٹا تو اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا صندوق تھا۔

صندوق ناگ دیوتا کے سامنے رکھا اور پھر وہ دو زانوں بیٹھ کر اس نے صندوق کھولا۔

صندوق کھولتے ہی ہر طرف دودھیا روشنی پھیل گئی۔ ہر چیز منور ہو گئی تو اس نے صندوق سے ایک چھوٹا سانپ نکالا۔ پھر صندوق کے اندر سے ایک رقعہ نکالا۔

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

پھر وہ اسے بلند آواز سے پڑھنے لگا، ہر سو خاموشی میں اس کی آواز گونج رہی تھی۔

"یہ اجازت نامہ ہے، ناگ اور ناگن کے لیے ناگوں کا یہ جوڑا "راج" خاندان کی ملکیت ہیں۔ یہ شیش ناگ ہیں ان کے سروں پر سنہری تاج ہیں جب یہ سو سال کے ہوجائیں گے تو ہر قسم کا روپ بدل سکیں گے۔ اور یہ جس فرد کے پاس ہوں گے اس کا من وعن اس کا حکم مانیں گے اور وقت مقررہ پر اک جوڑے کو ناگ دیوتا کی طرف سے خصوصی شکتیاں دان میں ملیں گی۔" جوگی یہ پڑھ کر خاموش ہوگیا۔ اور پھر چند منٹ کی خاموشی کے بعد کوئی منتر پڑھنے لگا۔ منتر پڑھ کر اس نے ناگ اور ناگن پر پھونک ماری۔

اچانک ہی ایک دم سے روشنی مزید بڑھ گئی۔ اتنی زیادہ روشنی کہ ہر چیز چمکنے لگی۔ اور جوگی کی آنکھیں چندھیا گئیں اور پھر جب جوگی کی آنکھیں دیکھنے کے قابل ہوئیں تو اس نے دیکھا کہ سامنے ایک بہت ہی خوبصورت، بے انتہا حسین 20 سال کے قریب ایک لڑکی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سر پر سنہرا سبز تاج تھا اور اس کا لباس بھی سبز تھا اس کی آنکھیں بے حد سحر انگیز، پلکیں، بڑی بڑی، اس کی آنکھیں بھی حیرت انگیز طور پر سبز ہی تھیں۔ وہ لڑکی اٹھی اور مستانہ چال چلتی ہوئی جوگی رمیش کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ دونوں ہاتھ باندھ کر جوگی سے گویا ہوئی۔

"مہاراج میں اب آپ کی غلام ہوں، اب میں ہر روپ بدل سکتی ہوں۔" اس کی اس بات پر جوگی کا سکتہ ٹوٹا، اس نے حیرت سے اس کو مخاطب کیا۔

تمہارے ساتھ ناگ بھی تھا وہ کہاں چلا گیا۔

لڑکی کہنے لگی۔ "مہاراج مجھے افسوس ہے کہ میرا ساتھی سو سال کی عمر تک پہنچ نہ سکا۔ کچھ دیر قبل ہی وہ اس دنیا سے کوچ کر گیا۔" یہ سن کر جوگی کو بہت افسوس ہوا۔ اس نے صندوق میں سے ناگ کا مردہ جسم نکال کر اس کے سر سے سبز تاج اتارا اور لڑکی کو دیتے ہوئے کہا۔ "اس تاج کے موتی کو تم نگل لو اس سے تمہاری شکتیاں بڑھ جائیں گی۔"

ناگن نے موتی نگل لیا اس کے نگلتے ہی اس کی سبز آنکھوں میں جیسے سبز روشنی بڑھ گئی۔ آنکھیں چمکنے لگیں، وہ اپنی سریلی آواز میں گویا ہوئی۔ "مہاراج آپ میرا نام رکھ لیں۔"

جوگی کہنے لگا۔ "میں تو بھول ہی گیا تھا کہ تمہارا نام بھی رکھنا ہے۔ آج سے تمہارا نام مدھو ہوگا۔"

یہ سن کے مدھو مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ سے جیسے اس جگہ بجلیاں کوند گئیں۔ وہ واقعی ہر دل پر بجلی گرانے ہی لگی تھی۔ اس کی آنکھیں عجیب سا [illegible] تھیں۔ وہ بولی۔ "مہاراج اب کیا حکم ہے۔" یہ سن کر جوگی گویا ہوا۔ "فی الحال تمہیں اس صحرا میں رہنا ہے۔ میں تمہیں [illegible] مزید شکتیاں دان کروں گا۔" پھر جوگی نے مدھو کو ایک جاپ سکھایا، اس جاپ سے مدھو کو زیادہ شکتی ملنی تھی۔ اور پھر وقت مقررہ پر مدھو نے جاپ شروع کردیا۔ وہ حصار کے اندر بیٹھ کر جاپ کرتی رہی، تین راتوں کا جاپ تھا۔

جاپ مکمل ہوا تو مدھو پر حصار کے اندر پھولوں کی بارش ہونے لگی۔ یہ اس بات کا واضح اشارہ تھا کہ اس کو شکتیاں دان ہوگئی ہیں۔ [illegible] رمیش کی جھونپڑی کی طرف چل پڑی۔ جوگی [illegible] کر بے حد خوش ہوا۔ مدھو نے ادب سے کہا۔ "مہاراج میرا جاپ مکمل ہوگیا اب کیا حکم ہے۔" جوگی مدھو سے گویا ہوا۔ "اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔ ہم ریاست راج گڑھ جائیں گے۔ میری بات غور سے سنو ریاست راج گڑھ کا حکمران راجہ پرتاب میرا جانی دشمن ہے۔ اس ریاست میں [illegible] پابندی ہے۔ پہلے اس ریاست میں میں نے ایک مندر بنا رکھا تھا۔ میرے شاگرد اور میں وہاں جاپ وغیرہ کرتے تھے۔ راجہ پرتاب نے میرا مندر گرادیا، میرے شاگردوں کا قتل عام شروع کردیا، اب میرے انتقام کا وقت ہے۔ تم اس ریاست میں راجہ پرتاب سے میرا انتقام لوگی اور اس ریاست پر حکمرانی کروگی۔ اب تم راج گڑھ میں جاؤ۔" یہ سن کر مدھو نے کہا۔ "مہاراج میں راجہ پرتاب سے یقیناً آپ کا انتقام

لوں گی۔" پھر جوگی مدھو سے بولا۔ "اب اپنی آنکھیں بند کرلو اور اپنا ہاتھ مجھے پکڑادو۔" تو مدھو نے اپنا ہاتھ جوگی کو پکڑادیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ تھوڑی دیر بعد دونوں نے آنکھیں کھولیں تو وہ ریاست راج گڑھ کے سامنے پہنچ گئے تھے۔ جوگی نے کہا۔ "مدھو، اب کام تمہارا ہے۔" یہ سنتے ہی مدھو چل پڑی اور راج گڑھ میں داخل ہوگئی۔ راج گڑھ کے اندر سپاہیوں نے اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے جواب دیا۔ "میں راجہ پرتاب سے ملنے آئی ہوں۔ میں یہاں سے جنوب کی طرف جو ریاستیں ہیں، ان میں ایک ریاست کی راجکماری ہوں۔"

سپاہیوں نے یہ سن اس کے ساتھ دو سپاہی روانہ کردیئے تو وہ سپاہیوں کے ہمراہ چلتی ہوئی ایک عالی شان محل کے سامنے آ کر رکی۔

دونوں سپاہیوں میں سے ایک سپاہی بادشاہ کو اطلاع دینے کے لیے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سپاہی نے آ کر بولا۔ "راجکماری جی راجہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔" تو مدھو آہستہ آہستہ چلتی ہوئی محل کے اندر آ گئی۔ محل کیا تھا ایک [illegible] خوبصورت محل [illegible] در و دیوار گویا نظر کو چکا چوند کررہے تھے۔ اطراف میں باغ بھی تھا۔ پانی کا چشمہ بھی تھا۔ ہر طرف کنیزیں اور غلام چل پھر رہے تھے۔ لمبی راہداریوں سے گزر کر مدھو ایک وسیع کمرے میں داخل ہوئی۔ وسیع تخت پر ایک بہت باوقار راجہ بیٹھا ہوا تھا۔ مدھو نے جھک کر اسے پرنام کیا اور کہنے لگی۔ "مہاراج میں کسی بھی ریاست کی راجکماری نہیں ہوں۔ میں صرف آپ سے ملنے آئی ہوں۔" یہ کہہ کر مدھو نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا تو اسے دیکھ کر راجہ اس کے حسن کی تاب نہ لاسکا راجہ حیرت سے مدھو کو دیکھے جارہا تھا۔ راجہ سوچ رہا تھا کہ اتنی حسین لڑکی بھی کیا دنیا میں ہوسکتی ہیں۔ راجہ بولا، "لڑکی تمہارا نام کیا ہے؟"

مدھو نے ایک ادا سے جواب دیا۔ "حضور کنیز کو مدھو کہتے ہیں۔"

راجہ نے یہ سن کر کہا۔ "مدھو تم کون ہو اور مجھ سے ملنے کیوں آئی ہو؟"

مدھو نے جواب دیا۔ "راجہ صاحب میرا اب اس دنیا میں کوئی نہیں، باپ پہلے ہی مر چکا تھا، چند دن پہلے ماں بھی مرگئی، بھائی جو کہ اب شادی شدہ ہے اپنی پتنی کے کہنے پر مجھے اپنے گھر سے نکال دیا اب میں آپ کے پاس آگئی ہوں۔ مجھے آپ کے چرنوں میں پناہ چاہیے۔" یہ سن کر راجہ نے کنیزوں کو اسے اپنے ساتھ حرم میں لے جانے کو کہا۔

دوسرے دن راجہ نے اسے بلا کر کہا۔ "مدھو میں تم سے وواہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرا ابھی اس دنیا میں کوئی نہیں، میں نے اب تک وواہ نہیں کیا ہے۔" یہ سن کر مدھو نے جواب دیا۔ "حضور! میں بھی آپ کے فیصلے پر راضی ہوں۔"

راجہ یہ سن کر بہت خوش ہوا پھر ان دونوں کی شادی ہوگئی۔ راجہ نے اپنی ساری ریاست میں دعوت عام کردی تھی۔ راجہ نے شادی کے بعد اپنی رعایا میں اعلان کروادیا کہ چونکہ اس کا کوئی بھائی بہن نہیں ہے، اس لیے اس کے بعد اس ریاست کی حکمران مدھو گی۔

مدھو یہ سن کر بہت خوش ہوئی اور سوچنے لگی کہ اس کا کام خود راجہ نے آسان کردیا لہٰذا وہ اب جلد سے جلد راجہ کو ختم کردینا چاہتی تھی اور اپنے آقا جوگی رمیش کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ اس کا ذہن تیزی سے سوچنے لگا۔ اور دن آہستہ آہستہ آگے ہی آگے بڑھنے لگا۔ ایک رات اپنے کمرے سے نکل آئی اور شور مچانے لگی۔

"سانپ، سانپ۔"

کنیزیں اور غلام دوڑے چلے آئے۔ تو مدھو نے انہیں بتایا کہ اس نے کمرے کے اندر سانپ دیکھا ہے یہ سنتے ہی غلام کمرے کے اندر چلے گئے۔ راجہ بھی آ گیا۔

تھوڑی دیر بعد غلاموں نے آ کر بتایا کہ کمرے کی اچھی طرح تلاشی لے لی گئی ہے۔ وہاں پر کوئی سانپ نہیں ہے اور غلام وہاں سے چلے گئے اور مدھو اپنے کمرے میں آ گئی اس کے دو گھنٹے بعد راجہ پرتاب

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

بھی کمرے میں داخل ہوا تو اسے مدھو کمرے میں دکھائی نہ دی۔ لہٰذا مدھو کو راجہ آوازیں دینے لگا۔

اچانک راجہ کے پیروں پر کوئی چیز رینگتی ہوئی محسوس ہوئی پھر راجہ نے نیچے دیکھا تو اس کی جان فنا ہوگئی۔ اس کے پیروں پر ایک سانپ رینگ رہا تھا۔ اور پھر آناً فاناً سانپ نے پھن اٹھایا اور راجہ کو ڈس لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے راجہ زمین پر گر گیا۔

اسے گرتے دیکھ کر سانپ نے زمین پر لوٹ لگائی اور پھر وہ سانپ مدھو کی شکل میں آ گیا۔ مدھو راجہ کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور باہر نکل گئی اور غلاموں کو پکارنے لگی۔

غلام دوڑتے ہوئے آئے، تو مدھو نے گھبرائی ہوئی آواز میں سب کو بتایا کہ راجہ کو سانپ نے ڈس لیا ہے۔ فوراً پورے محل میں شور مچ گیا۔

طبیب بلوائے گئے اور انہوں نے راجہ کی موت کی تصدیق کردی۔

مدھو نے غلاموں کو بتایا کہ راجہ کو سانپ ڈسنے کے بعد باغ کی طرف نکل گیا ہے۔ تو یہ سن کر سارے غلام باغ کی طرف چلے گئے۔ اور واپس آ کر انہوں نے کہا وہاں سانپ نہیں ہے، شاید کسی اور طرف نکل گیا ہوگا۔

مدھو نے غلاموں سے کہا۔ پوری ریاست میں راجہ کی موت کا اعلان کردیا جائے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی اعلان کردیا جائے کہ راجہ کے حکم کے عین مطابق اب اس ریاست کی حکمران ملکہ مدھومتی ہوگی۔ اور پھر مدھو کے حکم کے مطابق ریاست میں اعلان کردیا گیا تھا۔ محل میں راجہ کی موت کی رسومات شروع ہوگئی تھیں۔ تمام ریاست میں تین دن سوگ کا اعلان کردیا گیا تھا۔ تین دن مدھو نے دوسروں کو دکھانے کے لیے سوگ منایا، پھر اس کے بعد ریاست کا نظام سنبھال لیا۔ اس نے ریاست میں جمعرات کے دن دعوت عام کا اعلان کردیا۔ اس دعوت میں مدھو نے باقاعدہ خود کو ملکہ ہونے کا اعلان کرنا تھا۔

مدھو نے دعوت والے دن کے لیے خاص تیاری کی تھی۔ اس نے درزی کو ایک خاص قسم کا لباس سلوانے کے لیے کہا تھا۔ لباس سل کر آ گیا تھا۔ مدھو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس لباس کا رنگ بھی سبز ہی تھا۔ اور اسے سبز رنگ سے بے حد لگاؤ تھا۔ اس کی آنکھیں بھی سبز تھیں۔

وہ دل میں سوچنے لگی۔ رسم تاج پوشی کے بعد میں اپنے آقا رمیش جوگی کو یہاں بلوالوں گی۔ میں نے ان کا انتقام بھی لے لیا ہے اور یہاں کی حکومت بھی حاصل کرلی ہے۔ ان کا حکم پورا کردیا ہے۔ اب آگے میرے لیے آقا کا کیا حکم ہوگا۔

دعوت والا دن آ گیا۔ مدھو نے سبز پوشاک زیب تن کرلیا تھا۔ اتنے میں ایک غلام نے حاضر ہو کر کہا۔ ملکہ! رعایا آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ یہ سنتے ہی مدھو باہر چلی آئی۔ وہ ایک بہت بڑا میدان تھا جہاں ریاست کی عوام اپنی ملکہ کو دیکھنے کے لیے جمع تھے۔ مدھو سب کے سامنے آ گئی۔ اسے دیکھ کر مجمع پر سحر طاری ہو گیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی ملکہ انتہائی خوبصورت ہے۔ خوشنما سبز لباس پہنے ہوئے [illegible] سبز تاج پہنے ہوئے، اس کی سبز [illegible] چمک رہی [illegible] کر اپنی دلنشیں آواز میں بولی۔

"ریاست راج گڑھ کے باسیو! آج سے اس ریاست کی ملکہ میں ہوں۔ اس ریاست میں میرا حکم چلے گا۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اس ریاست کو پہلے سے زیادہ خوشحال بناؤں گی۔" یہ سن کر ریاست کی رعایا مدھو کے حق میں نعرے لگانے لگی۔

دعوت کے بعد مدھو نے سپاہیوں کو بلایا اور ان سے کہا۔ "ریاست راج گڑھ کے باہر ایک جنگل ہے۔ اس جنگل کے دائیں حصے میں ایک جھونپڑی ہے۔ تم لوگ اس جھونپڑی میں جاؤ، وہاں پر تمہیں مہاراج جوگی رمیش ملیں گے۔ ان سے کہنا کہ ملکہ مدھو نے آپ کو اپنے محل میں بلایا ہے۔ ان کو بہت احترام سے محل میں لے کر آنا۔"

سپاہیوں نے یہ سن کر کہا۔ "جو آپ کا حکم ملکہ!"

اور پھر مدھو بہت ہی بے چینی سے اپنے آقا کا انتظار کرنے لگی۔ وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور اپنی آنکھیں بند کرلی، تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں تو اس کا لباس تبدیل ہو چکا تھا۔ سبز کی بجائے اب وہ سیاہ رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔

تھوڑی دیر بعد ایک کنیز نے اطلاع دی کہ سپاہی آ گئے ہیں تو مدھو جلدی سے باہر آ گئی۔ سپاہیوں کا سالار ملکہ کو دیکھتے ہی بولا، ملکہ! آپ کے حکم کے مطابق ہم اس جھونپڑی میں گئے تھے۔ وہاں پر کوئی نہیں تھا۔ البتہ ایک صندوق وہاں پر پڑا ہوا تھا۔ اس پر لکھا تھا، مدھو کے لیے۔ ہم اسے لے آئے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے وہ صندوق مدھو کے حوالے کردیا۔

مدھو نے حیرت سے صندوق کو دیکھا اور سپاہیوں کو وہاں سے جانے کا حکم دیا۔ اس نے صندوق کو کھولا۔ اس میں ایک خط پڑا ہوا تھا۔ اس نے خط پڑھنا شروع کردیا۔

لکھا تھا: "جوگی رمیش کی طرف سے مدھو کے لیے۔ مدھو! مجھے پتہ ہے کہ تم راجہ پرتاپ سے میرا انتقام لے چکی ہوگی۔ جب [illegible] تو میں اس دنیا میں موجود [illegible] میری طرف سے آزاد ہو۔ اب تم ریاست پر اپنی حکمرانی مضبوط کرو اور اپنی جادوئی شکتیاں اور بڑھاؤ۔" یہ پڑھ کر مدھو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ یہ پڑھ کر بہت غمگین ہو گئی۔ وہ اپنے آقا سے بہت محبت کرتی تھی۔

چند دن گزرنے کے بعد وہ اپنے آقا کی ہدایت پر عمل کرنے کا ارادہ کر چکی تھی۔ اس نے اس محل کو دوبارہ سے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ اور پھر محل کو گرا کر دوبارہ سے تعمیر کرانے کا حکم صادر کردیا۔ محل کی تعمیر شروع ہوگئی تھی۔ مدھو محل کو بہت ہی شاندار تعمیر کرانا چاہتی تھی۔

دو ماہ تک مسلسل کام ہوتا رہا۔ دو ماہ کے بعد پرانے محل کی جگہ ایک نہایت عظیم الشان محل کھڑا تھا۔ مدھو محل دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ محل اس کے ذوق کے عین مطابق تھا۔ اب وہ ریاست راج گڑھ پر حکمرانی کرنے لگی۔

کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ اس معمول سے اکتا گئی۔ اس نے سوچا کہ وہ مزید جادو سیکھے گی اور زیادہ شکتیاں حاصل کرے گی تا کہ کوئی اسے شکست نہ دے سکے۔ لیکن اسے کوئی شکتی شالی شخصیت کہاں سے ملے گا کہ پھر یک دم سے اسے خیال آیا کہ اسے اس محل میں موجود کاہن سے پوچھنا چاہیے۔ یہ سوچ کر اس نے بوڑھے کاہن کو بلایا۔ تھوڑی دیر بعد کاہن حاضر ہوگیا۔ مدھو نے اس سے پوچھا۔ "عظیم کاہن! آپ تو اپنے پیشے میں بہت ماہر ہیں، آپ کو تو پتہ ہوگا کہ کہیں آس پاس کی ریاستوں میں کوئی ایسی شخصیت بھی ہے جو جادو میں ماہر ہو۔"

کاہن نے جواب دیا! "ملکہ یہاں سے کچھ دور واقع ایک گھنا جنگل ہے، اس جنگل کے بیچ میں ایک مندر ہے، وہاں پر مہاراج شیام رہتے ہیں۔ ان کے پاس بہت شکتیاں ہیں اور جادو میں ان کا درجہ بہت بڑا ہے۔"

مدھو نے یہ سن کر کاہن کو واپس بھیج دیا اور آگے کا منصوبہ بندی کرنے لگی۔ وہ مہاراج شیام کے پاس جانا چاہتی تھی لیکن اپنی ریاست کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ریاست کے معاملات فی الحال ریاست کے وزیر کے سپرد کردے گی۔

چند دن بعد اس نے وزیر کو بلوایا اور کہا: "میں کچھ دنوں کے لیے ریاست سے باہر جا رہی ہوں اس

خونی موت، میزبان روح، دولت کی ہوس،
قاتل، تقدیم کے ستم، ہر دھڑ، جادوگر ڈاکٹر،
خونی انتقام، لقمہ، پڑوسی، روحوں کا بسیرا،
خوفناک روح، آسیبی شب، خمیازہ، قیدی روحیں

خوفناک روح

انتخاب: خلیل جبار

قیمت -/60 روپے

رشید نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ فریئر روڈ کراچی

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

دوران ریاست کے معاملات تمہارے سپرد کرکے جا رہی ہوں یاد رکھنا اگر میرے ساتھ غداری کی تو عبرتناک سزا پاؤ گے۔ میں کوئی عام ملکہ نہیں ہوں۔"

وزیر کی طرف سے اطمینان کرکے وہ سفر کی تیاریوں میں مصروف ہوگئی۔ ریاست کے سارے کام نمٹا کر وہ روانہ ہوگئی ریاست کے باہر آ کر اس نے آنکھیں بند کرلیں اور تھوڑی دیر بعد کھولی تو وہ گھنے جنگل میں مندر کے سامنے کھڑی تھی۔

یہ ایک پرانا مگر بہت بڑا مندر تھا۔ مندر کا دروازہ بند تھا۔ اس نے آگے بڑھ کے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئی۔ سامنے ایک بہت بڑا ہال تھا۔ ہال میں بچھے چٹائی پر ایک شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔

اچانک اس نے آنکھیں کھول دیں اور بولا: "مدھو کیسے میرے پاس آنا ہوا۔"

مدھو کو یقین ہوگیا کہ یہ ضرور شکتی شالی ہیں اور مجھے ضرور جادو سکھائیں گے۔ وہ آگے بڑھی اور مہاراج کے چرن چھو کر ان کے سامنے بیٹھ گئی اور بولی: "مہاراج میں ریاست راج گڑھ کی ملکہ ہوں اور میں آپ سے جادو میں مزید درجہ حاصل کرنے آئی ہوں۔"

مہاراج نے جواب دیا۔ "ٹھیک ہے۔ ابھی تم آرام کرو، کل میں تمہیں منتر بتادوں گا۔" یہ کہہ کر مہاراج نے اپنے غلام کو آواز دی اور اس سے کہا۔ ملکہ کو اندر کمرے میں لے جاؤ۔ اس کے جانے کے بعد مہاراج جاپ میں مصروف ہوگئے۔

اچانک مہاراج پر انکشاف ہوا کہ یہ ملکہ انسان نہیں بلکہ ناگن ہے۔

مہاراج کو عرصے سے ایسی ناگن کی تلاش تھی جو روپ بدل سکتی ہو۔ وہ سوچنے لگے کہ اگر میں اس ناگن کو اپنا غلام بنالوں تو اس کی تمام شکتیاں میرے قبضے میں آجائیں گی۔ اور پھر مہاراج شیام نے مدھو کو اپنے جال میں پھانسنے کا ارادہ کرلیا۔

اگلے دن مہاراج نے مدھو کو بلا کر کہا۔ یہ منتر تم جنگل میں جا کر، حصار کے اندر بیٹھ کر پڑھو۔ اس سے تمہیں مزید شکتی مل جائے گی۔

مدھو یہ سن کر بہت خوش ہوئی۔ وہ جنگل میں چلی گئی اور حصار میں بیٹھ کر منتر پڑھنے لگی۔ اس دوران مہاراج شیام بھی جاپ کے ذریعے مدھو کی شکتیاں لینے اور اسے غلام بنانے کی کوشش میں لگ گئے۔ انہوں نے جاپ مکمل کرلیا تھا۔ اب وہ اپنی شکتی سے مدھو کو بلانے کا حکم دے رہے تھے۔

ادھر مدھو کو منتر پڑھتے ہوئے دوسرا دن تھا کہ اچانک اسے لگا کہ کوئی اسے بلا رہا ہے اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور حصار سے باہر آ گئی۔ وہ حیران تھی کہ یہ اسے کیا ہوگیا ہے۔ اس کے قدم نہ چاہتے ہوئے بھی آگے بڑھ رہے تھے۔ وہ مندر کے سامنے آ کر رک گئی اور سوچنے لگی کہ میں ادھر کیوں آ گئی ہوں۔ یہ سب کیا ہے، پھر وہ اندر داخل ہوگئی۔

اندر مہاراج بیٹھے تھے، وہ اسے دیکھ کر مسکرائے تو مدھو کو سب کچھ سمجھ میں آنے لگا۔ وہ غصے سے دھاڑی۔ یہ سب کیا ہے مہاراج۔ اور ساتھ ہی اس نے ہاتھ کو جھٹکا دیا مگر کچھ نہ ہوا، وہ حیرت [illegible]

مہاراج بولے۔ اس سے کوئی [illegible]

مدھو اب تم میری غلام ہو اور تمہاری ساری شکتیاں میں لے چکا ہوں۔"

مدھو نے یہ سن کر کہا۔ "مہاراج تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔ میں تم سے انتقام لے کر رہوں گی۔ تم ناگن کے انتقام کو نہیں جانتے۔"

بس، مہاراج نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ اب تم یہیں رہوگی اور تم اس مندر سے باہر نہیں جاسکتی۔ اب تم جاؤ۔ تو مدھو بے بسی سے اندر چلی گئی۔ اسے مہاراج کی دھوکا دہی پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ وہ ضرور مہاراج سے انتقام لے گی۔ اس نے مہاراج پر بھروسہ کرکے غلطی کی۔

اب میرے پاس کوئی شکتی نہیں۔ اب میری ساری شکتیاں ختم ہوگئیں۔ وہ بہت بے چین ہو رہی تھی۔ اور سوچ رہی تھی کہ اگر میرے پاس مہاراج جوگی رمیش ہوتے تو وہ

ضرور میری مدد کرتے۔ مہاراج رمیش کے خیال سے اچانک اسے اپنا ناگ یاد آ گیا۔ وہ ناگ کو یاد کرکے افسردہ ہوگئی۔ ایکدم سے اسے خیال آیا کہ اسے مہاراج رمیش نے اسے اس کے ناگ کا "تاج میں لگے موتی کو نگلنے کے لیے کہا تھا۔" یہ خیال آتے ہی وہ جیسے خوشی سے جھوم اٹھی۔

مہاراج شیام نے تو اس سے اس کی شکتیاں چھینی تھیں۔ ان میں ناگ کی شکتی شامل نہیں تھی کیونکہ وہ اس کی اپنی شکتی نہیں تھی۔ اس تاج کی شکتی اس کی آنکھوں میں آ گئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں۔ اگر وہ اس کے پاس موجود تھی تو اس کا مطلب تھا کہ اس کے پاس ایک شکتی ہے۔ یہ جاننے کے لیے کہ اس کے پاس آنکھوں کی شکتی ہے۔ وہ اٹھی اور دروازے کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ اور اس نے اپنی گھنی پلکیں اٹھائیں اس نے آنکھوں سے اشارہ کیا تو فوراً دروازہ کھل گیا۔ پھر اس نے لالٹین کی طرف اشارہ کیا تو وہ جل اٹھا۔ دیوار سے باہر دیکھا تو اسے صاف باہر کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔

[illegible] نہیں کیا کیونکہ اس کے پاس صرف ایک شکتی تھی اور مہاراج کے پاس لاتعداد شکتیاں تھیں۔ اسے کسی خاص موقع کا انتظار کرنا تھا۔

کچھ دنوں بعد مہاراج نے مدھو کو بلایا اور کہا میں جاپ کر رہا ہوں۔ اب میں جادو میں مزید درجہ حاصل کرلوں گا [illegible] نہیں پڑ رہا۔ یہ کہہ کر وہ جنگل میں چلے گئے۔

مدھو یہ سن کر مسکرائی اس کی مسکراہٹ میں واضح طور پر انتقام کی جھلک تھی۔

مدھو اپنی شکتی سے مہاراج کے گرد کھینچے ہوئے حصار کو ختم کر سکتی تھی اور وہ وہی کرنے جا رہی تھی۔

جیسے ہی رات ہوئی، مدھو جنگل کی طرف روانہ ہوگئی۔ جنگل میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ مہاراج حصار کے اندر بیٹھ کر آنکھیں بند کرکے منتر پڑھ رہے تھے۔ مدھو نے اپنی نشیلی آنکھوں سے اشارہ کیا تو پل بھر میں حصار غائب تھا مہاراج بدستور منتر پڑھ رہے تھے۔

اچانک ایک عجیب الخلقت مخلوق نے مہاراج پر حملہ کردیا اور وہ حیرت سے دیکھتے رہ گئے۔ حصار کو دیکھا تو ندارد، یہ کیسے ہوا؟

اچانک مہاراج کے جسم میں آگ بھڑک اٹھی اور وہ جل کر خاک ہوگئے۔ اب مدھو کو مہاراج کی تمام شکتیاں مل گئی تھیں۔ اس کی طاقت بڑھ گئی تھی۔ مدھو کا جاپ ادھورا رہ گیا تھا۔ اس نے وہ سات دنوں میں مکمل کرلیا۔ اب اسے مزید شکتیوں کی ضرورت نہیں تھی۔ اب کوئی بھی اسے شکست نہیں دے سکتا تھا مدھو کو محل سے آئے ہوئے ایک ماہ گزر گیا تھا۔ اب اس نے واپس ریاست راج گڑھ میں جانے کا سوچا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ریاست کے اندر تھی۔ وہ محل میں چلی گئی، سب اسے دیکھ کر خوش ہوگئے۔ مدھو نے وزیر کو بلوا کر اس سے حالات پوچھے اور مطمئن ہونے کے بعد ان کو آرام کا کہہ کر اپنی خوابگاہ کی طرف چلی گئی۔

☆......☆......☆

شاہی محل کا کاہن کچھ پریشان سا تھا۔ مدھو نے جب اس سے کسی شکتی شالی شخصیت کے بارے میں پوچھا تھا تو وہ حیران سا ہوگیا تھا۔ بعد میں جب ملکہ ریاست کا انتظام وزیر کے سپرد کرکے چلی گئی تھی تو وہ کچھ کھٹک سا گیا تھا۔ اس نے اپنے علم سے معلوم کرلیا کہ نئی ملکہ مدھو دراصل ایک ناگن ہے جو جادو حاصل

سادھی، راکھ کے پتلے، سائیکل والا، پی کو، موت کا انتقام، موت کا جنگل، خونی آتما، کل سانگ، خوفناک شیطان کی بیٹی، پچھتاوا، کھوپڑی کے گلدان، روح کا عشق
خوفناک شیطان کی بیٹی
انتخاب: خلیل جبار
قیمت -/60 روپے
دعا بک کارنر
امین پور بازار فیصل آباد

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

کرنے کے لیے گئی ہے اور راجہ کو بھی اس نے مارا ہے۔ اس انکشاف نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے دل میں خوف کی ایک لہر نے جنم لیا۔

کاہن نے یہ دیکھنے کے لیے کہ واقعی ملکہ ایک ناگن ہے اس کے کمرہ خاص میں ایک قد آدم آئینہ لگوادیا اور جب ملکہ آئی تو کاہن ملکہ کے کمرے کی چھت پر سے جالی کے اندر سے دیکھنے لگا۔ اسے اپنے علم سے پتہ چلا کہ کوئی بھی ناگ یا ناگن کوئی بھی روپ دھار لے۔ آئینے میں وہ ناگ یا ناگن کے روپ میں ہی نظر آئے گا۔ وہ دم سادھے اگلے انکشاف کا منتظر تھا۔

☆☆☆

ادھر مدھو نے اپنی آنکھوں کو ترچھا کر کے خوابگاہ میں نگاہ دوڑائی تو اس کی نظریں کمرے کی دیوار میں نصب آئینے پر ٹھہر گئیں۔ آئینہ دیکھ کر وہ اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ آئینے میں مدھو کی بجائے ایک بڑی سی ناگن کھڑی تھی۔ مدھو نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کیا تو ایکدم سے آئینہ ٹوٹ کر کرچی کرچی ہوگیا۔ وہ سوچنے لگی کہ یہ آئینہ یہاں کون لایا ہوگا۔ اسے اپنی طاقتوں سے معلوم ہوگیا کہ یہ آئینہ کاہن نے نصب کروایا ہے اور اسے اس کا پتہ چل چکا ہے کہ وہ ایک ناگن ہے اور وہ اس وقت چھت پر موجود ہے۔

وہ سوچ رہی تھی کہ فی الحال اسے دفع کرو کیونکہ وہ یا کوئی اور بھی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ہے۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کر کے ہاتھ کو اوپر کیا تو چھت پر موجود درز بند ہوگئی اور وہ سونے کے لیے مسہری پر لیٹ گئی۔

کاہن چھت پر سے یہ مناظر دیکھ رہا تھا۔ جب چھت کی درز بند ہوگئی تو وہ بہت پریشان ہوگیا کہ ملکہ کو اس کی موجودگی کا پتہ چل چکا ہے۔ اب اسے جو کچھ بھی کرنا ہے جلدی کرنا ہوگا۔ وہ تمام رات اپنے کاموں میں مصروف رہا اور اس نے ایک پرچہ لکھ کر اپنے خاص ملازم کو دیا اور اسے کچھ ہدایت کی۔

☆......☆......☆

مدھو کو یہاں پر آئے ایک مہینہ گزر گیا تھا۔ اس کے لیے اب لازمی تھا کہ وہ ناگ دیوتا کے حضور قربانی پیش کرے۔ رات کو اس نے اپنے محل کے دو پہرے داروں کو بلالیا اور ان دونوں کے ہاتھ جادو سے باندھ دیئے تھے۔ مدھو نے دونوں کو کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دیئے بغیر دونوں کی طرف اشارہ کیا تو ان کی شہ رگوں پر جیسے تلوار پھیر دی گئی۔ وہ تڑپنے لگے اور مدھو منتر پڑھنے لگی۔

صبح سارے محل میں شور مچ گیا تھا کہ کسی نے دو پہرے داروں کو قتل کردیا ہے۔ کاہن کو بھی پتہ چل گیا تھا اور وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ کس نے کیا تھا۔ یہ سب دیکھ کر وہ بہت زیادہ غصے میں آگیا اور اس نے مدھو کو ختم کرنے کا ارادہ کرلیا۔

☆......☆......☆

مدھو سوئی ہوئی تھی کہ کمرے میں یکا یک شور سا بلند ہونے لگا وہ جاگ کر حیرانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اچانک سے ایک تلوار نمودار ہوئی اور مدھو کی طرف بڑھی تو مدھو نے ہاتھ کو جھٹکا دیا تو وہ ٹوٹ کر نیچے گر گئی۔ [illegible] جہاں پر مدھو بیٹھی ہوئی تھی وہاں ایک بھاری [illegible] مدھو اچھل کر اپنی جگہ سے ہٹی اور جیسے ہی اپنے کمرے سے باہر آئی، اس پر ایک دیوہیکل شیر نے حملہ کردیا۔ اس نے فوراً ہاتھ جھٹکا تو شیر پل بھر میں غائب ہوگیا، وہ پریشان ہوگئی کہ یہ سب کون کررہا ہے۔ اس نے اپنی طاقتوں سے معلوم کیا تو اسے پتہ چلا کہ یہ سب کاہن اسے ختم کرنے کے لیے کررہا ہے۔ اس نے کاہن کے پاس جانے کا سوچا اور آنکھیں بند کرلیں۔

کاہن اپنے کمرے میں بیٹھا جاپ کررہا تھا کہ مدھو یہ دیکھ کر بہت غضبناک ہوگئی۔ اس نے قریب ہوئے کاہن کو کہا۔ ”یہ مجال کے تو میرے خلاف عمل کررہا ہے تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ پرسوں میں نے تجھے معاف کردیا تھا۔ لیکن اب میں تجھے چھوڑوں گی نہیں۔“

کاہن نے نفرت سے مدھو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مکار ناگن، میں تیری اصلیت جان چکا ہوں راجہ کو بھی تو نے ڈس کر ہلاک کردیا تھا اور اب تو ہم پر حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔“ مدھو یہ سن کر طیش میں آتے ہوئے بولی۔ ”سن لے کاہن، تو میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، میرے سامنے تیری حیثیت ہی کیا ہے۔“

کاہن نے اپنی انگلیاں اس کی طرف کیں تو اس کی انگلیوں سے نیلے کی رنگ کی شعاعیں نکلیں جو مدھو کے اردگرد چھا گئیں۔

مدھو نے آنکھوں سے ان شعاعوں کو گھورا تو وہ یک لخت بجھ کر رہ گئیں۔ یہ دیکھ کر کاہن کوئی اور منتر پڑھنے لگا تو مدھو کے چاروں طرف آگ پھیل گئی۔ اگلے ہی لمحے مدھو آگ سے نکل آئی اور کاہن کو کوئی موقع دیئے بغیر اس کی طرف اشارہ کیا تو کاہن ایک ان دیکھی رسیوں کے بندھن میں بندھ گیا۔ اس نے اپنے آپ کو ان رسیوں سے آزاد کرانے کی بہت کوشش کی اور بہت سے منتر پڑھے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔

مدھو نے غصیلے لہجے میں کہا: بس کاہن بہت [illegible] کہ تجھے بڑا آجائے گا۔ وہ کاہن کو مکان سے باہر لے گئی۔ باہر ایک ویران سا میدان تھا مدھو کاہن سے بولی: اب بول، تو کیسی موت مرنا چاہتا ہے، ویسے تیری موت ایسی بھیانک ہوگی کہ کوئی بھی پھر میرے خلاف کچھ کرنے سے پہلے سو بار سوچے گا۔

کاہن نے یہ سن کر نفرت سے مدھو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”مکار اور دھوکے باز ناگن ا تو جس طرح چاہے مجھے ایسی موت دے۔ لیکن تو بھی بچ نہیں سکتی میں نے اپنے ملازم کو خط دے کر ریاست مہر ماہ میں جناب پیر علی شاہ کے پاس بھیجا ہے وہ مسلمان ہیں اور ان کے پاس بہت طاقتیں ہیں فکر مت کر تیرا انجام پیر صاحب کے مبارک ہاتھوں سے ہوگا تو بھی بچ نہیں سکے گی ناگن جو بھی روپ دھار لے رہے گی تو ناگن ہی اور سب سے مکار اور دھوکے باز اور یہ فطرت ذات ناگن کی تو ہوتی ہے۔“

بھوت، سیکورٹی گارڈ، وہ کون تھے؟، دہشت زدہ، شاتومی، خبیث بدروح، انوکھی محبت، چینی، خوفناک ڈاک بنگلہ، تیس سال بعد، غیبی محافظ

خوفناک ڈاک بنگلہ

انتخاب: خلیل جبار

قیمت -/60 روپے

سلطان نیوز ایجنسی

اخبار مارکیٹ اسپتال روڈ لاہور

یہ سن کر مدھو غصے سے انگارہ بن گئی اور کہنے لگی: ”بوڑھے کاہن تیرے پیر کو میں دیکھ لوں گی کہ وہ ہے کیا چیز لیکن تو نے میری ذات کی توہین کی ہے۔ اب دیکھنا میں تجھے کیسی موت دیتی ہوں۔“

مدھو نے وہاں موجود تمام سانپوں اور ناگوں کو حکم دیا کہ ناگن دیوی نے حکم دیا ہے کہ یہاں پر آجاؤ تو اچانک ویرانے میں ہلچل شروع ہوگئی۔ سرسراہٹیں اور پھنکاریں ابھرنے لگیں اور بے شمار سانپ اور ناگ وغیرہ جانے کہاں کہاں سے آنے لگے۔ چند ہی گھڑی میں وہاں سینکڑوں کی تعداد میں سانپ جمع ہوگئے۔ سب سانپوں نے مدھو کے گرد گھیرا ڈال دیا اور اس کے قدموں میں اپنا سر جھکا دیا۔

مدھو نے ان سب کو حکم دیا اس کاہن نے ہماری ذات کی توہین کی ہے۔ سب اس پر ٹوٹ پڑو اور اسے تڑپا تڑپا کر اس کا خاتمہ کردو۔

حکم سنتے ہی تمام سانپ کاہن کے گرد جمع ہونے لگے۔ کاہن یہ سب دیکھ کر خوفزدہ ہوگیا۔ اب کاہن کے اردگرد سانپ ہی سانپ تھے۔ خوف سے کاہن کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا سانپ اس پر ٹوٹ پڑے وہ لمحے میں کٹے ہوئے شہتیر کی طرح گر گیا۔ اس کا کام تمام ہوگیا تو مدھو نے سانپوں کو پلٹ کر واپس جانے کا حکم دیا۔

کاہن کی لاش نیلی ہو چکی تھی اور اس حد تک کہ وہ نیلی کی بجائے سیاہ دکھائی دے رہی تھی۔ مدھو نے مسکرا کر لاش کو دیکھا اور واپس چلی گئی۔

☆......☆......☆

کاہن کا ملازم خاص ریاست راج گڑھ سے روانہ ہو کر ایک رات میں ریاست مہرماہ میں پیر شاہ کے پاس پہنچ گیا اس نے پیر شاہ کو کاہن کا خط دے دیا۔ پیر صاحب نے خط پڑھ کر مراقبہ کیا تو انہوں نے ملازم کو کہا۔ ”مجھے پتہ چل گیا ہے کہ وہ ناگن بہت خطرناک اور جادو میں ماہر ہے اور اس نے تمہارے آقا کو ہلاک کر دیا ہے۔“ یہ سن کر ملازم کے چہرے پر غم و غصہ دکھائی دینے لگا اور وہ پیر صاحب سے کہنے لگا۔ ”پیر صاحب آپ میرے ساتھ جلدی چلیں اور اس ناگن کو ختم کر دیں۔ جس نے میرے آقا کو مارا ہے۔“

پیر صاحب نے اسے کہا۔ ”میں تمہارے ساتھ ضرور چلوں گا اور ریاست راج گڑھ کو اس ناگن کے شر سے بچاؤں گا لیکن ابھی نہیں کل ہم روانہ ہو جائیں گے۔ میں آج رات مراقبہ کر کے اس ناگن کی کمزوری تلاش کروں گا۔“

☆......☆......☆

مدھو سوچ رہی تھی کہ کاہن نے جس پیر کا ذکر کیا تھا وہ کون ہے۔ اور جب مدھو نے اپنی شکتیوں سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ پیر علی شاہ اسے ختم کرنے کے لیے کل روانہ ہوں گے اور وہ کوئی عام انسان نہیں بلکہ ان کے پاس زبردست روحانی طاقتیں ہیں اور وہ اسے مارنے میں کامیاب بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے وہ بہت پریشان ہو گئی اور سوچنے لگی کہ میں اس پیر کو یہاں آنے ہی نہ دوں گی۔

پیر علی شاہ نے رات میں مراقبہ کیا تو انہیں مدھو کے بارے میں سب کچھ پتہ چل گیا اور یہ بھی کہ جوگی مہاراج نے مدھو سے اس کی ساری طاقت لے لی تھیں لیکن اس کی آنکھوں کی طاقت اس کے پاس تھی۔ پیر صاحب نے ملازم سے کہا مجھے پتہ چل گیا ہے اس کی طاقت آنکھوں میں ہے، ناگن کا اصل نام تمہیں معلوم ہے۔“

ملازم نے جواب دیا۔ ”جی پیر صاحب اس کا نام مدھو ہے۔“

بہت خوب، پیر صاحب نے کہا۔ ”مدھو، چلو تیاری کرو ہم روانہ ہو رہے ہیں۔“

☆......☆......☆

ادھر مدھو کو پتہ چلا کہ پیر علی شاہ یہاں آنے کے لیے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے فوراً اپنی خفیہ شکتیوں کو حکم دیا کہ پیر کو آنے سے روکا جائے اور ان کو کسی صورت بھی یہاں آنے نہ دیا جائے۔

پیر علی شاہ اور ملازم روانہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ راستے میں ایک جنگل تھا، وہ دونوں جنگل سے گزرنے لگے کہ اچانک دو شیر سامنے آ گئے جنہیں دیکھ کر ملازم خوف زدہ ہو گیا، پیر صاحب نے اسے تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میرے پیچھے پیچھے چلتے رہو، اور پیر صاحب آگے ہی آگے قدم بڑھانے لگے گر شاید انہیں [illegible] دیکھ کر پیر صاحب نے شیام سے کہا۔ [illegible] آسانی سے آنے نہیں دے گی چلو تم میرا ہاتھ پکڑ لو اور آنکھیں بند کر لو۔“ پھر تھوڑی دیر بعد انہوں نے آنکھیں کھولیں تو وہ ریاست راج گڑھ میں تھے۔

ادھر مدھو کو پیر صاحب کے آنے کا پتہ چل چکا تھا اس نے اب سامنے آ کر لڑائی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پیر صاحب نے ایک ویران جگہ کا انتخاب کیا اور وہاں پہنچ کر کچھ پڑھنے لگے تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہاں پر مدھو پہنچ گئی۔ پیر صاحب نے اسے دیکھ کر عمل بند کر دیا اور مدھو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: اوئے مغرور ظالم اب تیرا کھیل ختم ہو چکا ہے۔“

مدھو انتہائی غصے کے عالم میں پیر صاحب سے بولی۔ ”کھیل تو تمہارا ختم ہو گیا۔ بڈھے بہتر یہی ہے کہ بھاگ جاؤ یہاں سے ورنہ بچنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔“

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

پیر صاحب یہ سن کر تھوڑی دیر خاموش رہے پھر گویا ہوئے۔ ”نادان ناگن میں تجھے آخری موقع دیتا ہوں کہ یہاں سے چلی جا اور اس ریاست کا پیچھا چھوڑ دے۔“

پھر مدھو نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ”ریاست کو تو میں نہیں چھوڑوں گی کیونکہ اس کا مجھے میرے آقا نے حکم دیا تھا اور تو کیا مجھے آخری موقع دے گا میں خود تجھے آخری موقع دے رہی ہوں بڈھے۔ ورنہ میرے ہاتھوں تو بچے گا نہیں۔“

پیر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بہت خوب، دیکھتے ہیں کہ اب کون بچے گا اور کس کا کھیل ختم ہوگا۔“

مدھو نے غضبناک طریقے سے اپنی آنکھیں پیر صاحب پر مرکوز کر دیں اور پیر صاحب کو گھورا اور غائب ہو گئی۔ شیام یہ سب دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا اور پیر صاحب سے کہنے لگا پیر صاحب! مجھے تو اس ناگن سے بہت ڈر لگ رہا ہے۔ جانے اب وہ کیا کرے گی۔

پیر صاحب نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ وہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ [illegible] ہو جائے گا۔

☆......☆......☆

مدھو محل میں اپنے کمرہ خاص میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے پیر صاحب پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ اس نے اپنی شکتی شالی طاقتوں کو بلایا اور ان سے پیر صاحب کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ پیر صاحب نے اب محل کا رخ کیا ہے اور ان کا ارادہ تمام ریاست راج گڑھ کے لوگوں کو تمہاری اصلیت بتانے کا ہے۔ ریاست راج گڑھ کے لوگ انہیں جانتے ہیں اور ان کی بہت عزت کرتے ہیں۔

یہ سن کر مدھو غضبناک ہو کر اٹھی اور کہنے لگی۔ ”مجھے وہاں جا کر ہر حال میں اس بڈھے کو روکنا ہوگا، اب وہ میرے عتاب سے نہیں بچ سکے گا۔“

ادھر پیر صاحب راج گڑھ کے لوگوں کو مدھو یعنی اس ناگن کی اصلیت بتانے کے لیے آ رہے تھے۔ شیام نے مشورہ دیا تھا کہ پہلے ریاست کے لوگوں کو آگاہ کرنا

جادوگرنی، کفن پوش، رقابت کی آگ، خونی پیاس، آتش انتقام، آخری خواہش، بھوک، بھوت کا وجود، خمیازہ، پراسرار تپسیا، پراسرار حالات، خوفناک شکتی، زندگی کی قید، طلسماتی دروازہ

خوفناک شکتی

انتخاب: خلیل جبار

قیمت -/60 روپے

اشرف بک ایجنسی

کمیٹی چوک راولپنڈی

بہتر ہوگا پھر جب ہمیں ریاست کے لوگوں کی حمایت حاصل ہو جائے گی تو پھر ناگن سے نمٹنا آسان ہوگا۔

☆......☆......☆

اچانک زمین لرزنے لگی اور آسمان پر بادل گرجنے لگے۔ درخت تیز ہوا سے ڈولنے لگے اور ہوائیں تیز ہونے لگیں۔ ماحول ہیبت ناک ہو گیا تھا۔ مدھو ان دونوں کے سامنے تھی۔ اس نے سبز لباس پہنا ہوا تھا۔ پیر صاحب اسے دیکھ کر گرجتے ہوئے بولے۔ ”ناگن، بند کر یہ شعبدہ بازیاں، میں ان اوچھے ہتھکنڈوں سے ڈرنے والا نہیں۔“

یکایک ماحول ساکت ہو گیا۔ ہوائیں تھم گئیں۔ درخت ساکت ہو گئے۔ مدھو نے غضبناک نگاہوں سے پیر صاحب کو گھورا اور پیر صاحب کی طرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اس کی آنکھوں سے تیز روشنی نکلی اور سیدھی پیر صاحب کی طرف لپکی، روشنی پیر صاحب سے ٹکرائی لیکن کچھ نہ ہوا۔

اب اس نے کچھ اور پڑھ کر پھونکا تو آسمان سے پتھر برسنے لگے لیکن حیرت انگیز طور پر وہ پھر نیچے آتے ہی پھول بن کر برسنے لگے، یہ دیکھ کر مدھو حیران رہ گئی۔ جلد ہی وہ حصار سے باہر آ گئی۔ اس نے ایک بار پھر آنکھوں سے اشارہ کیا تو ایک بھاری برگد کا درخت پیر

Digitized by Google

صاحب پر گرنے والا تھا کہ اچانک درخت سمٹ کر ایک ٹہنی میں تبدیل ہوگیا اور یہ وار بھی ناکام ہوگیا۔
اب پیر صاحب نے آگے بڑھ کر ہاتھ سے اشارہ کیا اور کچھ پڑھ کر پھونکا تو سیاہ سلاخوں والا پنجرہ بدھو کو چاروں طرف سے گھیر چکا تھا۔
بدھو نے بہت کوشش کی مگر وہ پنجرے سے نکل نہیں سکی۔ آخر اس نے پیر صاحب سے کہا: ”میں نے اپنی شکست تسلیم کرلی ہے۔ آپ سے میں ہار گئی ہوں لیکن میں آپ سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے ایک موقع اور دیں میں آپ سے التجا کرتی ہوں۔“
پیر صاحب نے اسے دیکھ کر کہا: ”ٹھیک ہے، میں تجھے ایک موقع دے رہا ہوں، لیکن یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تجھے معاف کردیا ہے، تو نے کئی افراد کی جان لی ہے، تیرے پاس آخری موقع ہے۔ اتنا کہہ کر پیر صاحب نے ہاتھ کا اشارہ کیا تو بدھو کے گرد سے سلاخیں ختم ہوگئیں اور وہ غائب ہوگئی۔“
پھر بدھو محل میں پہنچی اور محل میں قائم کردہ مندر کی طرف بڑھنے لگی۔ سپاہیوں کو ملکہ کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی۔ وہ سب تیار کھڑے تھے۔ محافظوں میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ بدھو پہلی بار مندر میں موجود تھی۔ مندر میں پہنچ کر اس نے سارے محافظوں کو باہر نکال دیا اور اب وہ اکیلی تھی۔ بدھو مندر میں نصب ناگ دیوتا کے مجسمے کے آگے کھڑی ہوگئی اور منتر پڑھنے لگی۔ منتر پڑھتے پڑھتے بہت دیر گزر گئی پھر اچانک ناگ دیوتا کی آنکھیں روشن ہوگئیں جیسے ان میں آگ کے الاؤ روشن تھے۔ بدھو نے ادب سے سر جھکا کر کہا: ”عظیم ناگ دیوتا! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“
یہ سن کر ناگ دیوتا نے کہا: ”بدھو تو اس چال سے بالکل نہیں جیت سکتی! تیرا جادو اس کے سامنے بیکار ہے تو چاہے جادو کے سارے درجے حاصل کرلے پھر بھی اس کے سامنے اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ مسلمان ہے۔ اس کے پاس نوری علم ہے۔ بھلا نوری علم کے آگے ناری علم کہاں ٹھہر سکتا ہے۔ تجھے اپنی عقل سے کام لینا چاہیے اگر تو روپ بدل کر اس پر حملہ کرے تو تو کامیاب ہوسکتی ہے، اس کے لیے جادو کی ضرورت نہیں ہوگی۔ سانپ کا روپ دھار کر تو آسانی سے زہر کے ذریعے اسے موت کے حوالے کرسکتی ہے، کیونکہ وہ اپنی موت سے بچ نہیں سکتا۔“ بدھو یہ سن کر بہت خوش ہوئی اب وقت آچکا تھا انتقام کا۔

☆......☆......☆

بدھو ایک بار پھر پیر صاحب کے سامنے تھی۔ اب کی بار اس نے حیرت انگیز طور پر نیلا لباس پہنا ہوا تھا۔ اس نے مسکرا کر پیر صاحب سے کہا: ”تیار ہو جاؤ، آج یا تو میرا خاتمہ ہوگا یا پھر تمہارا۔“ یہ کہہ کر وہ غائب ہوگئی اور ایک چھوٹا سا مگر انتہائی زہریلا سانپ خاکی رنگ کا بن گئی۔ اس نے زمین کی مٹی سے اپنا رنگ ملا لیا تھا، وہ احتیاط سے آگے بڑھ رہی تھی۔ ایک جگہ رک کر اس نے چھلانگ لگائی اور جست بھر کر پیر صاحب کے کندھے پر پہنچ گئی۔
تو فوراً سے بھی پیشتر وہ پھن اٹھا کر پیر صاحب کو ڈسنا چاہتی تھی مگر پیر صاحب نے اسے دیکھ لیا تھا اور شیام [illegible]
وہ فوراً ایک پرندہ بن گئی اور [illegible] پیر صاحب نے اسے دیکھ کر اشارہ کیا تو وہ بے اختیار ان کے ہاتھ میں آگئی، اس نے فوراً کسی بڑے عقاب کا روپ اختیار کیا اور پیر صاحب کی آنکھیں نوچنا چاہیں [illegible] پیر صاحب نے اسے دبوچ لیا اور کچھ پڑھ کر اس پر پھونک ماری تو وہ پہلے ایک ناگن بنی پھر اسے آگ لگ گئی اور چند لمحوں بعد اس کی راکھ پڑی تھی۔
پیر صاحب نے شیام سے کہا کہ ”بدھو ناگن کا خاتمہ ہوچکا ہے۔“ اس طرح سے ایک شر اور فساد کا خاتمہ ہوچکا تھا۔
پیر صاحب ریاست راج گڑھ کو اس عذاب سے بچا چکے تھے اور ریاست راج گڑھ پر خیر کا سورج طلوع ہوگیا تھا۔

دہشت کی رات

فرح انیس۔کراچی

رات کا اندھیرا بڑھتا جارہا تھا اور پھر ایک وقت آیا کہ کار میں بیٹھی لڑکیوں پر کپکپی طاری ہوگئی ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں وہ ہوش سے بیگانہ ہونے لگیں۔ پھر اچانک ایک دہشت ناک منظر سامنے آیا تو......

دل و دماغ کو اچنبھے میں ڈالتی اور سوچ کے افق پر جھلمل کرتی حقیقی اور عجیب روداد

کتنی حسین ہے کلاس سے باہر نکلتی [illegible] دونوں ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے فضا میں گہری سانس بھرتی ہوئی مسرت سے بولی۔
کتنی حسین ہے ہمیں بھی بتا اس کے پیچھے رومی اور زرمین دونوں کلاس سے نکلتی ہوئی شوخی سے مشعل کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔
خود محسوس کرلو مشعل ہنستے ہوئے ان کی بات پر بولی۔
وہ تینوں باتیں کرتی ہوئی کینٹین میں آگئیں کہ کرسی پر بیٹھتی ہوئی مشعل بولی ”یار بہت دن ہوگئے آؤٹنگ پر گئے ہوئے کیوں نہ کوئی دن رکھیں کہیں جانے کا وہ ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
گڈ آئیڈیا میں بہت دنوں سے یہی سوچ رہی تھی کہ بہت ٹائم ہوگیا مل کر ہم تینوں کو کہیں

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

گئے ہوئے۔

رومی پرجوش ہوتے ہوئے اس کی بات پر بولی۔

کہیں بھی اس ہفتے کی رات ڈنر پر کہیں چلتے ہیں پھر اس کے بعد لانگ ڈرائیو پر بہت دور مشعل شوخ ہوتے ہوئے بولی۔

ٹھیک ہے ڈن ہے یہ تم کو کیا ہو گیا تم کیوں اتنی چپ چپ ہو رومی بولتی ہوئی اپنے برابر چپ بیٹھی زرمین کی جانب متوجہ ہوئی۔

کچھ نہیں یار وہ بیزاری سے بولی۔

اوہ کم آن زرمین تم کب تک اپنے بریک اپ کا سوگ مناؤ گی اچھا ہی ہوا وہ تمہارا رومیو چلا گیا ایک نمبر کا فلرٹی تھا جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے سویٹی۔ رومی پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

اس کی بات پر وہ زبردستی مسکرادی۔

زرمین مصنوعی مسکراہٹ نہیں چلے گی تم جانتی بھی ہو وہ تمہارے قابل نہیں تھا اتنی فضول نیچر کا بندہ تو ساری لائف کے رونے سے بہتر ہے تم تین دن رو کر پوری زندگی خوش رہ لو۔ مشعل اس کو سمجھاتے ہوئے پیار سے بولی۔

زرمین اس کی بات پر متفق ہوتے ہوئے اثبات میں سر ہلانے لگی یہ سچ تھا احمد کے ساتھ سے زرمین کو کوئی خوشی نہ ملی تھی مگر وہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اگر وہ دماغ سے سوچتی دل کو ہٹا کر تو احمد بہت ہی خودغرض انسان تھا جو صرف اپنا آپ دیکھتا تھا۔

اب مسکرا کے دکھا۔ رومی کے کہنے پر وہ مسکرانے لگی۔

گڈ گرل اب بس ہنسنا ہے۔ مشعل کی بات پر وہ مسکرا کے سر ہلانے لگی۔

وہ تینوں ایک ہی کالج میں پڑھتی تھیں ان تینوں کا تعلق اپر کلاس فیملی سے تھا۔

ان کے نزدیک زندگی موج مستی کا نام ہے اور وہ تینوں اس موج مستی سے لطف اندوز ہونا جانتی تھیں۔

آج ہفتہ تھا اور رات وہ دونوں مشعل کے گھر جمع ہو گئی تھیں پروگرام کے مطابق۔

یار میں سوچ رہی ہوں کہیں دور لانگ ڈرائیو پر جایا جائے ڈنر کرنے کے بعد۔ مشعل گاڑی میں بیٹھتی ہوئی ان دونوں سے مخاطب ہوئی۔

گڈ آئیڈیا کسی ویران دور دراز جگہ پر جہاں پر بس ہم تینوں ہوں ایڈونچر کی دلدادہ رومی پرجوش ہوتے ہوئے بولی۔

ویران جگہ یعنی کسی بھوت بنگلے میں نہ چھوڑ آئیں تم کو زرمین پیچھے سیٹ پر بیٹھی رومی کو دیکھتے ہوئے شرارت سے بولی۔

ہاں یہ اچھا ہے اس کو ویسے بھی لائف میں ہر وقت کچھ نیا چاہیے ہوتا ہے بھوت بنگلے میں ایک رات بھوتوں کی مہمان بن جائے گی تو خوش ہو جائے گی گاڑی چلاتی مشعل ہنستے ہوئے بولی اس کی بات پر رومی برا سا منہ بنا کر باہر دیکھنے لگی۔

گاڑی میں چلتے میوزک پر وہ تینوں ہی سر دھنتی ہوئی میوزک سے انجوائے کرتی ہوئی وہ تینوں بہت آگے نکل آئی تھیں۔

رات کا بڑھتا اندھیرا اور دور تک جاتی سیدھی سڑک آس پاس آبادی اب زیادہ نظر نہیں آ رہی تھی زرمین جو پرشوق نگاہوں سے باہر کا نظارہ کر رہی تھی اطراف میں پھیلی تاریکی دیکھ کے اور اس تاریکی میں بولتے سناٹے کو محسوس کرتے ہوئے اس نے بے اختیار جھرجھری سی لی اس کی نگاہ اپنی رسٹ واچ پر گئی جو رات کے بارہ بجا رہی تھی۔

یہ کونسی جگہ ہے جو اتنی ویران ہے ہم شاید بہت آگے نکل آئے زرمین سوچنے لگی۔

گرلز میرا خیال ہے اب ہمیں واپس چلنا چاہیے رات کے بارہ بج رہے ہیں مشعل گاڑی واپس موڑ لو زرمین برابر بیٹھی ڈرائیو کرتی مشعل سے بولی۔

کیوں کیا بارہ بجتے ہی تم روپ بدل لیتی ہو رومی کے کہنے پر وہ گھور کر اسکو دیکھنے لگی۔

تم نے تو گھور کے ڈرانا ابھی سے شروع کر دیا رومی ڈرنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی۔

یار تم لوگ کو مذاق سوجھا ہوا ہے وقت دیکھو بارہ بج رہے ہیں آس پاس کوئی آبادی نہیں، ہم شہر سے بہت دور نکل آئے ہیں زرمین وقت کی نزاکت کو سمجھاتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

نہیں ابھی ہم بہت آگے تک جائیں گے مشعل اس کی بات کی تردید کرتی ہوئی گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے بولی۔

یار تم دیکھو کتنی سنسان سڑک ہے زرمین خفگی سے مشعل کو سمجھاتے ہوئے بولی۔

سو واٹ سنسان سڑک ہے تو مشعل کاندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے بولی۔

زرمین خاموشی سے لب بھینچ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی اسے بحث کرنا بیکار لگا۔

اس کا دل عجیب سے انجانے خوف میں مبتلا تھا وہ اس بے نام سے خوف کو کوئی نام نہیں دے پا رہی تھی۔ وہ دونوں ... زور و شور سے میوزک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں تھوڑی دیر پہلے ان کے ساتھ زرمین بھی انجوائے کر رہی تھی۔

مگر اب وہ اس سنسان سڑک کو دیکھ کر خوف کا شکار تھی اس کی چھٹی حس مستقل خوف کا الارم بجا رہی تھی۔

مشعل بیٹھی گاڑی کے سامنے آتے لڑکے کو دیکھ کے بے اختیار چیخی مشعل جو تیز ڈرائیونگ کرتی ہوئی گانا گنگنا رہی تھی گھبرا کے اس نے تیزی سے بریک لگایا مگر تب تک وہ لڑکا ان کی گاڑی کے نیچے آ چکا تھا۔

اوہ میرے خدا اب کیا کریں مشعل بوکھلاتے ہوئے بولی وہ دونوں بھی کافی گھبرا گئی تھیں۔

میرے خیال سے ہمیں اتر کے دیکھنا چاہیے کہ ......اور زرمین کی بات پر وہ گاڑی سے اتر کر دیکھنے لگیں مگر اس جگہ جہاں ابھی ان کی گاڑی سے ٹکرا کے وہ لڑکا گرا تھا اب وہاں کوئی بھی نہ تھا۔

وہ تینوں پریشان نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں میرے خیال سے زرمین بالکل ٹھیک بول رہی ہے ہمیں اب واپس چلنا چاہیے اپنے اردگرد خطرے کو محسوس کرتے ہوئے ہوئے مشعل گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

بڑی جلدی خیال آ گیا زرمین گاڑی میں بیٹھتے ہوئے طنز سے بولی اسے مشعل رومی دونوں پر ہی غصہ آ رہا تھا۔

بھئی وہ لڑکا گیا کہاں رومی خوفزدہ سے لہجے میں بولی۔

کیوں تم کو تو بہت شوق تھا کسی سنسان سڑک کا جہاں پر کوئی نہ ہو اب گھبرا کیوں رہی ہو زرمین رومی کے چہرے پر پھیلا خوف دیکھتے ہوئے ناراضگی سے بولی۔

اس سے پہلے زرمین مزید کچھ کہتی کے گاڑی کے سامنے اچانک ایک عورت کو دیکھ کر مشعل نے فوراً بریک لگائی، مرنے کا ارادہ ہے کیا مشعل کھڑکی سے منہ نکال کر غصے سے بولی۔

مجھے لفٹ دے دو میں یہاں آگے اپنے رشتے داروں کے ہاں آئی ہوئی تھی اس وقت مجھے کوئی سواری نہیں مل رہی وہ عورت بیچارگی سے بولی تو وہ تینوں گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔

گھبرانے کی بات نہیں میں تم لوگوں کو نقصان نہیں پہنچاؤں گی میں تو خود پریشان ہوں وہ ان کے چہرے پر پھیلی گھبراہٹ دیکھ کر جلدی سے بولی۔

ٹھیک ہے آ جائیں مشعل کے کہنے پر وہ پیچھے آ کر بیٹھ گئی، بہت شکریہ اس وقت تم لوگوں نے میری مدد کی وہ عورت بولی۔

آپ کو کس طرف جانا ہے رومی اس خاتون سے پوچھنے لگی۔

بس یہیں تھوڑا آگے رومی کی بات کے جواب میں وہ بولی۔

بس بیٹا یہاں اتار دو میں چلی جاؤں گی، پر یہاں تو کوئی سواری نہیں نظر آ رہی مشعل حیرانگی سے خالی ویران سڑک دیکھتے ہوئے بولی۔

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google

نہیں تھوڑا سا آگے چل کر جاؤں گی تو مل جائے گی وہ عورت گاڑی رکوا کر اتر گئی۔

توبہ میرا تو دم نکلا ہوا تھا کے کوئی چڑیل نہ ہو روحی گہرا سانس سکون کا لیتے ہوئے بولی۔

کیوں تم کو تو اس وقت شوق آ رہا تھا کسی ویران جگہ پر جانے کا زرمین اسے چھیڑتے ہوئے بولی۔

کہ اچانک گاڑی چلتے چلتے ایک جھٹکے سے رک گئی۔

کیا ہو گیا وہ لوگ پریشان ہو کر پوچھنے لگیں۔

پتا نہیں چیک کرتی ہوں مشعل گاڑی سے اتر کے دیکھنے لگی وہ دونوں بھی اتر گئیں۔

یار پیٹرول وغیرہ سب ہے پھر پتا نہیں کیا مسئلہ آ گیا ہے مشعل پریشانی سے ہاتھ مسلتے ہوئے بولی۔

یار اب کیا کریں زرمین پریشانی سے بولتی بے چینی سے سنسان سڑک کو دیکھنے لگی جہاں نہ آدم تھا نہ آدم زاد۔

اچانک ایک عجیب سی آواز پر وہ تینوں بری طرح سے ڈر کے اچھلیں۔

غور کرنے پر لگا کہ جیسے کوئی پازیب پہنے دھیرے دھیرے سے چل کر ان کی جانب آ رہا ہو۔

وہ تینوں آنکھوں میں خوف لیئے ایک دوجے کو دیکھنے لگیں۔

میں کوئی مدد کر سکتی ہوں آپ لوگوں کی نسوانی آواز پر وہ تینوں بری طرح سے چونکیں۔

یہ اسی عورت کی تو آواز تھی جو ابھی گاڑی میں ان کے ساتھ تھی مگر پیچھے پلٹ کر دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔

گاڑی میں بیٹھو سب مشعل خوف سے چیختی ہوئی ان دونوں سے بولی۔

وہ تینوں گاڑی میں بیٹھ کے گیٹ لاک کر کے کھڑکیوں کے شیشے چڑھائے ہلکے ہلکے کانپ رہی تھیں کہ اچانک کھڑکی کے پاس بیٹھی زرمین نے چیخ ماری گاڑی کے شیشے پر کسی کے ہاتھ کا نشان واضح طور پر چھپا ہوا تھا وہ تینوں ہی خوفزدہ نظروں سے اس ہاتھ کے نشان کو دیکھ ہی رہی تھیں کہ ان کو محسوس ہوا ان کی گاڑی کو کوئی دھکا لگا رہا ہے وہ تینوں دہشت کے مارے بری طرح سے چیخنے لگیں مشعل گاڑی اسٹارٹ کرنے کی کوشش کرو پیچھے بیٹھی روحی چیختے ہوئے بولی۔

کیسے کروں اسٹارٹ نہیں ہو رہی مشعل لرزتے لہجے میں بولی۔

یہ کون ہماری گاڑی کو دھکا لگا رہا ہے وہ لوگ پلٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھیں مگر کوئی نظر نہیں آ رہا تھا دھکا لگانے کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔

مجھے نہیں لگتا اس طرح ہم بچ سکتے ہیں اگر اس طرح ہم گاڑی میں بیٹھے رہیں، ہمیں باہر نکل کر اپنی جان بچانی ہو گی روحی روتے ہوئے بولی۔

ہاں چلو نکلو وہ تینوں تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کے اتریں اور ابھی وہ خوفزدہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھ ہی رہی تھیں کہ روحی کی نظر مشعل کے سفید پڑتے چہرے پر پڑی روحی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھنے لگی تو خوف سے اس کی آنکھیں بھی پھیل گئیں۔

جہاں ایک غیر معمولی قد کی سفید لبادے میں کوئی عورت کھڑی تھی اور اب وہ عورت آہستہ آہستہ چلتی ان کی طرف آنے لگی۔

ان تینوں نے ہی اس عورت کو دیکھ لیا تھا وہ تینوں خوفزدہ ہو تیں سامنے سڑک کی جانب دوڑنے لگیں۔

وہ تینوں اندھا دھند بھاگ رہی تھیں، وہ دیکھو سامنے سے گاڑی آ رہی ہے ہم ان سے مدد لیتے ہیں اندھیرے میں دور سے آتی گاڑی کی چمکتی ہیڈ لائٹس کی جانب مشعل اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

وہ تینوں تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھنے لگیں گاڑی ان کے پاس آ کر رک گئی تھی۔

ہمیں لفٹ دے دیجیئے پلیز روحی ملتجی لہجے میں جھک کے گاڑی کی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے بولی جہاں ڈرائیونگ سیٹ پر ایک ادھیڑ عمر آدمی بیٹھا ہوا تھا۔

کہاں جانا ہے آپ لوگوں کو۔

بس آپ روڈ تک ہمیں ڈراپ کر دیں ہم اپنی سواری کا خود انتظام کر لیں گے دراصل ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے روحی اس آدمی کے سوال پر جلدی جلدی بولی مبادا وہ ان کو چھوڑ کے ہی نہ چلا جائے۔

او کے بیٹھ جائیں میں چھوڑ دیتا ہوں اس آدمی کی بات پر وہ شکریہ ادا کرتی ہوئی پیچھے بیٹھ گئیں۔

اتنی رات ویسے آپ لوگوں کو نکلنا نہیں چاہیئے، جی غلطی ہو گئی بہت بڑی کے ہم اتنی دور نکل آئے مشعل اس آدمی کی بات پر ملال سے بولی۔

چلیں کوئی بات نہیں میں آپ لوگوں کو ضرور آپ لوگوں کی منزل تک پہنچا دوں گا اس آدمی کی بات پر وہ تینوں پرسکون سانس لینے لگیں۔

آپ کس طرف جا رہے ہیں یہ تو راستہ روڈ کی طرف نہیں جاتا زرمین انجانے راستے پر گاڑی رواں دواں دیکھ کے چونک کے بولی۔

اس کی بات پر وہ آدمی خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا۔

یہ کہاں لے کر جا رہا ہے، روحی گھبراتے ہوئے ... سے سرگوشی میں بولی۔

آپ نے جواب نہیں دیا کہ یہ راستہ کدھر جا رہا ہے ابھی راستہ دیکھ کے مشعل اونچی آواز میں بولی۔

گاڑی اچانک ایک جھٹکے سے رکی تھی یہ لیجیئے آ گئی منزل آ گئی کہتے کے ساتھ ہی وہ آدمی بھی گاڑی سے اتر گیا وہ تینوں بوکھلائی ہوئی اس کو جاتا دیکھنے لگیں اسے آپ کہاں جا رہے ہیں۔

کوئی عجیب سی جگہ معلوم ہو رہی تھی ارد گرد جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اور پھر رات کی تاریکی میں بھونکتے کتوں کی آوازوں نے ماحول کو دہشت ناک بنا دیا تھا۔

کاش زرمین ہم تمہاری بات مان لیتے مشعل زرمین کو دیکھتے ہوئے پشیمانی سے بولی۔

واقعی ہم نے بہت غلطی کی اس وقت نہ سن کے روحی کو بھی پچھتاوا ہو رہا تھا۔

استاد کی دعا......!

میرے عزیز طالب علموں! ہمارے جلائے ہوئے چراغ لے کر بستیوں میں جاؤ، جہاں اندھیرا زیادہ ہے زندگی مقصد کے ساتھ گزارو۔ بے مقصد سانسیں پوری کرنا کوئی خوبی نہیں۔ یہ کام تو چوپائے بھی کر رہے ہیں۔ آدم کی ساری اولاد اشرف المخلوقات نہیں ہوتی۔ جو خدا کے قریب ہیں، اس کے بندوں کے خیر خواہ ہیں، مقصد کے ساتھ زندہ ہیں، وہی اشرف المخلوقات میں ہے۔ بلند حوصلہ انسان کے ہاتھ میں آ کر مٹی بھی سونا بن جاتی ہے۔ جب بھی آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں تو ان لوگوں کو کبھی نہ بھولئے، جن کی محنت اور دعاؤں سے آپ نے اپنے مقصد کو پالیا ہے۔ اپنی کامیابیاں ان کے ساتھ مل کر منایئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آپ کے حقیقی خیر خواہ ہیں یعنی آپ کے اساتذہ اور والدین، جو آپ کی کامیابی پر خوش اور ناکامی پر افسردہ ہیں۔

(ایس امتیاز احمد۔ کراچی)

ان لوگوں کو لگ رہا تھا وہ تینوں بری طرح سے پھنس چکی تھیں اس دہشت ناک سڑک پر یہ آدمی کیا کہاں جب تھوڑی دیر ہو گئی وہ آدمی نہ آیا تو مشعل پریشانی سے بولی۔

میرے خیال سے ہمیں اتر کے دیکھنا چاہیئے روحی کے مشورے پر وہ تینوں اتر کے باہر اس آدمی کی تلاش میں متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگیں۔

وہ جگہ ہی عجیب تھی جھاڑیوں سے بچ بچاتی وہ تینوں اس طرف جانے لگیں جدھر وہ آدمی گیا تھا۔ مگر جس جگہ وہ آ کر رکیں ان کے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی وہ تینوں اس وقت قبرستان میں قبروں

کے درمیان کھڑی تھیں موسم کی خنکی کے باوجود ان کی پیشانی عرق آلود ہوگئی تھی۔

ایسا لگا کوئی دھیرے دھیرے کچھ پڑھ رہا ہو رومی کی نظر اپنے سے کچھ فاصلے پر گئی تو وہی آدمی جس کی گاڑی میں وہ ابھی آئی تھیں ایک قبر کنارے بیٹھا زیر لب کچھ پڑھتا ہوا ہلکے ہلکے ہل رہا تھا۔

دیکھو یہ آدمی یہاں بیٹھا ہے رومی ان دونوں کو اس طرف متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

بھائی صاحب ہم آپ کو کب سے ڈھونڈ رہے ہیں آپ یہاں بیٹھے ہیں مشعل ہمت مجتمع کرتی ہوئی اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔

میں نے بولا تو تھا آپ لوگوں کو آپکی منزل تک پہنچادوں گا، ہم سب کی یہی منزل ہے کہتے کے ساتھ ہی وہ آدمی ہوا میں دھواں بن کے تحلیل ہوگیا۔

مشعل دم سادھے اس جگہ کو دیکھ رہی تھی ایسا ہی کچھ حال رومی اور زرمین کا بھی تھا۔

وہ تینوں وہاں سے سرپٹ دوڑیں ان کو اپنی موت اپنے بہت قریب محسوس ہورہی تھی۔

پتا نہیں ہم کس جگہ پھنس گئے ہیں دور دور تک سواری کا کوئی انتظام نہیں تھا سیل فون کے نیٹ ورک بھی نہیں آرہے تھے بے بسی سے ان تینوں کی آنکھیں نمکین پانی سے بھر رہی تھیں۔

وہ تینوں بری طرح سے بس بھاگ رہی تھیں مگر بھاگتے بھاگتے جس جگہ آکر رکیں وہاں ان کی گاڑی کھڑی تھی مطلب ہم زیادہ دور نہیں گئے تھے یہیں تھے زرمین بولی۔

ہاں مجھے تو لگتا ہے ہم اس جگہ پھنس گئے ہیں وہ دیکھو شاید ہماری وہاں کوئی مدد کردے زرمین سڑک کے دائیں طرف غور سے دیکھتی دور سے نظر آتی ہلکی روشنی کو دیکھتے ہوئے بولی شاید وہاں کوئی ہے۔

چلو چل کر دیکھتے ہیں زرمین ان دونوں سے بولی جن کے چہروں پر اس وقت بیچارگی تھی۔

ہمت مت ہارو کوئی نہ کوئی ہمیں راستہ ملے گا اس اندھیرے میں ضرور روشنی کی کرن نظر آئے گی زرمین ان دونوں کی ہمت بندھاتے ہوئے بولی۔

وہ تینوں اس روشنی کی جانب بڑھ گئیں قریب پہنچ کر معلوم ہوا وہ سب جھگیاں تھیں اور ان جھگیوں میں سے لوگوں کی آوازیں آتی سن کر ان تینوں کو اطمینان ہوا۔

ایک جھگی سے بچے کے رونے کی آواز آرہی تھی وہ تینوں اس جھگی کی طرف بڑھ گئیں جہاں لالٹین جل رہی تھی۔

وہ تینوں ہمت کرکے اس جھگی میں داخل ہوگئیں جہاں ایک عورت روتے بچے کو زور زور سے تھپک کر سلا رہی تھی ان تینوں کو سامنے دیکھ کے وہ عورت مسکرادی۔

ہماری گاڑی خراب ہوگئی ہے اور یہاں دور دور تک کوئی سواری نہیں رومی اس عورت سے بچکتے ہوئے بولی۔

آجاؤ وہ عورت رومی کی بات پر بولی۔

صبح ہوجائے پھر چلی جانا بیٹھ جاؤ وہ عورت وہیں [illegible] ان تینوں کے [illegible]

وہ تینوں وہیں اس عورت کے قریب بیٹھ کے پیروں کو ہلکے ہلکے دبانے لگیں جو بھاگ بھاگ کے دکھنے لگے تھے۔

زرمین اور رومی کے گھر والے یہ سمجھ رہے تھے کے وہ دونوں مشعل کے گھر پر ہیں کیونکہ وہ دونوں اپنے گھر والوں سے مشعل کے گھر کا ہی کہہ کر آئی تھیں اور مشعل کے پیرنٹس امریکہ گئے ہوئے تھے۔

اگر ہم تینوں میں سے کسی کے گھر والوں کو یہ پتا چل جائے کہ ہم تینوں ابھی تک گھر نہیں پہنچیں تو کیا حال ہوگا ان کا زرمین سوچتے ہوئے فکرمندی سے ان دونوں سے بولی۔

کیا ہوا کوئی پریشانی ہے وہ عورت ان تینوں کے پریشان چہرے دیکھتے ہوئے بولی۔

جی ہم یہ سوچ رہے ہیں کے یہ کون سی جگہ ہے، اتنی عجیب سڑک اور پھر یہ جگہ زرمین وہ سب بتانے لگی

جتاں کے ساتھ ہوا تھا۔

یہ جگہ آسیب زدہ ہے یہاں آج سے پانچ سال پہلے تھوڑے فاصلے پر اس جگہ ایک خانہ بدوشوں کی بستی ہوا کرتی تھی خانہ بدوشوں کا اس جگہ پر قیام کافی طویل ہوگیا تھا جس زمین پر خانہ بدوش آکر آباد ہوئے تھے وہ کسی بڑے آدمی کی زمین تھی اس آدمی نے وہ جگہ ان خانہ بدوشوں سے خالی کرنے کو کہا وہ آدمی دو بار ان خانہ بدوشوں کو دھمکیاں دے کر جا چکا تھا اسے اس زمین پر [illegible] بنانی تھی۔

خانہ بدوشوں نے اس سے تھوڑا وقت مانگا نئی جگہ کی تلاش میں مگر اس سفاک انسان نے راتوں رات اپنے آدمیوں سے ان کی جھگیوں کو آگ لگوا ڈالی آگ کے شعلوں میں ان زندہ وجود کی بھیانک چیخیں ان بے رحم آدمیوں کے دلوں کو نرم نہ کرسکیں۔

بعد میں وہ آدمی اور جنہوں نے اس جگہ کو جلایا تھا سنا تھا بہت بری موت مرے تھے تب سے یہ جگہ یہ سڑک بے حد سنسان رہتی ہے

[illegible] تو بہت غلط ہوا ان کے ساتھ بے گناہ مارے گئے بیچارے مشعل افسوس سے بولی۔

ہاں تب ہی تو آج تک یہ جگہ اتنی ویران ہے کہ یہاں کوئی آکر آباد نہیں ہوتا وہ عورت بولی، تم لوگوں کی تو کوئی خاطر نہیں کی، میں نے باتوں میں لگ کے وہ اپنے سر پہ ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

ارے نہیں نہیں بس صبح ہونے والی ہے ہمیں اب چلنا چاہیے کیا پتا اب کوئی سواری نظر آجائے وہ تینوں کھڑی ہوگئیں، پھر باہر ہلکی ہلکی روشنی دیکھ کے بولیں اور اس عورت کا شکریہ ادا کرتی ہوئی اس جھگی سے باہر آگئیں وہ تینوں ابھی تھوڑا ہی آگے آئی تھیں، اوہ نو میرا سیل فون ادھر ہی رہ گیا رومی بولی، بہت عقلمند ہو چلو اب مشعل زرمین اسے گھورتی ہوئی واپس پلٹیں۔

مگر یہ کیا وہاں کسی جھگی کا نام و نشان تک نہ تھا وہ تینوں بھاگتی ہوئی اس جگہ تک گئیں جہاں کچھ دیر پہلے وہ

جھگی تھی جہاں وہ لوگ بیٹھی تھیں اسی جگہ مٹی پر رومی کا سیل فون پڑا ہوا تھا۔

وہ خالی صحرا تھا، ان تینوں نے خوف کے مارے اپنے لبوں پر ہاتھ رکھ لیا اس جگہ پر جا بجا جلی ہوئی چیزیں بکھری ہوئی تھیں اس کے علاوہ اس جگہ پر کچھ نہ تھا۔

ان تینوں کے خوف سے رونگٹے کھڑے ہوگئے یعنی وہ رات ان تینوں نے روحوں کے درمیان گزاری تھی وہ عورت ان تینوں کو اپنی کہانی سنا رہی تھی

چلو جلدی زرمین اپنے ساتھ ساکت کھڑی مشعل اور رومی کو دیکھتے ہوئے بولی۔

وہ تینوں تیز قدموں سے چلتی ہوئیں سڑک کے وسط میں کھڑی گاڑی تک آگئی تھیں۔

فجر کی اذانیں شروع ہوچکی تھیں رات تک جو ماحول میں دہشت اور ہلچل سی تھی اب ٹھہراؤ سا آگیا تھا۔

دیکھو کیا پتا گاڑی اسٹارٹ ہوجائے زرمین مشعل کو اشارہ کرتے ہوئے بولی وہ گاڑی میں بیٹھ کے اسٹارٹ کرنے لگی اور گاڑی اسٹارٹ ہوگئی وہ حیرانگی سے زرمین رومی کو دیکھنے لگی۔

بیٹھو رومی جلدی زرمین بولتی ہوئی آگے کا دروازہ کھول کے بیٹھ گئی۔

یہ کیا تھا گاڑی اب بھی تو اسٹارٹ ہوئی ہے پیچھے بیٹھی رومی بے چینی سے بولی۔

گاڑی کو کچھ نہیں ہوا تھا بس ہم وہاں پھنس چکے تھے زرمین بولی، مشعل مناسب رفتار سے گاڑی چلاتی ہوئی مین روڈ پر آگئی تھی وہ تینوں اب [illegible] جگہ آچکی تھیں۔

[illegible] شکر ہے [illegible] دہشت [illegible] ہماری جانوں کو کوئی بہت بڑا نقصان نہیں پہنچا [illegible] سکھ کا سانس لیتی ہوئی بولی اس کی بات [illegible] مشعل [illegible] رومی زرمین کے لبوں پر بھی پرسکون مسکراہٹ [illegible] اور گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

خوشبوئے گلاب

ربیعہ امجد۔ ڈسکہ کے ظفروال

گلاب کو دیکھتے ہوئے اکثر نوجوان کے کانوں میں دوشیزہ کا جملہ گونجتا ہے۔ "فکر مت کرو آج کے بعد تمہیں اور کوئی پھول پسند نہیں ہوگا۔" اور حقیقت میں ایسا ہوتا ہے کہ اور نہ جانے کب تک ایسا ہوگا۔

اچھی کہانیوں کے متلاشی لوگوں کے لئے دل و دماغ کو فرحت بخشتی دلکش اور دلنشین کہانی

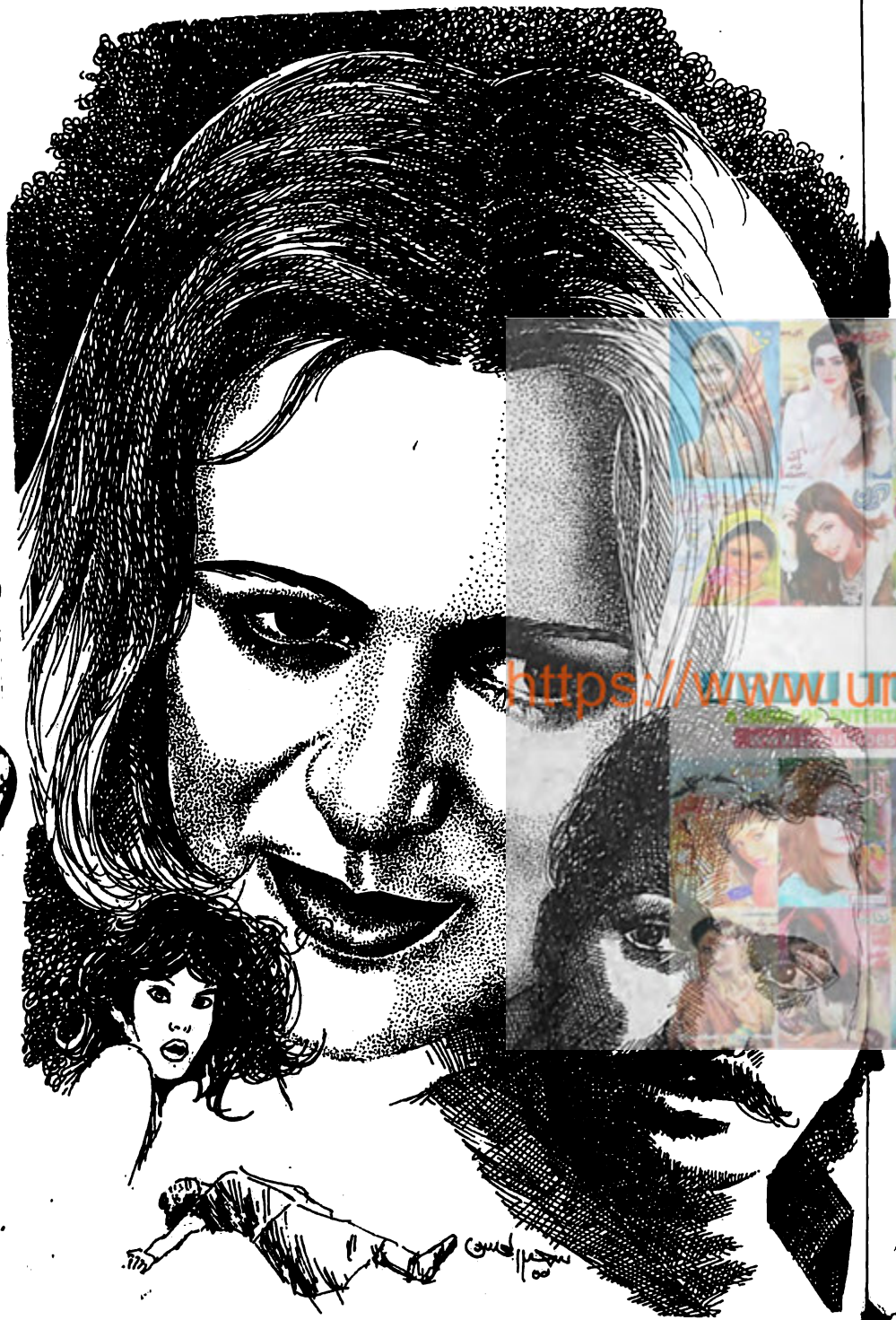

پرستان کی پریوں کے بارے میں تو سب نے اکثر سنا ہوگا لیکن کوہستان کی پریوں کے بارے میں کبھی نہیں سنا ہوگا یہ کہانی ہے ایک پری کی۔۔۔

کوہستان کی پری کی۔۔۔

ایک جادوئی پری۔۔۔

جو سب کچھ کر سکتی تھی۔۔۔

لیکن وہ نہیں کر سکتی تھی جو وہ کرنا چاہتی تھی۔۔۔

پہاڑوں کی پری۔۔۔

جسے پہاڑوں سے عشق تھا۔۔۔

جو بہتے پانیوں کی دیوانی تھی۔۔۔

پہاڑوں کی چوٹیوں پہ۔۔۔

وہ بادلوں کو چھونا چاہتی تھی۔۔۔

اسے پرندوں سے محبت تھی۔۔۔

کھلی فضاؤں سے پیار تھا۔۔۔

لیکن ایک دن اچانک۔۔۔

ایک ظالم دیو نے اسے قید کر دیا۔۔۔

اور اسے پہاڑوں سے نفرت ہوگئی۔۔۔

وہ کمراٹ کوہستان کا علاقہ تھا۔ وہ عمارت پہاڑی کی ایک اونچی چوٹی پر واقع تھی۔ اس کے چاروں طرف گھنے لمبے دیوہیکل درخت تھے جن میں وہ عمارت تقریباً چھپی ہوئی تھی۔ اس پہاڑی کی چوٹی تک جانے والا راستہ انتہائی خطرناک اور کٹھن تھا۔ پتھروں کو کاٹ کر سیڑھیاں بنائی گئی تھیں جن کا فاصلہ [illegible] زیادہ تھا اور کہیں بہت کم تھا۔ ان سیڑھیوں پر [illegible] یوں معلوم ہوتا جیسے ہرے رنگ کی دبیز اور موٹی چادر بچھائی گئی ہو۔ پہاڑی کی چوٹی تک جانے والی ان سیڑھیوں کی تعداد تقریباً ایک سو ساٹھ کے قریب تھی۔ سیڑھیوں کے ایک طرف اگے درختوں کی وجہ سے اس پہاڑی تک جانا کسی حد تک آسان ہوگیا تھا۔ ارد گرد کا سارا علاقہ جنگل کا تھا۔ وہاں دور دور تک کسی ذی روح کا نام و نشان بھی موجود نہیں تھا۔ وہاں سے آبادی تقریباً پچیس تیس کلومیٹر دور تھی۔ اس پہاڑی کی چوٹی سے ایک آبشار گرتا تھا جو سیڑھیوں کے ساتھ ساتھ بہتا ہوا نیچے آتا تھا۔

وہ عمارت آرمی کے قبضے میں تھی۔ پچھلے کچھ مہینوں سے اس ایریا میں مشکوک افراد کی آمد کی وجہ سے آرمی کی ایک ٹیم کو وہاں بھیجا گیا تا کہ خفیہ طور پر ان افراد کی حرکات پر نظر رکھی جا سکے اور ان کی آمد کا مقصد بھی

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

معلوم ہو۔

اس یونٹ کے انچارج میجر طلحہ بخاری تھے۔ یونٹ میں ٹوٹل چھبیس فوجی تھے۔ جن میں میجر طلحہ، کیپٹن احسن، کیپٹن ہارون اور کیپٹن یاسر کے علاوہ بائیس سپاہی تھے۔

وہ لوگ شام چھ بجے وہاں پہنچے۔ اس وقت وہاں اندھیرا چھا چکا تھا۔ گھنے جنگلات کی وجہ سے سورج کی روشنی بہت کم وقت تک اس جگہ پر پڑتی تھی یہی وجہ تھی کہ شام ہوتے ہی وہ عمارت اندھیرے میں چھپ جاتی تھی۔

میجر طلحہ نے پہنچتے ہی سب کو وہاں خیمے لگانے کا آرڈر دیا کیونکہ عمارت میں ایک تو اندھیرا بہت تھا اور دوسرا سب لوگ وہاں ایڈجسٹ نہیں کر سکتے تھے تو طے یہ ہوا کہ سارے سپاہی عمارت کے باہر ہی خیمے لگا کر وہاں رہیں گے۔ سپاہیوں نے دس منٹ کے اندر اندر خیمے لگا کر سارا سامان سیٹ کر لیا۔

ساڑھے چھ بجے سب نے مل کر ڈنر کیا اور آرام کرنے چلے گیے کیونکہ لمبے سفر کے بعد سب لوگ تھک چکے تھے اور پہلا دن تھا اس لیے کوئی کام بھی نہیں تھا۔ چار سپاہیوں کی سکیورٹی کی ڈیوٹی تھی۔ ان چاروں کے علاوہ باقی سب سو گیے۔

میجر طلحہ اپنے آفس میں آ گیا۔ عمارت کے داخلی دروازے کے ساتھ والے کمرے کو آفس کی شکل دے دی گئی۔ وہاں موجود فرنیچر میں صرف ایک بڑی میز اور تین کرسیاں تھیں۔ اس کے علاوہ وہاں ایک نارمل سائز کی لوہے کی الماری بھی تھی جو دیوار میں ہی فٹ تھی۔ سارے ضروری کاغذات وہاں رکھ کے لاک کر دیا گیا۔ کمرے میں ایک کونے میں گہرے بلیو رنگ کا ایک پانی والا کولر تھا۔ وہاں لائیٹ کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ دسمبر کا مہینہ تھا اس لیے صرف روشنی کا انتظام ضروری تھا۔ ٹیبل پہ ایک گیس لیمپ پڑا ہوا تھا جس کی روشنی پورے کمرے میں پھیل رہی تھی۔

میجر طلحہ نے الماری کا لاک کھول کر اس میں سے ایک فائل نکالی اور دوبارہ لاک لگا کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ فائل کی ورق گردانی کرنے لگا۔ وہ ایک ریڈ کلر کی فائل تھی۔ وہ اپنے کام میں اتنا مگن ہوا کہ وقت کا اندازہ ہی نہ ہو سکا۔ جب کندھوں میں درد سا محسوس ہوا تو اسے ہوش آیا۔ کلائی پہ بندھی رسٹ واچ پر نظر کی تو گیارہ بج رہے تھے۔ مسلسل تین چار گھنٹے کام کرنے سے آنکھیں درد کرنا شروع ہو گئی تھیں۔ اس نے فائل بند کر کے وہیں رکھی اور کھڑکی کی طرف آ گیا۔ کھڑکی کھولتے ہی خون جما دینے والی ہوا اندر داخل ہوئی۔ اس نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کے باہر جھانکا تو سوائے گھپ اندھیرے کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ درختوں کی اونچی اور گھنی شاخوں کی وجہ سے چاند کی روشنی وہاں بہت کم پہنچتی تھی اور دھند کی وجہ سے چاند کا نظر آنا ویسے بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑا لمبے لمبے سانس لیتا رہا جب سردی ہڈیوں کے گودے میں سرایت کر گئی اور اس پر کپکپی سی طاری ہو گئی تو اس نے فوراً کھڑکی بند کی اور مڑا۔ ٹیبل پہ پڑا اپنا سیل فون اٹھایا جس پر ایک [illegible] ممکن تھا۔ اس کا ارادہ اب سونے کا تھا۔ گیس کا بٹن آف کیا اور فون کی لائیٹ جلا کر وہاں سے نکل آیا۔ اس کا رخ اپنے سونے والے کمرے کی جانب تھا۔ آتے ہوئے اس نے اس بات کا نوٹس ہی نہیں لیا تھا کہ کچھ دیر پہلے جو فائل وہ اسٹڈی کر رہا تھا اس کا رنگ اب تبدیل ہو کر گہرا نیلا ہو چکا تھا۔ نہ جانے کیسے؟

اگلے دن صبح سات بجے اس کی آنکھ کھلی۔ وہ فریش ہو کر باہر آیا تو وہاں سب لوگ اپنے کام میں مصروف تھے۔ غیر متوقع طور پر آج ہلکی ہلکی دھوپ بھی نکلی ہوئی تھی جس کی تپش اتنی زیادہ نہیں تھی لیکن پھر بھی سکون دے رہی تھی اور سردی کا زور ٹوٹا ہوا تھا۔ درختوں کی شاخوں میں سے چھن چھن کر آتی سورج کی سنہری کرنیں سردی کے اس موسم میں نعمتِ خداوندی معلوم ہو رہی تھیں۔

کچھ سپاہی ادھر ادھر گھوم کر اس سارے ایریا کا

Digitized by Google

https://www.urdutubes.com/

جائزہ لے رہے تھے۔ ایک طرف دو سپاہی لکڑیوں سے آگ جلائے چائے بنانے میں مصروف تھے۔ لکڑیاں شاید گیلی تھیں جس کی وجہ سے دھواں نکل رہا تھا۔

میجر طلحہ کو خود پر حیرت ہوئی۔ زندگی میں پہلی بار وہ اتنی دیر تک سوتا رہا تھا اور نماز بھی ادا نہیں کی تھی ورنہ وہ سحر خیزی کا عادی تھا اور یہ اس کا ریکارڈ تھا کہ وہ فجر کے وقت ہی اٹھتا تھا خواہ وہ رات کو دو بجے ہی کیوں نہ سوئے۔ مگر آج وہ نہ صرف دیر تک سوتا رہا تھا بلکہ نماز بھی چھوٹ گئی تھی۔ اسے دلی افسوس ہوا۔

”گڈ مارننگ سر۔۔۔۔!“۔ کیپٹن احسن نے اچانک آ کر سلیوٹ مارتے ہوئے کہا تو اس کی سوچ کا تسلسل ٹوٹا۔

”گڈ مارننگ۔۔۔“۔ اس نے بھرپور سستی سے جواب دیا۔

”سر کرنل مبشر کا تین دفعہ فون آ چکا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں“۔ کیپٹن احسن نے اس کو خبر دی۔

[illegible] فوراً سر [illegible] اتنی بڑی لاپرواہی کیسے ہو سکتی تھی۔

”ڈفر آدمی یہ بات تم مجھے اب بتا رہے ہو“۔ اسے کیپٹن احسن پر غصہ آیا۔

کیپٹن احسن نے حیرت سے پورے دیدے کھول کر اس کو دیکھا جس کا دماغ ہرگز ٹھکانے پر نہیں لگ رہا تھا۔ اسے شک ہوا کہ کہیں میجر صاحب رات کو پی کر تو نہیں سوئے تھے جو ایسی بہکی بات کر رہے تھے۔

”سر میں دو دفعہ آپ کو اٹھانے گیا تھا اور اتنی زور زور سے پیٹنے پر بھی آپ نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔ اگر آپ کو میری بات پر یقین نہیں ہے تو آپ بے شک کسی اور سے پوچھ لیں“۔ کیپٹن احسن نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔

میجر طلحہ کی حیرت میں چند گنا مزید اضافہ ہوا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ اسے ایک آواز دی جائے اور وہ نہ اٹھے جبکہ یہاں تو دروازہ پیٹنے کی بات ہو رہی تھی۔

”او شٹ کرنل صاحب تو میری بینڈ بجا دیں گے“۔ وہ فوراً اندر کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔ رخ اپنے آفس کی جانب تھا۔

کیپٹن احسن بھی اس کے ساتھ ساتھ تھا۔

”سر کرنل مبشر کہہ رہے تھے کہ ان کو آپ سے ایسی لاپرواہی کی امید نہیں تھی۔ وہ تو آپ کو بہت ذمے دار سمجھتے تھے مگر آپ تو۔۔۔۔“۔ کیپٹن احسن جو اس کے ساتھ چلتے ہوئے بلند آواز میں اپنے دھیان میں بول رہا تھا اس کے اچانک گھورنے پر خاموش ہوا اور سر جھکا لیا۔

وہ اپنے آفس میں پہنچا۔

”کرنل مبشر سے فوراً میری بات کرواؤ“۔ کرسی پر بیٹھتے ہی حکم صادر کیا۔ کیپٹن احسن نے ٹیبل پہ پڑے وائرلیس کے ذریعے کرنل مبشر سے رابطہ کیا۔

”سر کرنل بشر آن لائن ہیں“۔ جیسے ہی دوسری طرف سے کرنل مبشر کی آواز آئی تو اس نے فون میجر طلحہ کی طرف بڑھایا۔

میجر طلحہ نے فون کان سے لگاتے ہوئے کیپٹن احسن کو باہر جانے کا اشارہ کیا۔ وہ دبے پاؤں کمرے سے نکل گیا۔

کچھ دیر کرنل مبشر سے بات کرنے کے بعد جب وہ فارغ ہوا تو ٹیبل پہ رکھی فائلز کی طرف متوجہ ہو گیا جو آج صبح اسکی غیر موجودگی میں وہاں رکھی گئی تھیں۔

کافی دیر بعد ایک سپاہی آفس میں آیا۔

”مے آئی کم ان سر۔۔۔۔“۔ اس نے دروازے میں کھڑے ہو کر اجازت طلب کی۔

میجر طلحہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اندر بلایا۔ سپاہی کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی پلاسٹک کی ٹرے تھی جس میں چائے کا بھاپ اڑاتا ایک چھوٹا سا کپ تھا۔

سپاہی نے خاموشی سے کپ وہیں رکھا اور باہر نکل گیا۔ میجر طلحہ نے وہ کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا اور چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ چائے پیتے وقت بھی اس

کا سارا دھیان ان فائلز کی جانب تھا۔
تبھی اچانک گلاب کی تیز خوشبو پورے کمرے میں پھیل گئی۔ اس نے بھنوؤں کو سکیڑتے ہوئے سر اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو کھڑکی پہ تازہ سرخ گلابوں کا ایک بکے نظر آیا جس سے اٹھنے والی خوشبو سانسوں کو معطر کر رہی تھی۔

واٹ دا ہیل۔۔۔۔! یہ کہاں سے آئے؟"۔ وہ حیران ہوتا کھڑکی کی طرف آیا۔ اسے اچھے سے یاد تھا کہ جب وہ کمرے میں داخل ہوا تھا تو وہاں کوئی بکے نہیں تھا۔ اب اچانک سے وہاں نہ جانے کس نے رکھ دیا تھا۔

"فاروق خان۔۔۔۔"۔ اس نے وہیں کھڑے ہو کر اونچی آواز میں فاروق خان کا نام پکارا۔

اگلے ہی لمحے ایک سپاہی بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوا۔

"یس سر۔۔۔۔"۔ اس نے سلیوٹ مارتے ہوئے پوچھا۔

یہ بکے یہاں پہ کس نے رکھا؟ کون آیا تھا یہاں؟"۔ وہ غصے سے فاروق خان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

سر کیپٹن احسن کے علاوہ کوئی بھی یہاں نہیں آیا اور کیپٹن احسن بھی جب آئے تھے تو ان کے ہاتھ میں صرف فائلز تھیں۔ کوئی بکے نہیں تھا"۔ فاروق خان نے پہلے تو حیرت سے میجر طلحہ کے ہاتھ میں موجود گلابوں کے بکے کو دیکھا اور پھر بولا۔

آر یو کڈنگ ودمی؟"۔ اس کے غصے میں اضافہ ہوا۔

"نو سر ناٹ ایٹ آل۔۔۔۔"۔ فاروق خان نے لڑکھڑاتی زبان کے ساتھ بمشکل کہا۔

"کانٹ بیلیو دس۔۔۔۔ اسے پکڑو اور ڈسٹ بین میں پھینک دو اور دوبارہ مجھے ایسی فضول حرکت دیکھنے کو نہ ملے"۔ اس نے بکے کو ہاتھوں سے مروڑتے ہوئے دور پھینک دیا۔ ایسا کرتے ہوئے کئی بے رحم کانٹے اس کی ہتھیلیوں میں چبھے مگر وہاں کسے پروا تھی۔ اسے گلاب کے پھولوں سے سخت چڑ تھی۔ گلاب کی خوشبو اس کی ناپسندیدہ ترین خوشبو تھی۔

فاروق خان نے زمین پہ پڑا بکے اٹھایا اور باہر نکل گیا۔ گلاب کی کئی پتیاں وہیں زمین پر بکھری پڑی رہ گئیں۔

میجر طلحہ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ساری پتیاں خود بخود وہاں سے غائب ہو گئیں۔ میجر طلحہ نے اس منظر کا بالکل بھی نوٹس نہ لیا اور ہنوز اپنے کام میں مصروف رہا جو اس کے لیے ہر چیز سے زیادہ ضروری تھا۔

دوپہر کے ایک بجے کا وقت تھا۔ ہر طرف چمکیلی چمکیلی دھوپ نے لوگوں میں توانائی بھر دی تھی۔ میجر طلحہ عمارت کی پچھلی طرف جہاں درختوں کی تعداد کچھ کم تھی بیٹھا لیپ ٹاپ پر کچھ کام کر رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی سی پلاسٹک کی ٹیبل پڑی ہوئی تھی جس پر کچھ فائلز، موبائل اور ہینڈ فری رکھے ہوئے تھے۔ اس میز کے اوپر ایک بڑی سی چھتری بھی پڑی ہوئی تھی۔

سورج کی کرنیں [illegible] رہی تھیں۔ آنکھوں پر اس نے سن گلاسز لگا رکھے تھے۔ چہرے پر ہمیشہ کی طرح گہری سنجیدگی قائم تھی۔ وہ بہت سخت اور موڈی آفیسر تھا۔ لوگوں نے اسے بہت کم ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔ لوگوں کے ساتھ گھلنے ملنے کی عادت بچپن سے ہی اس میں ناپید تھی یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے ساتھی آفیسرز، جونیئرز اور سینیئرز کے ساتھ بھی نارمل رہتا تھا۔ اس کو اپنے کام سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔

وہ بہت خوبصورت اور خوش شکل تھا اور لوگوں کا کہنا تھا کہ یہی وجوہات اس کے اندر اتنا غرور اور ایٹی ٹیوڈ لے آئی تھیں۔ لیکن میجر طلحہ کو ان باتوں کی مطلق پروا نہیں تھی۔ وہ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔

اس وقت بھی وہ مکمل طور پر اپنے کام میں مگن تھا۔ ہر طرف گہری خاموشی کا راز تھا۔ کہیں سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ اس حال میں اگر پتہ بھی گرتا تو شاید اس سے بھی شور پیدا ہوتا۔

کافی دیر بیت گئی۔ تبھی اچانک اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے اسے آواز دی ہو۔ پہلے تو اس نے اِسے اپنا وہم مانا لیکن جب مسلسل تین چار دفعہ ایسا ہوا تو اسے سر اٹھا کر دیکھنا پڑا۔ وہاں اور کوئی موجود نہیں تھا۔

شاید میرے کان بج رہے ہیں"۔ وہ بڑبڑایا۔

یہ کام کے پریشر کا اثر تھا۔ اس کا سر بھی دکھنے لگا۔ فضا میں ہر طرف تازہ گلابوں کی مہک پھیل گئی۔ حتیٰ کہ اس سے سانس لینا بھی محال ہو گیا۔

"یہ کیا ہو رہا میرے ساتھ۔۔۔۔؟ شاید مجھے بریک کی ضرورت ہے۔ مسلسل کام نے میرا دماغ اتنا خراب کر دیا کہ مجھے ایسے عجیب و غریب وہم ہو رہے ہیں"۔

اس نے دوبارہ ایک لمبا سا سانس لیا اور محسوس کرنے کی کوشش کی کہ کیا واقعی وہ گلاب کی خوشبو تھی مگر حیرت انگیز طور پر اب کی بار ایسا کچھ نہ ہوا۔

"آف کورس یہ سب کام کا پریشر ہے کہ کبھی [illegible] اور کبھی مجھے گلابوں کی خوشبو آتی ہے۔ یہاں بھلا گلاب [illegible] پھر مجھے لگا تو ایک دم سے کل صبح کا واقعہ تازہ ہوا جب اس کے آفس میں کھڑکی پر کسی نے بکے رکھا تھا۔

کافی دیر دماغ لڑانے پر بھی جب اس الجھن کا کوئی سرا ہاتھ نہ لگا تو اس نے سر جھٹک کر سارے فضول خیالات کو ذہن سے نکالنے کی کوشش کی۔

تبھی ایک سپاہی بھاگتا ہوا وہاں آیا۔

"سر غضب ہو گیا"۔ بھاگنے کے باعث آنے والے کا سانس بری طرح پھول رہا تھا۔

میجر طلحہ جو ارد گرد کا جائزہ لیتے ہوئے فضول خیالوں خیالوں میں ڈوبا ان سے پیچھا چھڑانے کی ناکام کوشش کر رہا تھا ایک دم سے چونکا۔

"کیا ہوا روحیل علی؟ اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہو؟ کیا کوئی بھوت دیکھ لیا ہے؟"۔ میجر طلحہ نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے سامنے ٹیبل پر رکھتے ہوئے سرسری طور پر پوچھا تھا۔

"سر جی اللہ کی قسم جو دیکھ کر آ رہا ہوں وہ کسی بھوت کا ہی کیا ہوا لگ رہا ہے"۔ سپاہی کے چہرے پر اڑی ہوائیاں میجر طلحہ سے پوشیدہ نہیں تھیں۔ وہ سمجھ گیا کہ معاملہ سیریس تھا۔

"صاف صاف بتاؤ کیا ہوا ہے؟"۔ میجر طلحہ نے پریشانی سے سوال پوچھا۔

"سر جی فاروق خان کو کسی نے بڑی بے رحمی سے مار دیا ہے۔ لاش کا اتنا برا حال کیا ہے کہ پہچانی بھی نہیں جا رہی"۔ سپاہی نے بتایا تو میجر طلحہ بے یقین سا ہو گیا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو؟"۔ اسے کرسی سے کھڑے ہونے میں ایک سیکنڈ لگا تھا۔

"سچ کہہ رہا ہوں سر۔۔۔۔ پوری باڈی میں کسی نے بڑے بڑے کانٹے چبھوئے ہیں۔ سارے جسم سے خون نکل رہا ہے۔ آپ کو یقین نہیں آ رہا تو خود چل کر دیکھ لیں"۔

سپاہی نے اڑتی رنگت اور کھوتے ہواسوں کے ساتھ بتایا۔

"چلو۔۔۔۔"۔ وہ فوراً اس کے ساتھ چل پڑا۔ ساری چیزیں ویسے کی ویسے ہی وہیں پڑی رہیں ہاں البتہ اس ٹیبل پر ان کے جانے کے بعد ان چیزوں کے ساتھ ایک تازہ گلاب کی کلی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

اگلے پانچ منٹ میں وہ مطلوبہ جگہ پر تھا۔ یونٹ کے سارے فوجی وہاں موجود تھے۔

میجر طلحہ کو دیکھتے ہی ان کو راستہ دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر دیکھا تو بے ساختہ کانپ اٹھا۔ چہرے سے لے کر پیروں تک ہر جگہ بس کانٹے ہی کانٹے تھے۔ وہ حیران پریشان سا سب سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

اچانک اس کی نظر فاروق خان کے داہنے ہاتھ پر پڑی۔ شاید وہاں کچھ لکھا ہوا تھا۔

"اگر دوبارہ کسی نے میرے بھیجے گئے پھولوں کو چھوا بھی تو اس کا بھی یہی حال ہوگا"۔ میجر طلحہ نے بلند آواز میں وہ لائن پڑھی۔ سب حیرت سے ایک دوسرے کی

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

شکل دیکھ رہے تھے۔

"واٹ دا ہیل ---- یہ ہو کیا رہا ہے؟"۔ اس نے اپنے بال مٹھی میں جکڑے۔

وہ پھول کس نے بھیجے تھے اور فاروق خان کو کیوں مارا تھا۔

"سر یہ کام کسی دشمن نے نہیں کیا"۔ کیپٹن ہارون نے نزدیک آتے ہوئے کہا۔

"تو اور پھر کس نے کیا ہے؟"۔ میجر طلحہ نے اس کی طرف غصے سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"یہ تو مجھے نہیں پتہ کہ کس نے کیا ہے لیکن مجھے اتنا یقین ہے کہ کسی دشمن کا کام نہیں ہے۔ سر دشمن یا تو گولی سے مارتا یا پھر کسی چھری چاقو سے ---- لیکن یہاں تو پوری باڈی پر صرف اور صرف کانٹے ہیں اور آپ نے ابھی وہ پڑھا نہیں کہ پھولوں کو چھونا وغیرہ وغیرہ۔ ویسے یہ پھولوں کا کیا چکر ہے؟"۔ کیپٹن ہارون نے آخر میں حیرت سے پوچھا۔

"آئی ڈونٹ نو کل صبح کسی نے میرے کمرے کی کھڑکی میں گلابوں کا ایک بکے رکھا تھا جو میں نے فاروق خان کو پھینکنے کے لیے دیا تھا"۔ میجر طلحہ نے کڑھتے ہوئے بتایا۔

یہ معاملہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"سر مجھے تو یہ کام کسی باہر کی چیز کا لگتا ہے"۔ کیپٹن احسن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو میجر طلحہ نے اس کو گھور کر دیکھا۔

"واٹ ربش ---- کیا فضول باتیں کر رہے ہو تم لوگ ---- فوراً باڈی کو اٹھاؤ اور ہیڈ کوارٹر بھیج دو اور جلد سے جلد پتہ لگاؤ کہ یہ کس کی حرکت ہے۔ میں چھوڑوں گا نہیں اس کو"۔ وہ غم و غصے سے کھول رہا تھا۔

"یس سر ----"۔ کیپٹن احسن نے کہا۔

وہ چلتا ہوا وہاں سے آ گیا۔ دماغ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ بیچارہ فاروق خان بے گناہ مارا جا چکا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے شہید سمجھتا یا پھر یہ کوئی واقعی کسی باہر کی مخلوق کا کام تھا۔

"او گاڈ یہ میں کیا سوچ رہا ہوں"۔ اپنی فضول سی سوچ پر اس نے ہزار بار خود کو ملامت کیا اور اپنے آفس کی طرف بڑھ گیا۔ یہ ساری رپورٹ اب ہیڈ کوارٹر بھی دینی تھی۔ اسے دلی طور فاروق خان کی موت پر افسوس تھا۔

رات کی سیاہی نے پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ہر طرف پھیلی خوفناک خاموشی دل دہلا رہی تھی۔ سب اپنے بستروں میں دبکے پڑے تھے۔ میجر طلحہ اور کیپٹن احسن بیٹھے چائے پی رہے تھے اور ساتھ ساتھ کوئی فائل بھی ڈسکس کر رہے تھے۔ تبھی اچانک فضا میں ایک خوفناک چیخ بلند ہوئی۔ سارے دہشت کے کیپٹن احسن کے ہاتھ سے چائے کا کپ گر گیا جبکہ دوسری طرف میجر طلحہ کا صرف ہاتھ کانپا تھا اور کچھ چائے کپڑوں پہ گری تھی۔

"یہ ہو کیا رہا باہر ----"۔ وہ دونوں فوراً اٹھ کر باہر آئے۔

سب لوگ ایک خیمے کے پاس جمع تھے۔

"کیا بیہودگی ہے یہ؟ کیوں شور مچا رکھا ہے؟"۔ اس نے غصے سے پوچھا۔

اشفاق نامی ایک سپاہی جس نے اتنی خوفناک چیخ ماری تھی میجر طلحہ نے اس کو گھورا۔ وہ شرمندگی سے سر جھکا گیا۔

"اب بولو گے بھی کہ کیا ہوا ہے؟"۔ وہ دوبارہ بولا۔

"سر یہ طوطا ----"۔ اس نے ڈرتے ڈرتے اس طوطے کی طرف اشارہ کیا جو خیمے کے اندر رکھے ایک چھوٹے سے اسٹول پر بنا کسی ڈر اور خوف کے براجمان تھا۔

میجر طلحہ نے حیرت سے طوطے کو دیکھا جس کی آنکھیں ایک دم سے چمکنا شروع ہو گئی تھیں۔

"یہ کہاں سے آیا؟"۔

"پتہ نہیں سر میں سو رہا تھا جب اچانک یہ کہیں سے آ کر میرے کندھے پر بیٹھ گیا"۔ اشفاق نے اپنا جرم قبول کیا کہ اس نے کیوں چیخ ماری تھی۔

"تو تم اس وجہ سے چلائے تھے"۔ اس کا پارہ چڑھ گیا۔

پچھلے کچھ دنوں سے سب عجیب حرکتیں کر رہے تھے۔

"سر اس کی آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں تو میں ڈر گیا تھا"۔

اشفاق کا جواب سن کر میجر طلحہ نے ایک بار پھر طوطے کا جائزہ لیا۔ وہ بہت خوبصورت تھا اور سب سے حیرت کی بات تو یہ تھی کہ وہ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں وہاں بیٹھا ٹکر ٹکر سب کو دیکھ رہا تھا۔

میجر طلحہ نے آگے بڑھ کے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہ اچھل کر اس کے بازو پر بیٹھ گیا یوں جیسے وہ صدیوں سے اسے جانتا ہو۔ میجر طلحہ نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔ اسے پرندوں اور جانوروں سے بہت پیار تھا۔ اسے طوطے میں سے گلاب کی مہک محسوس ہوئی۔ پتہ نہیں یہ گلاب کی خوشبو اور گلابوں کا کیا ماجرہ تھا۔

"چلو سو جاؤ سب"۔ اس نے سب کو جانے کا کہا۔

کچھ ہی دیر میں سب اپنے اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔

"اور تم ----"۔

وہ اشفاق کی طرف مڑا۔

"[illegible] لائک انسان ناٹ شیطان ----"۔

اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

"جی سر ----"۔ وہ منمنایا۔

وہ اسے گھورتا ہوا اپنے کمرے میں آ گیا۔ طوطا اب بھی اس کے بازو پر چڑھ کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرایا۔

کمرے میں آتے ہی وہ طوطا اچھل کر اس کے پلنگ پر جا بیٹھا۔ میجر طلحہ نے ساری بکھری کتابیں اٹھا کر الماری میں رکھیں اور یونیفارم چینج کرنے چلا گیا۔

واپس آنے پر بھی طوطا وہیں تھا۔

"چلو پارٹنر آج ساتھ میں سوتے ہیں"۔ اس نے پیار سے پچکارا تو طوطا اس کے قریب ہو گیا۔ وہ اس پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔

کچھ دیر بعد نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو گئی۔ جب وہ سو گیا تو طوطا اڑ کر کھڑکی پر جا بیٹھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا نیلا ہو چکا تھا۔

اگلی صبح ساڑھے سات بجے اس کی آنکھ کھلی۔ آج پھر نماز چھوٹ گئی۔ اسے پھر افسوس ہوا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی جب سے وہ یہاں آیا تھا ہزار کوششوں کے باوجود بھی صبح دن نکلنے سے پہلے آنکھ نہیں کھلتی تھی اور نماز رہ جاتی تھی۔

اس نے ایک بھرپور انگڑائی لی اور بستر سے نیچے اترا مگر یہ کیا۔ اس کا پاؤں تو زمین پر پڑا ہی نہیں تھا۔ پورے کمرے میں ہر طرف گلابوں کی پتیاں ہی پتیاں تھیں جن کی مہک سے پورا کمرہ معطر تھا۔ وہ شدید شاک میں آ گیا۔

پہلے بکے پھر خوشبو اور اب اتنی ساری گلاب کی پتیاں یہ ہو کیا رہا۔ آج تو صحیح معنوں میں اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ کمرے کا دروازہ بھی لاکڈ تھا اس لیے کسی کے اندر آنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

کھڑکی ویسے ہی اس طرف تھی جہاں نیچے صرف گہری کھائی تھی۔ وہاں سے بھی کسی کے آنے کا راستہ نہیں تھا۔

اس کا ایک پیر ابھی تک فرش پر تھا اور ایک پلنگ پر تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

سر میں شدید درد شروع ہو چکا تھا۔ اسے گلاب کی خوشبو سے بہت الرجی تھی اور پتہ نہیں یہ کون تھا جس نے اسے کو یوں تنگ کرنا شروع کیا ہوا تھا۔

اس کی چھٹی حس کسی خطرے کا آلارم دے رہی تھی۔ تبھی دھیان طوطے کی طرف گیا تو کمرے میں نظر گھما کر دیکھا۔ وہ کہیں نہیں تھا۔ تھوڑی سی کھلی کھڑکی دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ طوطا اڑ چکا تھا۔

وہ ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ اٹھ کر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ فریش ہو کر چینج کرنے کے بعد وہ

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT www.urdutubes.com
Digitized by Google

باہر آ گیا۔

ہر کوئی اٹھ چکا تھا اور اپنے کام میں مصروف تھا۔ آج کچھ سپاہیوں کو جنگل کی طرف جانا تھا تا کہ آس پاس کا جائزہ لیا جا سکے۔ اس کو دیکھ کر سب نے باری باری سلام کیا۔ وہ سر ہلاتا ہوا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

''سر کہاں جا رہے ہیں آپ؟''۔ کیپٹن احسن نے اس کے پیچھے آتے ہوئے پوچھا۔

وہ رک گیا۔

''مجھے کچھ کام ہے میں ہیڈ کوارٹر جا رہا ہوں دوپہر تک آ جاؤں گا تم پیچھے سے سب سنبھال لینا''۔ اس نے کیپٹن احسن کو ہدایت کی۔

''سر ناشتہ۔۔۔''۔

''بعد میں کر لوں گا۔ تم کانٹیکٹ میں رہنا مجھ سے اور سچویشن سے باخبر کرتے رہنا''۔

''رائیٹ سر۔۔۔۔''۔

کیپٹن احسن نے مودب ہو کر کہا۔

کیپٹن احسن کے جانے کے بعد وہ نیچے کی طرف اترنے لگا۔

وہ ابھی جیپ میں بیٹھا ہی تھا جب طوطا نہ جانے کہاں سے آ کر اس کی جیپ کے بونٹ پر بیٹھ گیا۔ میجر طلحہ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''ارے پارٹنر تم کہاں چلے گیے تھے؟''۔ وہ فوراً جیپ سے اتر کر اس کی طرف آیا۔ ہاتھ بڑھانے پر طوطا اچھل کر اس کے بازو پر چڑھ گیا۔ وہ اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگا۔

پتہ میں تمہیں مس کر رہا تھا''۔ اس کے کہنے کی دیر تھی اور طوطا اس کے یونیفارم کے کف پر اپنی چونچ رگڑنے لگا اور پھر اپنی زبان میں ٹیں ٹیں کر کے نہ جانے اسے کیا سمجھانے لگا۔

طلحہ کو اس پر مزید پیار آیا۔ وہ مسکراتے ہوئے اسے لیے ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا اور طوطے کو ساتھ والی سیٹ پر بیٹھا دیا۔ طوطا سیٹ پر اپنی چونچ مارنے لگا۔ اس نے جیپ سٹارٹ کی۔ کچھ ہی دیر بعد جیپ پہاڑی علاقے کی خطرناک سڑکوں پر تیزی سے دوڑتی ہوئی اپنی منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

تین گھنٹے کی مسافت کے بعد وہ اپنی منزل پر پہنچا۔ یہ ایک گاؤں کا علاقہ تھا۔ پہاڑوں کے درمیان واقع اس چھوٹے سے گاؤں میں وہ اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ یہ ایک گھر کا داخلی حصہ تھا۔ وہ جیپ کو ایک سائیڈ پہ پارک کر کے نیچے اترا۔ دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہی طوطا اس کے کندھے پر اڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

وہاں بہت سارے لوگ تھے۔ اس نے جیسے ہی برآمدے کی سیڑھی پر پہلا قدم رکھا کہ طوطے کو نا جانے کیا ہوا تھا کہ وہ پھڑپھڑاتے ہوئے اس کے کندھے سے کئی فٹ دور جا گرا۔

وہ پریشانی سے واپس پلٹ کر اس کی طرف بڑھا۔ اس کے نزدیک پہنچنے تک طوطا پھر سے کھڑا ہو چکا تھا۔

''کیا ہوا پارٹنر۔۔۔؟''۔ اس نے پیار سے اس کو اپنے ہاتھوں میں لیا۔ طوطا کچھ بے جان سا نظر آ رہا تھا۔

''کہیں تم اتنے سارے لوگ دیکھ کر گھبرا تو نہیں گیے''۔ اس کے ذہن میں پہلا خیال یہی آیا تھا۔

طوطا نیم جان ہو کر اس کے ہاتھوں میں آنکھیں بند کیے ہوئے تھا۔ اسے شاید کوئی بہت زور کا جھٹکا لگا تھا۔ طلحہ اسے لے کر واپس جیپ کی طرف آ گیا۔

وہاں اسے سیٹ پر بٹھایا اور بولا۔

''پارٹنر تم یہیں بیٹھو میں ذرا اندر سے ہو کر آتا ہوں۔ تمہیں شاید اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر گھبراہٹ ہو رہی ہے اس لیے تم یہیں رہو''۔ وہ اسے پیار سے دیکھتے ہوئے بولا۔ طوطا بھی شاید اس کی ساری باتیں سمجھتا تھا تبھی ٹیں ٹیں کر کے اس کی بات کا جواب دیا۔ وہ اب کچھ نارمل ہو گیا تھا۔

وہ اسے وہیں چھوڑ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

اندر دروازے پر ایک آدمی کھڑا تھا جو اسے دیکھتے ہی مسکرایا اور جھک کر سلام کیا۔ طلحہ نے سر کے

اشارے سے جواب دیا اور اندر داخل ہو گیا۔

اندر داخل ہوتے ہی ہیٹر کی گرمی سے جیسے سکون سا ملا۔ سامنے جائے نماز پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک اور دل میں سکون اتر آیا۔

وہ کوئی اسی سال کے نورانی چہرے والے بزرگ تھے۔ جن کے چہرے پر موجود سفید داڑھی ان کو اور پرکشش بنا رہی تھی۔ ہاتھ میں کالے موتیوں والی ایک تسبیح تھی۔ آہٹ سن کر ایک خوبصورت سی مسکراہٹ نے ان کے چہرے کو روشن کیا تھا۔ پیشانی پہ پڑا محراب چمکنے لگا تھا۔

''میرا دل کہتا تھا کہ آج تم ضرور آؤ گے''۔ وہ اس کو دیکھتے ہوئے بولے تو وہ ان کے پاس نیچے زمین پر ہی گھٹنے موڑ کر بیٹھ گیا۔ ان کا ہاتھ تھام کر عقیدت سے اس کی پشت پر بوسہ دیا۔ وہ اس انسان کی آہٹ سے ہی اسے پہچان لیتے تھے۔

''مجھے آپ کی ضرورت تھی بابا جی''۔ اس وقت وہ میجر طلحہ سے صرف طلحہ بن چکا تھا۔ ہر دم غصے میں رہنے والا میجر طلحہ اس وقت بہت کول نظر آ رہا تھا۔

''۔۔۔''۔ وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

طلحہ نے پچھلے تین چار دنوں میں ہونے والے سارے واقعات ان کے گوش گزار دیے۔ گلاب کے پھول، ان کی خوشبو، فاروق خان کی موت وہ کانٹے سب بتا دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس معاملے میں صرف اور صرف وہ ہی اس کی مدد کر سکتے تھے۔

''آپ جانتے ہیں کہ گلاب کی خوشبو سے مجھے کتنی الرجی ہوتی ہے تو آپ سوچیں کہ میرا کیا حال ہوگا''۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔

''پریشان مت ہو۔ میں کوئی حل نکالتا ہوں''۔ وہ پرسوچ انداز میں گویا ہوئے۔

''یہ پانی پیو''۔ انہوں نے اپنے داہنے رکھا پانی کا ایک گلاس اس کی طرف بڑھایا۔

طلحہ نے حیرت سے تھام لیا لیکن کچھ پوچھا نہیں سو تین گھونٹ پینے کے بعد گلاس ان کو واپس تھما دیا۔

انہوں نے گلاس میں موجود پانی کو دیکھا اور پھر کچھ دیر بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور سامنے رکھی ایک چھوٹی سی لکڑی کی میز پر سے ایک پرفیوم کی بوتل جیسی شیشے کی بوتل اٹھا کر اس کے پاس چلے آئے۔

''یہ آب زم زم ہے۔ ہر روز کپڑے پہنتے ہوئے اسے اپنے کپڑوں پر لگا لیا کرو انشا اللہ پھر کچھ نہیں ہوگا''۔ وہ اس کے پاس بیٹھ گیے۔

طلحہ نے وہ بوتل تھام لی اور دیکھنے لگا پھر حیرت سے پوچھا۔

''پر بابا جی میرے ساتھ یہ سب کیوں ہو رہا ہے۔ آخر مجھے وہ سارے پھول کیوں بھیجتا ہے کوئی اور وہ ہے کون؟''۔

بابا جی کے چہرے پر پریشانی کے سائے لہرانے لگے۔

''زیادہ تو میں نہیں جانتا لیکن جہاں تک میرا علم ہے وہ کوئی باہر کی چیز ہے جو یہ سب کر رہی ہے۔ جس جگہ پہ تم رہتے ہو وہاں پہ اس کا قبضہ ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے یہ تو مجھے نہیں پتہ لیکن اتنا میں سمجھ گیا ہوں کہ وہ تمہارے آس پاس رہتی ہے''۔

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا؟''۔ طلحہ نے نا سمجھی سے ان کو دیکھا۔

''میں ایک دو دن میں وہاں خود آؤں گا پھر سب پتہ چلے گا۔ اتنے دن تک تم نماز کی پابندی کرنا اور اس علاقے میں اکیلے باہر مت نکلنا اور نہ ہی اس عمارت کے اندرونی حصے میں جانا باقی رب سوہنا تمہارے ساتھ ہے۔ سب ٹھیک ہوگا''۔

وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولے۔

طلحہ نے ان کی باتوں کو غور سے سنا لیکن وہ اب تک کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

''اب تم جاؤ۔۔۔۔۔ اللہ کے حوالے''۔

وہ اٹھ کر دوسرے کمرے کی طرف بڑھ گیے تو کنفیوز سا طلحہ اٹھ کر واپس آ گیا۔ اسے جلد سے جلد واپس پہنچنا تھا۔

https://www.urdutubes.com/

دو دن گزر گیے لیکن کوئی بھی عجیب واقع دوبارہ نہ ہوا جس پر سب نے سکون کا سانس لیا۔ طلحہ خود بھی اب مطمئن تھا۔ وہ طوطا اب چوبیس گھنٹے اس کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ بھی اس سے اتنا مانوس ہو گیا تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے خود سے دور نہ ہونے دیتا۔ طوطا اب نہ صرف طلحہ کے بلکہ باقی سب کے ساتھ بھی بہت فری ہوتا۔ وہ تھا ہی اتنا پیارا کہ ہر دیکھنے والے کو اس پہ پیار آتا۔ وہ چوبیس گھنٹے طلحہ کے آگے پیچھے رہتا۔ وہ جہاں جاتا وہ اڑ کے اس کے پیچھے پہنچ جاتا یا اس کے کندھے پر بیٹھا رہتا۔

طلحہ کو بابا جی کا انتظار تھا کیونکہ انہوں نے دو تین دن تک آنے کا وعدہ کیا تھا مگر وہ شاید کہیں معروف تھے اس لیے نہیں آئے تھے۔

یہ ٹھیک تین دن بعد کی بات ہے۔ جب ڈنر کے بعد سب لوگ ایک جگہ پہ جمع تھے آگ کا ایک بڑا سا آلاؤ روشن تھا۔ جس کے گرد سب دائرے کی شکل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سب کا ہنسی مزاق چل رہا تھا اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ ان کا کھڑوس سا آفیسر بھی ان کے ساتھ موجود تھا اور ہنس بھی رہا تھا اور تو اور گفتگو میں بھی حصہ لے رہا تھا۔

طوطا اس کے کندھے پہ چڑھ کر بیٹھا ہوا تھا اور سب کی باتیں بہت غور سے سن رہا تھا۔ تبھی کسی سپاہی نے اس کی شادی کی بات چھیڑ دی۔

"سر آپ شادی کب تک کر رہے ہیں؟"۔ سپاہی نے ڈرتے ڈرتے ہی پوچھا تھا کہ کہیں میجر صاحب غصہ ہی نہ کرلیں۔ ویسے بھی میجر صاحب کا موڈ دھوپ چھاؤں سا ہی تھا۔ مگر آج ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ میجر صاحب سن کر ہلکا سا مسکرائے یا شاید شرمائے تھے۔

"جب کوئی لڑکی ملے گی"۔ وہ جواباً ہنستے ہوئے بولا تو سب کو تھوڑا اور کھلنے کا موقع مل گیا۔

سب نے بڑھ چڑھ کر بولنا شروع کر دیا۔ کیپٹن احسن نے تو لڑکی تک ڈھونڈنے کی آفر کر دی۔

"سر آپ کہیں تو میں کوئی لڑکی ڈھونڈوں"۔

ابھی اس کی بات مکمل ہی ہوئی تھی کہ نہ جانے طوطے کو کیا ہوا تھا۔ وہ بجلی کی سی تیزی سے اڑ کر احسن پر جھپٹ پڑا اور زور زور سے اسے اپنی چونچ سے مارنے لگا۔ چند سیکنڈ میں ہی اس کا چہرہ لہولہان کر دیا۔ سب حیران پریشان سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر کچھ کرتا۔ کیپٹن احسن بیچارہ اس کے واروں سے بچنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا مگر طوطے پر تو کوئی جنون سوار تھا۔

اس کی آنکھوں کا رنگ گہرا نیلا ہو رہا تھا اور وہ اسے جگہ جگہ سے زخمی کر رہا تھا۔ نہ جانے کس بات پر وہ اتنا برہم ہوا تھا۔

"پارٹنر اسٹاپ۔۔۔۔۔ یہ کیا کر رہے ہو تم"۔ میجر طلحہ نے فوراً اٹھ کر کیپٹن احسن کو بچانے کی کوشش کی اور طوطے کو ہاتھوں میں لیا اور حیرت انگیز طور پر طوطا ایک دم سے ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ اس کا لمس پاتے ہی جیسے شانت ہو گیا۔

کیپٹن احسن کے چہرے پر خون ہی خون تھا۔

"ہارون اسے [illegible]" طلحہ نے کیپٹن ہارون کو حکم دیا تو وہ اٹھ کر اس کے پاس گیا۔ ایک دو اور لوگ بھی مدد کو اٹھے۔ سہارا دے کر وہ اس کو ایک خیمے میں لے گیے۔

"آپ لوگ بھی جا کر سو جاؤ"۔ طلحہ نے ماحول کی گھمبیرتا دیکھتے ہوئے سب کو کہا تو کچھ ہی دیر میں وہ جگہ خالی ہو گئی۔

طوطا اب بڑے پرسکون انداز میں اس کے ہاتھوں میں تھا۔

"یہ تم نے کیا کیا پارٹنر۔۔۔۔۔۔؟ کیوں اتنا زخمی کیا احسن کو؟ یہ بہت بری بات ہے"۔ وہ اس کو لے کر اپنے آفس میں آ گیا۔

طوطا بالکل خاموش تھا۔ وہ کچھ دیر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ آج نہ جانے کیوں اسے پہلی بار یہ محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے وہ طوطا کوئی نارمل طوطا نہیں تھا۔ اس میں کچھ تو

غیر معمولی تھا۔ مگر کیا؟

☆......☆......☆

وہ کہر میں لپٹی دسمبر کی ایک سرد صبح تھی۔ سردی ہڈیوں کے گودے میں گھستی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ ٹھنڈی سرد ہوا کے جھونکے جسم میں آر پار ہوتے تو انسان ایک بار ٹھٹھر کر رہ جاتا۔ وہ سب پہاڑوں کی سردی کے عادی تھے اس لیے یہ عوامل سردی، ٹھنڈی ہوائیں اور دھند بھی ان کے روز مرہ کے معمول پر اثر انداز نہیں ہوتے تھے۔

صبح صبح دھند کے ساتھ آگ سے اٹھنے والا دھواں بھی شامل ہو رہا تھا۔ ناشتے میں سب سے پہلے بننے والی چیز چائے تھی۔ جس کے بغیر ناشتہ تو کیا دن کا آغاز کرنا بھی ناممکن تھا۔

میجر طلحہ آج صبح پانچ بجے ہی اٹھ گیا تھا۔ نماز ادا کرنے کے بعد کچھ دیر ایکسر سائز کی اور پھر باہر آ گیا جہاں سب اپنے کاموں میں مشغول تھے۔

وہ اس وقت یونیفارم کے اوپر جیکٹ پہنے [illegible] تھا۔ سردی کی وجہ سے اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی۔

ایک سپاہی نے اسے بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی۔ وہاں لکڑی کا پرانا اور بوسیدہ فرنیچر پہلے سے موجود تھا جسے صاف کرنے کے بعد استعمال میں لایا جاتا تھا۔

وہ شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ گیا۔ جیب سے موبائل نکال کر وہ انگلیاں چلانے لگا۔ موبائل بھی ایک طرح سے بیکار تھا کیونکہ اس ایریا میں سگنل نہیں آتے تھے۔ وہاں صرف وائر لیس سیٹ ہی چلتا تھا اور اس پر بھی بہت مشکل سے رابطہ ہوتا تھا۔

اس نے یہاں آتے وقت فون چارج کیا تھا اور ابھی تک آدھی سے زیادہ بیٹری تھی کیونکہ وہ یوز ہی نہیں کرتا تھا۔

بے مقصد ایپ کھولتے ہوئے وہ اردگرد سے بے نیاز ہو گیا تبھی یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے پاس سے گزرا ہو اس نے فوراً دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔ باقی لوگ اس سے کافی دور تھے۔ اس نے اپنا وہم جان کر نظر انداز کر دیا مگر دل کچھ دیر نہ جانے کیوں غیر معمولی انداز میں دھڑکتا رہا۔

اس بات کو ایک دن ہی گزرا تھا جب ایسا دوبارہ ہوا۔ اسے اپنے آفس کی کھڑکی میں سے جو باہر کی طرف کھلتی تھی کسی لڑکی کو گزرتے ہوئے دیکھا۔ باہر آ کر وہ کتنی ہی دیر آس پاس دیکھتا رہا مگر ایسا کچھ نظر نہ آیا۔ پھر اکثر ایسا ہونے لگا کہ اسے لگتا جیسے کوئی اس کے آس پاس ہو۔ کئی بار سب کے ساتھ ہنستے ہوئے اسے نسوانی قہقہہ سنائی دیتا۔ وہ ڈرتا تو نہیں تھا مگر یہ سب اسے پریشان ضرور کرتا تھا اور یہ سب بابا جی سے مل کر واپس آنے دو دن بعد شروع ہوا تھا اور دو دن میں ایسا نہ جانے کتنی دفعہ ہو چکا تھا کہ اس نے کسی لڑکی کو اپنے آس پاس سے گزرتے دیکھا تھا اور جب تک اسے احساس ہوتا تو وہاں کچھ نہ ہوتا۔ وہ بار بار اپنا وہم بھی نہیں سمجھ سکتا تھا۔ گلابوں کی خوشبو اور پھولوں کا سلسلہ بند ہوا تھا تو یہ نیا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جو مزید پریشان کر دینے والا تھا۔

اسے شدت سے بابا جی کا انتظار تھا مگر وہ تو شاید بھول ہی گیے تھے۔

☆......☆......☆

درختوں کی شاخوں میں سے نارنجی شام اپنے جلوے دکھا رہی تھی۔ ان دنوں سورج عصر کے فوراً بعد ہی اپنی کرنیں سمیٹنا شروع کر دیتا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دھند کی چادر کائنات کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی۔ ہر چیز اس دھند میں دھندلی نظر آنا شروع ہو جاتی۔ مغرب کے بعد ہر طرف اندھیرا چھا جاتا اور عشاء تک رات کی سیاہی مزید بڑھ جاتی اور ساتھ ساتھ ہی دھند قطرہ قطرہ برسنا شروع کر دیتی۔ کبھی کبھی تو یوں لگتا جیسے ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی ہو۔ سردی کی شدت کئی گنا بڑھ جاتی۔

آج بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ دن بھر پوری آب و تاب کے ساتھ چمکنے والا سورج شام ہوتے ہی غروب ہو گیا۔ آج کچھ سپاہی جنگل میں سے کچھ پرندے پکڑ کر لائے تھے اور اب آگ جلائے ان کو بھون رہے

https://www.urdutubes.com/

تھے۔ ساتھ ہی باتوں کا بھی ایک سلسلہ چل رہا تھا۔ وہ لوگ ساتھ ساتھ ہاتھ بھی سینک رہے تھے۔

کچھ دیر بعد ایک طرف سے مغرب کی آذان کی آواز سنائی دی۔ وہاں دور دور تک کوئی مسجد نہیں تھی اس لیے ایک سپاہی کی ڈیوٹی مقرر تھی کہ وہ روز آذان دے۔

آذان کی آواز سنتے ہی سب اٹھ کھڑے ہوئے اور یخ ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور پتھروں کے اوپر ہی ایک صاف ستھری چادر بچھا کر نماز کی نیت باندھ لی۔

نماز سے فارغ ہو کر کھانا کھایا پھر ہر رات کی طرح محفل جم گئی۔ سب لوگ باتوں میں مگن تھے۔

میجر طلحہ نے اپنے آفس کی کھڑکی میں سے سب کو باہر گوش گپیوں میں دیکھا۔ اس کے آفس میں دو کھڑکیاں تھی۔ ایک باہر کی طرف تھی اور دوسری نیچے کھائی کی طرف تھی جس میں دیکھتے ہوئے انسان ایک بار ضرور کانپ جاتا۔

آج ان کو وہاں آئے پورے تیرہ دن ہو چکے تھے۔ وہ جب سے بابا جی مل کر آیا تھا اس کے بعد سے بھی سکون نہیں تھا ہاں البتہ اب طوطا زیادہ تر شانت ہی رہتا تھا۔ اس وقت بھی وہ کھڑکی میں بیٹھا کچھ کھانے پینے میں مگن تھا۔

طلحہ کو ایک بات پر بہت حیرت ہوتی تھی کہ وہ طوطا اتنی سردی میں کیسے اتنی آزادی سے گھوم لیتا تھا۔ وہاں تو انسانوں کی قلفی جم جاتی تھی مگر وہ پرندہ ہو کر بھی بڑے آرام سے رہتا تھا یا شاید وہ ایسی سردی کا عادی تھا مگر پھر بھی تھوڑا بہت اثر ہونا تو لازمی تھا لیکن اس کے ساتھ ایسا کچھ نہیں تھے۔ خود وہ طوطے سے اتنا مانوس ہو گیا تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے اِدھر اُدھر نہ ہونے دیتا۔

وہ اب طوطے کی ہر حرکت پر نظر رکھتا اور ہر بار ناکامی ہوتی کیونکہ وہ ایک نارمل طوطے کی طرح ہی بیہیو کرتا تھا۔ شاید کبھی کبھار ہی اسے دورے پڑتے تھے۔

کچھ دیر میں ہی وہ کمرے میں بوریت محسوس کرنے لگا تو سوچا کیوں نہ عمارت کی دوسری منزل پر جایا جائے۔ ویسے بھی وہ جب سے وہاں آیا تھا صرف اپنے آفس اور کمرے تک ہی محدود تھا۔ کام اتنا زیادہ ہوتا کہ فرصت ہی نہ ملتی اور آج جب فراغت ملی تو اس نے سوچا کہ وہ پوری عمارت کا جائزہ لے۔ وہاں لائٹ نہیں تھی لیکن حال میں دو جگہ گیس کے لیمپ جل رہے تھے۔ کیپٹن ہارون نے یہاں آنے کے دوسرے دن ہی سب جگہ لائٹ کا بندوبست کر دیا تھا۔ وہ جیسے ہی کمرے سے نکلا تو طوطا بھی اڑ کر اس کے کندھے پر آن بیٹھا۔

وہ ہال میں آ گیا۔ ہال میں چار کمرے تھے جن کے دروازے بند تھے کیونکہ وہاں ان لوگوں کا سارا سامان اور ہتھیار وغیرہ رکھے تھے۔ دو کمروں کو تالے لگے ہوئے تھے۔ حال میں ایک طرف سیڑھیاں تھیں جو اوپری منزل تک جاتی تھیں۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ یہ بات بھی بھول گیا کہ بابا جی نے اسے عمارت کے اندرونی حصے میں جانے سے منع کیا تھا۔ طوطا اس کے ساتھ ہی تھا۔ آج اس کی آنکھوں میں ایک الگ ہی چمک تھی۔ اگر طلحہ اس وقت طوطے کی آنکھوں میں دیکھ لیتا تو اوپر جانے کی غلطی بھی نہ کرتا۔

وہ بنا کسی ڈر اور خوف کے اوپر پہنچ گیا۔ ویسے بھی اسے اندھیرے سے ڈر نہیں لگتا تھا۔ اسے اپنی کمانڈو ٹریننگ یاد تھی جب وہ پوری پوری رات اندھیرے میں بھٹکتے رہتے اور ستاروں کی مدد سے سمت کا تعین کرتے۔ اس لیے وہ اب اندھیروں سے نہیں گھبراتا تھا۔ ان اندھیروں سے شاید فوجیوں کا ایک گہرا رشتہ ہوتا ہے۔

اوپر کا حصہ بھی تقریباً نیچے جیسا ہی تھا۔ وہاں بھی سیڑھیوں کے بعد ایک بڑا سا ہال تھا اور گیس کا لیمپ جلنے کی وجہ سے وہاں بھی اچھی خاصی روشنی تھی۔

وہاں موجود کمروں میں سے صرف ایک کا دروازہ آدھ کھلا تھا۔ نہ جانے کونسی قوت تھی جو اس کے اوپر حاوی ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے قدم خود بخود اس کمرے کی طرف اٹھنے لگے۔ طوطے کی آنکھوں کی چمک

کئی گنا بڑھ گئی۔ آج اس کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔

جیسے ہی اس نے دروازہ دھکیل کر اندر قدم رکھا تو سب کچھ بدل گیا حتی کے وہ اپنا وجود تک فراموش کر گیا۔ ایک لمحے کے لیے تو اسے محسوس ہوا جیسے وہ نیچے کی طرف گر رہا تھا مگر اگلے ہی لمحے اس کا پیر زمین پر تھا۔

کچھ دیر بعد جب حواس بحال ہوئے تو اردگرد دیکھا۔ یہ تو پتہ نہیں کونسی جگہ تھی۔ وہ ایک بڑا سا ہال نما کمرہ تھا۔ جس میں ہر طرف کینڈلز روشن تھیں۔ فرش پر گلاب کی پتیاں اتنی زیادہ بچھائی گئی تھیں کہ فرش تقریباً چھپ گیا تھا۔ پورا کمرا گلاب کے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔

طلحہ کے سر میں ہتھوڑے برسنے لگے۔ اس سے سانس لینا بھی مشکل ہو گیا۔ اس نے واپس جانے کے ساتھ قدم موڑے تو حیران رہ گیا کیونکہ وہاں کوئی دروازہ ہی نہیں تھا۔ ہر طرف بس دیواریں تھیں۔ اب کی سختوں میں اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ یہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ وہ کہاں آ گیا تھا؟ ایسے کئی سوالات ذہن میں ابھر آئے۔ اور طوطا بھی غائب تھا۔ اس نے گھبرا کر اسے آواز دی۔

”پارٹنر کہاں ہو تم؟“۔

اس کی آواز کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر پھر لوٹ سنائی دی۔

طلحہ کا دم گھٹنے لگا گلاب کی مہک سانس کے ساتھ اندر جا رہی تھی۔ اس نے بے ساختہ منہ پر ہاتھ رکھا۔

”ویلکم ٹو مائی ورلڈ“۔

ایک نسوانی آواز اس کے عقب سے ابھری۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو یوں لگا جیسے کوئی پری سامنے آ گئی ہو۔

وہ واقعی پری جیسی تھی۔ ریڈ کلر کے فراک میں لمبے گولڈن بالوں کے ساتھ وہ حسن کا کوئی شاہکار نمونہ لگ رہی تھی۔ طلحہ کو ماننا پڑا کہ اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنا مکمل حسن کبھی نہیں دیکھا تھا۔

وہ پتھر کا بت بنا یک ٹک اس کو دیکھتا رہا۔ اس کے حسن میں وہ اتنا کھو گیا کہ یہ بھی نظر نہ آیا کہ اس کا پارٹنر اب اس پری کے کندھے پر تھا۔

”کیا ہوا میجر۔۔۔؟ کہاں کھو گیے۔۔۔؟“۔

کچھ دیر بعد ہی وہ مسکراتے ہوئے بولی تو جیسے وہاں بہار آ گئی۔ اس کی آواز کی کھنک نے میجر طلحہ کے ہواس مسلوب کر دیے۔

اس وقت اس کے دل و دماغ پر کسی دوسری قوت کا قبضہ تھا۔

”کون ہو تم۔۔۔؟“۔ اس کے بولنے پر محویت چھن کر کے ٹوٹی تھی۔

جواباً وہ پھر سے مسکرائی۔

جانتے ہو تمہارے انتظار میں یہ تیرہ دن میرے لیے تیرہ صدیوں کے برابر تھے۔ روز تمہیں سامنے دیکھنے کی خواہش دل میں لیے میں اس انتظار میں ہوتی تھی کہ کب تم خود چل کر میرے سامنے آؤ گے اور دیکھو آج میرا انتظار ختم ہو گیا اور تم خود میرے پاس آ گئے ہو“۔

اس کے سوال کے جواب میں وہ اپنی کیفیت بیان کرنے لگی۔

طلحہ نے ششدر نگاہوں سے اس کو دیکھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

”وہ پھول تم مجھے بھیجتی تھی؟“۔ اس نے اچانک پوچھا۔

ایک دم سے وہ پھر سے اپنے حواسوں میں آیا تھا۔ سب کچھ اس کے دماغ میں تازہ ہونے لگا آج اسے اپنے سارے سوالوں کے جواب چاہیے تھے۔

”ہاں۔۔۔“۔ وہ پھر سے مسکرائی۔

تبھی طلحہ کی نظر اپنے پارٹنر پر پڑی۔

”یہ۔۔۔“۔ اس نے طوطے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ ابھی تک کچھ بھی سمجھ نہیں پایا تھا۔

”یہ میرا ہے۔ اسے میں نے ہی تمہارے پاس

https://www.urdutubes.com/

"بھیجا تھا"۔ اس نے پیار سے طوطے کو دیکھا۔
"لیکن تم ہو کون اور میرے پیچھے کیوں پڑی ہو؟"۔ وہ اب پریشان ہو رہا تھا۔
"مجھے جاننے کے لیے بس اتنا سمجھ لو کہ میں تمہاری طرح انسان نہیں ہوں اور تمہارے پیچھے اس لیے پڑی ہوں کیونکہ تم مجھے بہت اچھے لگتے ہو"۔
ایک دم سے وہاں ایک صوفہ نما کرسی نمودار ہوئی تو وہ وہاں بیٹھ گئی۔ طلحہ حیران پریشان سا سب دیکھ رہا تھا۔
"انسان نہیں ہو مطلب۔۔۔"۔ اس نے اب کی بار اپنی پوری آنکھیں کھول کر پوچھا۔
"چھو کر دیکھ لو تمہیں تمہاری بات کا جواب مل جائے گا"۔
اب کی بار اس کے چہرے پر اداسی تھی۔
وہ حیران پریشان سا آگے بڑھا۔
جس جگہ وہ بیٹھی تھی وہاں پہنچ کر اس نے جیسے ہی اسے ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو یوں لگا جیسے وہ ہوا میں ہاتھ مار رہا ہو۔ وہ اسے نظر تو آ رہی تھی مگر وہ اسے چھو نہیں سکتا تھا۔ وہ ڈر کے فوراً پیچھے ہٹا۔
اس کی حالت کو دیکھ کر پہلے وہ زخمی سا مسکرائی اور پھر بولی۔
"اب تو یقین آ گیا نا کہ میں انسان نہیں ہوں"۔
"تو پھر کون ہو تم۔۔۔؟"۔ طلحہ کو یہ جان کر نا جانے کیوں تکلیف سی ہوئی کہ وہ پری بس نظر آتی تھی لیکن حقیقت میں وہ اسے چھو بھی نہیں سکتا تھا۔
"تمہاری دیوانی ہوں"۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
طلحہ مبہوت سا اسے دیکھتا رہا۔ کوئی اتنا حسین کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے دل نے خواہش کی کہ کاش وہ پری ہمیشہ ایسے ہی ہنستی رہے اور وہ اسے دیکھتا رہا۔ کاش وہ منظر تھم جائے۔ وہ پل رک جائیں۔ وقت ساکت ہو جائے۔ وہ اسے ایسے ہی اپنے سامنے دیکھتا رہے۔
جو اس کے ساتھ ہو رہا تھا اس سے اسے ڈرنا چاہیے تھا مگر اسے کوئی ڈر نہیں تھا۔ وہ بھول گیا کہ وہ ایک سپاسالار تھا اور وہاں وہ اکیلا نہیں تھا۔ وہ بھول گیا کہ بابا جی نے اسے کیا بتایا تھا۔ وہ بھول گیا کہ وہ اس وقت کہاں تھا۔ وہ بھول گیا کہ وہ جس لڑکی کے سامنے کھڑا تھا وہ کوئی انسان نہیں تھی۔ وہ سب بھول گیا۔ یاد رہا تو بس اتنا کہ وہ پری بہت خوبصورت تھی۔ اس کی ہنسی بہت پیاری تھی۔
"کہاں گم ہو میجر۔۔۔؟"۔ اسے ٹکٹکی باندھے اپنی طرف دیکھتا پا کر وہ بولی۔
طلحہ خاموش سا اسے دیکھتا رہا۔
"ارے تم اپنے پارٹنر کو تو بھول ہی گئے"۔ وہ خود پر سے اس کا دھیان ہٹانے کے لیے بولی۔
طلحہ نے اب بھی اس پر سے نظر نہیں ہٹائی تھی۔ وہ پھر سے ہنسنے لگی۔
وہ کچھ اور دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔
"تمہیں اب واپس جانا چاہیے بہت دیر ہو گئی ہے"۔ وہ کچھ دیر بعد بولی۔
"کیا میں تم سے دوبارہ مل سکتا ہوں؟"۔ اس نے سوال پوچھا۔
"ہاں تم جب چاہو یہاں آ سکتے ہو۔ بس کسی کو بتانا مت کہ تم مجھ سے ملے تھے"۔
"میں کسی کو نہیں بتاؤں گا"۔ طلحہ نے فوراً کہا۔
"وعدہ۔۔۔"۔
"پکا وعدہ۔۔۔"۔
"او کے اب جاؤ اور اپنے پارٹنر کو بھی لے جاؤ کیونکہ جب تک یہ تمہارے ساتھ نہیں ہو گا تم نہ یہاں داخل ہو سکتے ہو اور نہ ہی یہاں سے باہر جا سکتے ہو۔ بس اتنا سمجھ لو کہ یہ اس جگہ آنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کا خیال رکھنا میجر کیونکہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو تم مجھ سے کبھی نہیں مل پاؤ گے اور ایک بات اور تم بس رات کو یعنی اندھیرے میں ہی مجھ سے ملنے آ سکتے ہو۔ دن کو کوشش بھی نہ کرنا کیونکہ کچھ نہیں ہو گا"۔
وہ بولی اور ساتھ ہی طوطے کو اشارہ کیا۔ طوطا اڑ

https://www.urdutubes.com/

کر طلحہ کے کندھے پر جا بیٹھا۔
"لیکن میں یہاں سے کیسے جاؤں گا۔ یہاں تو کوئی دروازہ ہی نہیں ہے"۔ اس نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا۔
"اپنی آنکھیں بند کرو بس۔۔۔"۔
اس کے حکم پر طلحہ نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں بند کی اور اسے لگا جیسے وہ ہوا میں اڑ رہا ہو۔ اگلے ہی لمحے آنکھیں کھولیں تو وہ اسی دروازے کے باہر کھڑا تھا جہاں سے وہ اندر داخل ہوا تھا۔
طوطا اب بھی اس کے کندھے پر تھا۔
وہ سیڑھیاں اتر کر واپس اپنے آفس میں آ گیا۔ کسی کو بھی پتہ نہیں چلا تھا کہ آج اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وہ ناشتے کے بعد دھوپ میں بیٹھا اپنے لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ تبھی کیپٹن ہارون وہاں آیا۔
"السلام و علیکم سر۔۔۔"۔ اس نے سلیوٹ کیا۔
"وعلیکم السلام۔۔۔"۔
"سر کرنل بشیر سے میری بات ہوئی ہے۔ وہ آج آپ سے ملنے آ رہے ہیں"۔ کیپٹن ہارون نے اطلاع دی۔
"او کے۔۔۔"۔ اس نے ایک لمبا سا ہنکارا بھرا اور پھر بولا۔
"کتنے بجے تک۔۔۔؟"۔
"سر ایک بجے تک کا کہا ہے۔ رات کو یہیں رکیں گے"۔
"ٹھیک ہے تم جاؤ"۔ اس نے سر ہلاتے ہوئے کیپٹن ہارون کو جانے کا اشارہ کیا۔
کیپٹن ہارون وہاں سے چلا گیا تو اس کے ذہن میں کچھ چلنے لگا۔
اگر کرنل بشیر آئیں گے تو ظاہر ہے ان کے ساتھ اور لوگ بھی ہوں گے اور اگر وہ رات رکیں گے تو وہ اس لڑکی سے ملنے رات کو کیسے جائے گا۔
کچھ دیر سوچنے کے بعد بھی کوئی حل نہ نکلا تو اس نے تنگ آ کر سر جھٹک دیا۔
"رات کی رات کو دیکھی جائے گی"۔
تمام سوچوں کو دماغ سے نکال کر وہ پھر سے اپنے کام میں مگن ہو گیا۔
دوپہر کو کرنل بشیر آ گئے۔ ان کے ساتھ تین لوگ اور بھی تھے۔ میجر طلحہ نے پچھلے دن کی ساری رپورٹ ان کو دکھائی۔
اس کے بعد لنچ کیا گیا۔ لنچ کے بعد وہ پہاڑی سے نیچے اترے اور ارد گرد کا جائزہ لیا۔ میجر طلحہ اور دو تین لوگ ان کے ساتھ تھے۔
وہ لوگ جب سے وہاں آئے تھے۔ سب ٹھیک تھا۔ میجر طلحہ کو اپنے ایک پرائیویٹ آدمی سے خبر ملی تھی کہ دشمن ان سے زیادہ دور نہیں تھا۔ وہ ان کی موجودگی سے بھی واقف تھا لیکن حیرت کی بات تھی کہ ابھی تک دشمن نے کوئی حملہ نہیں کیا تھا۔
کرنل بشیر کا کہنا تھا کہ ان کو پہل کر دینی چاہیے مگر میجر طلحہ کا خیال تھا کہ انہیں دشمن کی طرف سے پہل کا انتظار کرنا چاہیے اور دوسرا انہیں دشمن کے بارے میں مکمل معلومات ہو کہ اس کے ارادے کیا ہیں۔
کرنل بشیر نے انہیں مزید تین دن کا وقت دیا اور کہا کہ وہ لوگ جلد سے جلد ساری انفارمیشن کا پتہ کریں۔
تین بجے وہ لوگ واپس آ گئے۔ ایک سپاہی نے سب کو چائے پلائی۔
چائے پینے کے بعد کرنل بشیر آرام کرنے چلے گئے جبکہ میجر طلحہ بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگا۔ ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل تھا۔
رات کو کرنل بشیر نے میٹنگ رکھی جس میں ساری پلاننگ ڈسکس کی گئی۔ اسی چکر میں رات کے گیارہ بج گئے اور فارغ ہوتے ہی سب سونے کے لیے چلے گئے۔ وہاں کوئی اور کمرہ سونے کے لیے نہیں تھا اس لیے

Digitized by Google

کرنل بشیر میجر طلحہ کے کمرے میں سو گئے اور وہ خود پوری رات اپنے آفس کی کرسی پر بیٹھا اس پری کے بارے میں سوچتا رہا۔ چاہنے کے باوجود بھی وہ اس سے ملنے نہ جاسکا۔ رات کے تیسرے پہر اس کی آنکھ لگی اور وہ وہیں کرسی پر سوگیا۔

اگلی صبح کرنل بشیر واپس چلے گیے جبکہ اس کا پورا دن مصروفیت میں گزرا۔ آج پھر اسے رات کا انتظار تھا کہ کب اندھیرا ہو اور وہ اس سے ملنے جائے۔

دن بھر کام کرنے کے بعد رات کو وہ اتنا تھک چکا تھا کہ سارا جسم درد سے چور تھا۔ کچھ پچھلی رات کی بھی نیند پوری نہیں ہوئی تھی۔ مگر پھر بھی وہ کھانے کے بعد اپنے کمرے میں جانے کی بجائے آفس میں آکر بیٹھ گیا اور سب کے سونے کا انتظار کرنے لگا۔ دس بجے جب یقین ہوا کہ سب سو گیے ہیں اور ہر طرف خاموشی ہے تو وہ طوطے کو ساتھ لیے دوسری منزل پر آ گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ اس کے سامنے تھا۔ آج پہلی بار اسے گلاب کی خوشبو سے بھی الرجی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ اس کا سانس بھی گھٹ رہا تھا۔

وہ آج نیلے رنگ کے لمبے سے فراک میں موجود تھی۔ اسے شاید نیلا اور سرخ رنگ ہی پسند تھا۔ طلحہ کی نظریں اس کے چہرے سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ لڑکی انسان نہیں تھی اور وہ بس اسے دیکھ سکتا تھا۔

اسے تو سب سچ لگتا تھا۔ وہ اس کو دیکھ کر پہلے کی طرح ہی مسکرائی تھی۔

وہ آج بھی کرسی پر براجمان تھی جبکہ وہ اس دن کی طرح اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس کا پارٹنر یہاں آتے ہی اسے دھوکا دے جاتا۔ ہر وقت اس کے ساتھ رہنے والا ایک لمحے میں اس کا ساتھ چھوڑ جاتا مگر طلحہ کو پروا نہیں تھی۔

''سوری میں کل نہیں آ سکا''۔ اس نے معزرت کی۔

''میں سب جانتی ہوں مجھے بتانے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''ایک بات پوچھوں؟''۔ کچھ دیر بعد اس نے سوال کیا۔

''اجازت مت لیا کرو بس پوچھ لیا کرو''۔

وہ اس کو پیار سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم نے مجھے کہاں دیکھا تھا اور میرے بارے میں سب کچھ کیسے جانتی ہو؟''۔ اس کے لہجے میں تجسس تھا۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی اور پھر بولی۔

''اپنے پیچھے دیکھو''۔

طلحہ نے مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔ وہاں سامنے دیوار پر باہر کا ہر منظر نظر آتا تھا۔ یوں جیسے باہر کیمرے لگے ہوں اور کمپیوٹر کی اسکرین پہ سب نظر آتا ہو۔

''یہ سب کیا ہے؟''۔

اس نے ناسمجھی سے پوچھا۔

''جب تم پہلی بار [illegible]

تمہیں اس دیوار پہ دیکھا تھا۔ پھر [illegible] بکے بھیجا لیکن تم نے وہ پھول باہر پھینک دیے''۔

وہ اسے بتانے لگی۔

''مجھے گلاب پسند نہیں ہیں''۔ طلحہ نے کمرے میں جا بجا بکھرے پھولوں پر نگاہ کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

''فکر مت کرو آج کے بعد تمہیں بس یہی پھول پسند ہونگے''۔

''فاروق خان کو تم نے مارا تھا؟''۔ اچانک اس کے ذہن میں سوال آیا۔

''نہیں ----''۔ وہ سر کو، نا میں ہلاتے ہوئے بولی۔

''لیکن اس کے ہاتھ پہ تو یہی لکھا تھا''۔ طلحہ کو ایک منٹ کے لیے لگا جیسے وہ جھوٹ بول رہی ہو۔

وہ میں نے لکھا تھا لیکن میں نے اسے مارا نہیں۔

اسماءالحسنی کامیابی کا راستہ
پریشانیوں سے چھٹکارہ
ہمارا ہر عمل دنیا کے ہر کونے میں اثر کرتا ہے

جادو چلانا ہو یا ختم کرنا ہو
اولاد کا نہ ہونا یا ہو کر مر جانا
کاروباری بندش
دیگر مسائل
جنات کا سایہ

سید عالم شاہ
کا پیغام جو لوگ سوچتے رہتے ہیں
جو بگڑے کام بنائے

ہر مشکل کا حل بذریعہ موکلات جس پریشانی کی وجہ سے آپ کی زندگی موت سے بھی بدتر ہوگئی ہو اور ہر عامل ناکام ہو گیا ہو ہم سے مشورہ ایک مرتبہ ضرور لیں عامل وہ جس کا علم سات سمندر پار چلے کالے وسفلی جادو ختم پتھر سے پتھر دل محبوب تابع ہوگا اولاد فرمان بردار خاوند سے بے رخی بچوں کے اچھے رشتے اور کاروبار میں کامیابی وہ لوگ مایوس نہ ہوں بلکہ اپنی آخری امید سمجھ کر سید فرمان شاہ سے رابطہ کریں انشاء آپ محسوس کریں گے ایک فون کال نے ہماری زندگی بدل دی

کی آنکھ کا تارا بن سکتی ہے ہر کام رازداری کے ساتھ
پریشانی کا حل پہلے تعویز سے آپکی اجڑی ہوئی زندگی
کے مسائل کا حل ایک فون کال پر
جائز خواہش ہے تو پوری ہوں

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ہوں فون ملایئے اور آزمالیجیے
ایک بار ہمیں خدمت کا موقع دیں کامرانیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ یقیناً بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے
نوٹ: جو خواتین و حضرات خود نہیں آسکتے وہ گھر بیٹھے فون کریں اور ہم سے کام لیں انشاءاللہ کامیابی ہوگی

سیّد عالم شاہ
0300-6282386

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

"تو پھر کس نے مارا۔۔۔۔؟"۔ وہ جواب جاننے کے لیے بے چین تھا۔

"جن سے لڑنے تم یہاں آئے ہو"۔

"مطلب۔۔۔۔"۔ طلحہ کے پلے اس کی ایک بھی بات نہ پڑی۔

پتہ نہیں وہ کیا پہیلیاں بجھارہی تھی۔

اس نے طلحہ کو اشارہ کیا کہ دوبارہ دیوار پر دیکھو۔ طلحہ نے اس طرف دیکھا۔

وہاں دو آدمی نظر آئے جنہوں نے پہرہ دیتے فاروق خان کو پیچھے سے ایک رومال سنگھا کر بیہوش کر لیا۔ پھر ایک نے انجکشن نکالا اور اس میں کچھ بھرنے لگا۔ پھر وہی انجکشن فاروق خان کو لگادیا۔ شاید اس میں زہر تھا۔ پھر پاس اگے ایک پودے کو جس کے ساتھ بڑے بڑے کانٹے تھے جڑ سے اکھاڑ لیا۔ پھر دونوں نے مل کر وہ سارے کانٹے فاروق خان کے جسم میں چبھوئے۔ چہرہ، سینہ، ٹانگیں پیر ہر جگہ پر وہ بے دردی سے کانٹے چبھونے لگے تاکہ دیکھنے والوں کو لگے کہ اس کی موت کانٹے چبھنے سے ہوئی ہے اور کسی کو شک بھی نہ ہو۔ یہ کام اتنی مہارت سے کیا گیا کہ کسی کو خبر تک نہ ہوئی۔ پھر وہ لوگ جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گیے۔ ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے اس لیے طلحہ اندازہ نہ کرپایا کہ وہ کون لوگ تھے۔

"چھوڑوں گا نہیں میں ان درندوں کو۔۔۔"۔ وہ منظر دیکھ کر وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا۔ فاروق خان شہید ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"ریلکس میجر۔۔"۔ وہ اس کی حالت دیکھ کر اسے تسلی دینے لگی۔

"تم نے دیکھا نہ کس طرح ان ظالموں نے میرے جوان کو شہید کردیا"۔ اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

وہ کرسی سے اٹھ کر دھیمے دھیمے قدم اٹھاتی اس کے سامنے آگئی۔

"میں سب جانتی ہوں۔ تم پریشان مت ہو۔ بس اپنا بدلہ لو اور ختم کردو ان ظالموں کو"۔

طلحہ اس کو دیکھنے لگا۔

"تمہیں مدد کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم ایک بہادر انسان ہو لیکن پھر بھی یہ رکھ لو تمہارے بہت کام آئے گی"۔

اس نے ہاتھ پیچھے کرنے کے بعد جب آگے کیا تو اس میں ایک دوربین تھی۔

طلحہ نے وہ تھام لی۔

"اب تم جاؤ"۔ وہ واپس مڑتے ہوئے بولی۔

وہ بنا کچھ بولے اور پوچھے آنکھیں بند کر گیا۔

اگلے ہی لمحے وہ وہیں تھا جہاں سے وہ داخل ہوا تھا۔

اگلے دن صبح ہی صبح اس نے میٹنگ رکھی جس میں سب کو کہا کہ اسے فاروق خان کی شہادت میں دشمن کا ہاتھ لگتا ہے اور یہ اس کا شک نہیں بلکہ یقین ہے۔ وہ اصل بات چھپا گیا۔ باقی لوگوں نے پوچھا کہ انہیں کیا کرنا چاہیے۔

"ہمیں جلد سے جلد دشمن کے ٹھکانے کا پتہ لگانا ہے"۔

"سر اگر آپ اجازت دیں تو ہم آج ہی پورے علاقے کو چھان ماریں گے اور وہ لوگ جس جگہ بھی چھپے ہیں انہیں ڈھونڈ نکالیں گے پھر وہ جگہ پاتال میں ہی کیوں نہ ہو"۔ کیپٹن ہارون نے کہا۔

"ٹھیک ہے جیسے کہ کرنل بشیر نے بھی ہمیں تین دن کا وقت دیا ہے تو ہمیں جلد سے جلد پتہ لگانا ہے"۔

"ٹھیک ہے سر۔۔۔۔"۔ سب نے یک وقت کہا۔

میٹنگ ختم ہونے پر سب لوگ اپنے کاموں میں لگ گیے۔ جس کی جو ڈیوٹی لگی وہ اس پر معمور ہو گیا۔ جب کہ وہ خود دوربین لیے پچھلے حصے کی طرف آ گیا اور اردگرد کا جائزہ لینے لگا۔

وہ دوربین واقعی کمال کی تھی۔ اس میں سے بہت دور کی چیزیں بھی ایسے نظر آتی جیسے سامنے ہورہی ہو۔

رات ہونے تک کافی ساری انفارمیشن مل گئی اور

کچھ کچھ ان دہشت گردوں کے ٹھکانے کی خبر بھی مل گئی۔ طے یہ پایا کہ وہ لوگ صبح صادق کے وقت حملہ کریں گے جب دشمن میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہا ہوگا۔

رات کو بھی سب لوگ جاگتے رہے۔ آج کسی کو بھی سونے کی اجازت نہیں تھی۔

وہ کچھ دیر سب کے ساتھ باہر بیٹھا رہا اور پھر اندر آگیا۔ کچھ دیر بعد جب اسے احساس ہوا کہ سب لوگ مصروف ہیں اور کسی کے اس کی طرف متوجہ ہونے کا خدشہ نہیں ہے تو وہ دبے پاؤں اوپر آگیا۔ آتے ہوئے اس کی ٹانگیں اکثر کانپتی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ پھر سے اس کے سامنے تھا۔ آج وہ پھر سرخ لباس میں تھی اور اتنے سارے گلابوں کے بیچ ایک کھلتا گلاب ہی لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر اس کے چہرے پر آنے والی چمک طلحہ کے ہواس معطل کردیتی۔ وہ اپنی ذات کو بھی اس کے سامنے فراموش کرجاتا۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا مجھے ابھی تک۔۔۔"۔ باتوں ہی باتوں میں اس نے پوچھا۔

"گل ناز۔۔۔۔"۔ وہ دھیمی سی مسکان کے ساتھ بولی۔

"کیا تم مجھ سے شادی کروگی۔۔۔۔؟"۔

اس نے اگلا سوال پوچھا۔ مسکراتے لب سکڑ گیے۔ وہ ساکت ہوگئی۔ ایسے سوال کی توقع نہیں تھی۔ طلحہ نے یہ بات کیوں کہی تھی وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"تم بھول رہے ہو کہ میں انسان نہیں ہوں"۔

اس نے یاد دہانی کروائی۔

"تم میرے ساتھ چلو۔۔۔۔"۔ وہ بنا سوچے سمجھے بول رہا تھا۔

یوں جیسے وہ اسے صدیوں سے جانتا ہو۔

"میں یہاں سے باہر نہیں نکل سکتی۔۔۔۔۔"۔

اس کے خوبصورت چہرے پر اداسی ایسے لگ رہی تھی جیسے چاند پر داغ ہو۔

"کیوں۔۔۔؟"۔

وہ بے چینی سے بولا۔

"کیوں کہ میں سالوں سے یہاں قید میں ہوں اور میں نے آج تک اس جگہ سے باہر قدم نہیں رکھا"۔

"کس کی قید میں ہو؟"۔ وہ اب کی بار حیران ہوا۔

اس پہاڑی کی قیدی ہوں"۔

"پہاڑی کی قیدی۔۔۔۔؟"۔

اس کے چہرے پر ایک بار پھر حیرت امڈ آئی۔

ہاں"۔ وہ بلاتمہید اقرار کرگئی۔

"یہ آج کی یا کل کی بات نہیں ہے۔ یہ تو سالوں کی بات ہے اس وقت کی جب میں زندہ تھی۔ پھر اس نے مجھے ماردیا اور ہمیشہ کے لیے اس پہاڑی کی قیدی بنا کر چلا گیا"۔

"کس نے۔۔۔؟"۔ طلحہ نے تجسس سے پوچھا۔

وہ اس کی کہانی جاننا چاہتا تھا۔

"بس تھا کوئی۔۔۔۔"۔ وہ ٹال گئی۔ شاید بتانا نہیں چاہتی تھی۔

طلحہ نے بھی مزید کریدنا مناسب نہ سمجھا۔

"اب تمہیں جانا چاہیے۔۔۔۔"۔ وہ بولی تو اسے اندازہ ہوا کہ ایک لمبا وقت بیت چکا تھا۔

اس نے آنکھیں بند کیں تو وہ ہال میں تھا۔ وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔

☆.....☆.....☆

صبح صادق کے وقت جب دشمن میٹھی نیند کے مزے لوٹ رہا تھا اس وقت میجر طلحہ اور اس کے ساتھیوں نے دشمن پہ حملہ کردیا۔ اس وقت ان کے وہ لوگ بھی اونگھ رہے تھے جو رات بھر پہرہ دیتے رہے تھے۔ دشمن کی رہائش اس پہاڑی سے ساڑھے چھ کلومیٹر دور ایک دوسری پہاڑی پر تھی۔ دور سے وہ جگہ پتھروں میں چھپی ہوئی تھی مگر قریب سے دیکھنے پر حقیقت پتہ چل جاتی تھی۔ پتھروں کے نیچے انڈر گراؤنڈ جگہ میں وہ لوگ رہ رہے تھے۔

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ہر طرف چھائی دھند ان کے راستے کی رکاوٹ تھی مگر میجر طلحہ کے پاس جو دوربین تھی اس میں سے ہر منظر صاف اور واضح نظر آتا تھا۔

دشمن نے بھی جوابی فائرنگ شروع کر دی۔ دونوں فریقین فل فارم میں تھے۔ کوئی بھی ہار ماننے کو تیار نہیں تھا۔ دشمن کو سنبھلتے سنبھلتے کچھ وقت لگا تھا اور اس دوران ان کے کئی ساتھی جہنم واصل ہو چکے تھے۔

یہ لڑائی تقریباً تین گھنٹوں تک مسلسل چلی اور پھر میجر طلحہ نے اپنے ساتھیوں کو واپس جانے کا آرڈر دے دیا کیونکہ آگے جانا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے مزید پلاننگز کی ضرورت تھی۔ اس لڑائی میں دشمن کے بے شمار لوگ مارے جا چکے تھے جبکہ پاک آرمی کے کسی جوان کو کچھ نہیں ہوا تھا صرف میجر طلحہ کا بازو زخمی ہوا تھا۔ اس کے بائیں بازو کو گولی چھوتی ہوئی نکل گئی تھی۔ خون بہت نکل رہا تھا۔

واپس آتے ہی کیپٹن یاسر نے اسے بینڈیج کر دیا مگر پھر بھی شام تک اسے بہت تیز بخار ہو گیا۔ درد تو وہ برداشت کر سکتا تھا مگر بخار کی وجہ سے ہونے والی نقاہت نے اسے بالکل نڈھال کر دیا۔ اس کی حالت نے سب کو پریشا کر دیا۔

وہ اپنے کمرے میں پلنگ پر بے سدھ لیٹا ہوا تھا۔ طوطا اس کے پاس ہی بیٹھا تھا۔ وہ بہت پریشان اور افسردہ دکھائی دے رہا تھا۔

یہ ایک ہال نما کمرے کا منظر تھا۔ جہاں گل ناز ایک آدمی کے سامنے کھڑی اس کی منتیں کر رہی تھی۔

"پلیز آج مجھے رہا کر دو۔ وہ بہت بیمار ہے اور اسے میری ضرورت ہے۔ پلیز مجھے جانے دو"۔ وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تم یہاں سے باہر نہیں نکل سکتی پھر کیوں فضول بحث کر رہی ہو"۔ وہ آدمی سخت لہجے میں بولا۔

گل ناز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"میں نے آج تک کبھی کہا کہ مجھے یہاں سے کہیں جانا ہے۔ نہیں ناں۔۔۔ تو اگر آج پہلی بار کہہ رہی ہوں تو پلیز مجھے اس قید سے آزاد کرو۔ میں اسے اپنے سامنے دیکھنا چاہتی ہوں"۔

وہ سالوں بعد ایک بار پھر بے بس نظر آ رہی تھی۔

اس آدمی کی تیوڑی چڑھ گئی۔

"وہ ایک انسان ہے اور تم ایک روح ہو۔ تمہیں کوئی حق نہیں ہے کہ تم ایک انسان سے محبت کرو اور نہ ہی ایسا کبھی ہوا ہے"۔

وہ اسے سمجھانے لگا۔

"لیکن وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے"۔

"وہ تو پاگل ہے۔ یہ نہیں جانتا کہ اپنے ساتھ کیا کر رہا ہے لیکن تم تو پاگل نہیں ہو تم تو سمجھو۔ تم کیسے کسی انسان پر یوں دل ہار سکتی ہو۔ تم دونوں کا کبھی ملن نہیں ہو سکتا"۔

"میں کچھ نہیں جانتی بس مجھے اس سے محبت [illegible] جذبات پیدا ہوئے ہیں پلیز مجھے اس سے دور مت کرو۔ مجھے ایک بار اسے سامنے دیکھنے دو۔ میں واپس آ جاؤں گی"۔

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑی تھی۔

وہ آدمی اب بھی نہیں پگھلا تھا۔

"میں نے ایک بار کہہ دیا ناں کہ تم یہاں سے باہر نہیں جا سکتی تو مطلب نہیں جا سکتی۔ اس لیے فضول کی بحث مت کرو۔ میں جا رہا ہوں اب مجھے نہ بلانا"۔

وہ بے رخی سے بولا تو وہ اس کے قدموں میں گر گئی۔

"پلیز ایسے مت کرو۔ میں ہر سزا برداشت کر لوں گی مگر اس کی تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔ مجھے ایک بار اسے دیکھنے دو پلیز"۔

وہ رو رہی تھی۔

"وہ ٹھیک ہو گا تو تم سے خود ملنے آ جائے گا اور

اگر تم نے ضد کی تو یاد رکھنا میں اسے ہمیشہ کے لیے تم سے دور کر دوں گا"۔

وہ سفاکیت کی ساری حدیں پھلانگتے ہوئے بولا۔

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔۔۔۔"۔

اسے بے انتہا تکلیف ہوئی۔

"میں کچھ بھی کر سکتا ہوں اور یہ بات تم جانتی ہو"۔

وہ اپنی بات کہہ کر غائب ہو گیا جبکہ وہ وہیں بیٹھی رہی۔

"طلحہ۔۔۔۔"۔ اس نے زور سے اسے آواز دی اور پھر اونچی آواز میں رونے لگی۔

اگلے دن صبح تک اس کی حالت مزید بگڑ گئی۔ بہتر ٹریٹمنٹ نہ ملنے کی وجہ سے زخم میں انفیکشن ہونا شروع ہو گیا۔ کرنل بشیر نے اسے ہاسپٹل ایڈمٹ کرنے کا آرڈر دے دیا۔ وہ وہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا [illegible] تھا کیونکہ اس کی حالت اس [illegible] وہاں مزید رک سکتا۔ اسے میڈیکل کیئر کی ضرورت تھی۔

طوطا بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ بار بار آوازیں نکال رہا تھا اور طلحہ کو اچھی طرح سمجھ آ رہی تھی وہ اسے روکنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن وہ چاہ کر بھی نہیں رک سکتا تھا۔ ہو سکتا تھا کہ اب وہ وہاں واپس نہ آتا اور اس کی جگہ کسی اور آفیسر کو بھیج دیا جاتا اور یہ بھی ممکن تھا کہ اگر وہ جلد ٹھیک ہو جاتا تو واپس آ جاتا۔ وہ دل میں واپس آنے کی امید لیے وہاں سے چلا گیا۔

جب وہ وہاں سے چلا گیا تو ایک دم پورا علاقہ جیسے زلزلے کی زد میں آ گیا۔ سب لوگ ایک دم پریشان ہو گئے لیکن پھر کچھ ہی دیر میں سب نارمل ہوا تو سب نے سکون کا سانس لیا۔

وہ آدمی ایک بار پھر گل ناز کے سامنے تھا۔

"کیوں بلایا ہے مجھے؟ منع کیا تھا ناں کہ مجھے مت بلانا اب"۔

اس کی آنکھیں غصے سے لال ہو رہی تھیں۔

"تمہیں میری تکلیف کا اندازہ نہیں ہو رہا۔ تم دیکھ نہیں رہے میں کیسے تڑپ رہی ہوں۔ وہ چلا گیا اور پتہ نہیں اب واپس آئے گا بھی یا نہیں۔۔۔ کتنا کہا تھا تمہیں کہ مجھے ایک بار اسے دیکھنے دو لیکن تم کتنے ظالم ہو"۔

گل ناز نے دردناک لہجے میں کہا۔

"تم سمجھتی کیوں نہیں ہو پاگل لڑکی۔۔۔۔ وہ ایک انسان ہے اور تم ایک روح ہو جس کا کوئی وجود نہیں ہے جو کبھی بھی فنا ہو سکتی ہے۔ تم کیسے ایک انسان کے ساتھ محبت کر سکتی ہو اور اس کی زندگی برباد کر سکتی ہو۔ کیوں بار بار اپنی حقیقت بھول جاتی ہو"۔

"اگر میں اس سے محبت کر کے اس کی زندگی برباد کر سکتی ہوں تو تم یہ کیسے بھول سکتے ہو کہ سالوں پہلے میرے ساتھ بھی تم نے یہی کیا تھا۔ میں بھی تو ایک انسان تھی اور تم نے بھی تو ایک انسان سے محبت کی تھی اور مجھے اس محبت کو قبول نہ کرنے کی اتنی بڑی سزا دے دی کہ میں اب تک بھگت رہی ہوں"۔

وہ طنزیہ بولی۔ اسے اس کا ماضی یاد دلایا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا چہرہ سفید پڑ گیا مگر اگلے ہی لمحے خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔

"جو غلطی سالوں پہلے مجھ سے ہوئی تھی وہ اب تم دہرا رہی ہو۔ میرے کیے کی سزا تم آج تک بھگت رہی ہو تو کیا تم چاہتی ہو کہ تمہارے کیے کی سزا وہ انسان بھگتے اور تمہاری طرح ہمیشہ کے لیے قید ہو کر رہ جائے"۔

"میں اس کے ساتھ وہ سب کبھی نہیں کروں گی جو تم نے میرے ساتھ کیا تھا کیونکہ میری محبت تمہاری محبت کی طرح خود غرض نہیں ہے۔ میں اسے پانا چاہتی ہوں مٹانا نہیں چاہتی"۔

"تم اسے نہیں پا سکتی۔ اگر ایک انسان اور روح کا ملنا ممکن ہوتا تو تم آج اس حال میں کبھی نہیں ہوتی۔ تم کیوں چاہتی ہو کہ تمہاری ایک چھوٹی سی غلطی اس بے قصور کی زندگی برباد کر دے گی اور اگر ایسا ہوا تو سالوں

https://www.urdutubes.com/

بعد کہانی پھر سے خود کو دہرائے گی۔ ایک انسان پھر سے موت کے گھاٹ اترے گا اور ہمیشہ کے لیے اس پہاڑی کا قیدی بن جائے گا"۔

وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"میں بہت بے بس ہوں۔ وہ مجھ سے دور چلا گیا ہے اور یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا"۔

وہ رونے لگی تو اس آدمی کو ترس آگیا۔

"میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اسے واپس لے کر آؤں گا لیکن اس شرط پر کہ تم اس کے ساتھ وہ کبھی نہیں کرو گی جو میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا"۔

"میں نے کہا ناں میری محبت خود غرض نہیں ہے۔ میں اسے کبھی تکلیف نہیں دوں گی"۔

"ٹھیک ہے کچھ دن انتظار کرو۔ وہ واپس آجائے گا"۔

وہ اسے امید دلا رہا تھا۔

"میں تم پر بھروسہ کر رہی ہوں توڑنا مت"۔

اس کی آنکھوں میں آس کے دیے جلنے لگے۔

وہ سر کو اثبات میں ہلاتا ہوا دھواں بن کر غائب ہو گیا۔

☆......☆......☆

اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہوئے تیسرا دن تھا جب تیمور اور عمر اس سے ملنے چلے آئے۔ وہ دونوں اس کے بہت اچھے دوست تھے۔ وہ تھے تو اس سے جونیئر مگر ان کے ساتھ طلحہ کی بہت بنتی تھی۔

"سر جی اچھا خاصا ہٹا کٹا آپ کو بھیجا تھا اور یہ کیا حالت بنا کر آگئے ہیں آپ"۔ تیمور نے وائیٹ پھولوں کا بکے اس کے بستر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"اور نہیں تو کیا ہم نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ آپ سے ہاسپٹل کے بستر پر ملاقات ہوگی"۔ عمر نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"بکواس بند کرو تم دونوں اور یہ بتاؤ کہ دو دن سے کہاں تھے؟"۔ وہ ناراضگی سے بولا۔

اسے آئے تیسرا دن تھا اور وہ دونوں اب آرہے تھے۔

"سر آپ کے بیمار ہونے کی خبر ہی آج ملی ہے سر جی اگر پہلے ملتی تو پہلے آجاتے۔ ویسے کیسی طبیعت ہے آپ کی؟"۔

تیمور نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں یار اور سوچ رہا ہوں کہ کل واپس چلا جاؤں"۔ وہ اٹھتے ہوئے بولا تو عمر نے فوراً آگے بڑھ کر سہارا دیا اور پھر تکیہ اٹھا کر اس کی بیک پر رکھا۔ وہ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"حالت تو دیکھیں اپنی پہلے۔۔۔ ابھی بھی جانے کی بات کر رہے ہیں۔ اس اپریشن کو بھول جائیں اور مکمل بیڈ ریسٹ کریں اور ویسے بھی آپ اب نہیں جا سکتے کیونکہ آپ کی جگہ کرنل صاحب نے سرمد کو بھیج دیا ہوا ہے"۔ عمر نے اسے بتایا تو اس کا چہرہ لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا۔ تو کیا وہ اب کبھی اسے نہیں دیکھ پائے گا۔

"طلحہ سر آر یو او کے۔۔۔"۔ تیمور کو اس کی حالت دیکھ کر فوراً تشویش ہوئی۔

"تیمور کرنل بشیر سے بات کرواؤ میری۔ میں آج ہی واپس جاؤں گا۔ یہ آپریشن میرا تھا تو وہ کیسے کسی اور کو میری جگہ بھیج سکتے ہیں۔ مجھے آنا ہی نہیں چاہیے تھا وہاں سے ذرا سی طبیعت ہی تو خراب ہوئی تھی"۔

وہ بے چینی کی حدوں کو چھو رہا تھا۔

"کیا ہو گیا سر جی ریلیکس۔ اب نہ سہی تو پھر کبھی سہی اس میں اتنی پریشانی والی کیا بات ہے"۔ تیمور اٹھ کر اس کے نزدیک آیا اور کندھے پہ ہاتھ رکھا جسے اس نے فوراً جھٹک دیا۔

"تمہیں سمجھ میں نہیں آیا میں نے کیا کہا ہے۔ میری کرنل بشیر سے بات کرواؤ۔ میں آج ہی واپس جاؤں گا"۔

اس کو اتنے غصے میں دیکھ کر وہ دونوں حیران ہو گئے۔

"جی سر۔۔۔"۔ تیمور نے کہا اور سیل فون

نکال کر نمبر ملانے لگا۔

جب کال کنیکٹ ہوئی تو اس نے فون طلحہ کو پکڑا دیا۔

کرنل بشیر سے بات کرنے کے بعد وہ کچھ ریلکس ہو گیا کیونکہ انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ جیسے ہی ٹھیک ہوگا وہ اسے واپس بھیج دیں گے۔

طلحہ نے فون تیمور کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔

"سوری یار میں کچھ زیادہ ہی بول گیا"۔

اسے شرمندگی ہوئی۔

"کوئی نہیں سر جی۔۔۔"۔ وہ مسکرا دیا۔

طلحہ کی ایسی کڑوی باتیں وہ ہزار بار سن سکتا تھا۔ وہ ان دونوں کو جتنی مرضی سخت سنا دیتا لیکن وہ ایک سوری پر ہی مان جاتے اور ان کی یہی بات طلحہ کو ان کے قریب لا آئی تھی۔

☆......☆......☆

محبت!

میں ... کبھی بھی محبت نہیں ہو سکتی۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے میری زندگی میں محبت کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔ میں نے اکثر سنا ہے کہ جب کوئی کسی سے پیار کرتا ہے تو اس کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار ہوتا ہے اور تو اور لوگ محبت میں جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

مجھے حیرت ہوتی ہے یہ کہنے والوں پر اور کرنے والوں پر بھی..... آخر کون اتنا بیوقوف ہے جسے اپنی جان سے ہی پیار نہیں ہے۔ جو ایک ایسے شخص کے لیے مرنے کو تیار ہوتا جس سے محبت کیے اسے چند دن ہوئے ہونگے یا ہو سکتا کچھ سالوں کی بات ہو۔

محبت کا فلسفہ کبھی بھی میری یعنی میجر طلحہ بخاری کی سمجھ میں نہیں آتا۔

محبت ایک احساس ہے، ایک خوبصورت خیال ہے یہ سب باتیں مجھے کتابی لگتی ہیں۔ آج کے زمانے میں کون اتنا بیوقوف ہے جو ان فضولیات میں پڑے اور موجود دور کا رانجھا بن بیٹھے۔ پتہ نہیں لوگ پریکٹیکلی کیوں نہیں سوچتے۔ کون اتنا فارغ ہے کہ محبت کا روگ پال کر بیٹھ جائے اور اپنے قیمتی وقت کو ضائع کرے۔ میرے نزدیک جو لوگ محبت کرتے ہیں ان کے نزدیک وقت کی اہمیت ہتھیلی پہ رکھی ریت کی طرح ہوتی ہے جسے وہ محبت کرنے کے بعد پھونک مار کر اڑا دیتے ہیں۔

اس ترقی کی دوڑ میں صرف بیوقوف لوگ ہی محبت کر کے اپنا وقت برباد کرتے ہیں۔ میرے لیے اس دنیا میں اگر کوئی چیز سب سے زیادہ قیمتی ہے تو وہ وقت ہے۔ اس لیے میں کبھی بھی محبت اور پیار جیسی خرافات میں پڑ کر اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔

ایسا نہیں ہے کہ میں محبت لفظ کو اہمیت نہیں دیتا۔ ہاں البتہ میرے نزدیک محبت کا بس ایک ہی مطلب ہے، ایک ہی خیال ہے، ایک ہی احساس ہے اور وہ ہے میرا وطن جس کے لیے میں واقعی اپنی جان دے سکتا ہوں اور ایسا کرتے ہوئے میں ایک بار بھی نہیں سوچوں گا بس مر مٹوں گا۔

کتنی عجیب بات ہے نہ کہ ایک طرف میں محبت کو برا اور وقت کا ضیاع سمجھتا ہوں اور دوسری طرف میں اپنے وطن سے جنون کی حد تک پیار کرتا ہوں۔ اگر کہا جائے کہ وطن کی محبت میرے خون میں ہے تو یہ بالکل غلط نہیں ہوگا کیونکہ یہ سچ ہے۔

مجھے اس محبت سے نفرت ہے جو صنفِ مخالف سے ہوتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میں کبھی کسی سے ایسی محبت نہیں کروں گا کیونکہ میری ڈکشنری میں اس محبت کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے۔

تیمور نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے ڈائری بند کر دی۔ اس کے سر میں شدید درد شروع ہو چکا تھا۔

یار یہ طلحہ سر نہ مجھے کسی اور ہی سیارے کی مخلوق لگتے ہیں۔ ان کے فلسفے ان کی باتیں میری سمجھ سے تو بالکل باہر ہیں"۔ تیمور نے طلحہ کی ڈائری پڑھنے کے بعد عمر سے کہا۔ آج الماری میں سے کوئی فائل

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

ڈھونڈتے ہوئے طلحہ کی ڈائری اس کے ہاتھ لگی تو وہ دونوں پڑھنے بیٹھ گیے مگر ایک صفحے سے زیادہ پڑھنے کی ہمت نہ ہوئی کیونکہ اس میں جو کچھ لکھا ہوا تھا وہ پڑھ کے تیمور کے تو سر میں درد شروع ہو گیا تھا۔

ٹھیک کہہ رہے ہو تم، یار کتنی قسمیں ہیں ان کے نزدیک محبت کی، محبت تو بس محبت ہوتی ہے لیکن یہ پتہ نہیں کونسی محبت پہ یقین رکھتے ہیں۔ ایک طرف محبت سے نفرت اور دوسری طرف وطن سے اتنی محبت ---- ان کا یہ فلسفہ تو مجھے کبھی سمجھ میں نہیں آیا"۔ عمر خود حیران تھا۔ طلحہ عجیب تھا یہ تو دونوں جانتے تھے مگر اتنا عجیب بلکہ عجیب و غریب تھا یہ ان کو آج پتہ چلا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ لڑکیوں سے کوسوں دور بھاگتا تھا۔

سر کے دماغ کے سارے پرزے ڈھیلے ہیں"۔ تیمور نے اٹھ کے ڈائری واپس اسی جگہ رکھ دی کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ آ کے دیکھے اور پھر ان دونوں کی خبر لے۔

فکر مت کرو کوئی تو ایسی آئے گی ناں اس کی زندگی میں جو سارے ڈھیلے پرزے ٹھیک کرے گی"۔ عمر نے پر امید لہجے میں کہا تو تیمور نے ایک گہرا سانس لے کر بالوں میں ہاتھ پھیرا۔

وہ دونوں ابھی اس بات سے انجان تھے کہ محبت کے بارے میں ایسی سوچ رکھنے والے کو اگر محبت ہوئی بھی تھی تو کس سے ہوئی تھی۔

☆......☆......☆

"تم نے مجھ سے جھوٹا وعدہ کیا۔ تم نے کہا تھا کہ وہ جلدی واپس آ جائے گا لیکن وہ نہیں آیا اور نہ ہی آئے گا۔ گل ناز آج پھر اس سے جھگڑ رہی تھی۔

کچھ دن صبر رکھو آ جائے گا۔ جب میں نے کہا ناں کہ وہ آئے گا تو پھر یقین کرو"۔ وہ زچ ہو کر بولا۔

وہ اس کے روز روز کے ڈراموں سے تنگ آ چکا تھا۔

"مجھے یقین نہیں ہے تم پہ ---- اگر اسے آنا ہوتا تو وہ اب تک آ جاتا۔ آج اسے گیے نو دن ہو گیے ہیں۔ اب اس کے آنے کی کوئی امید نہیں ہے"۔

وہ اب اس پر اعتبار کرنے کو ہرگز تیار نہیں تھی۔

اسے غصہ آ گیا۔

"ٹھیک ہے نہ کرو یقین میں بھی دیکھتا ہوں تم کیسے اب اس سے ملو گی۔ اتنا دور کر دوں گا اسے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتی"۔

"تم ایسا نہیں کرو گے"۔ وہ رونے لگی۔

"اگر تمہارا یہ ڈرامہ یونہی چلتا رہا تو میں کچھ ایسا ہی کروں گا"۔

"میں کچھ نہیں کہوں گی اب۔ بس تم اس کو کچھ مت کرنا"۔ وہ ہار مانتے ہوئے بولی تو وہ مسکرایا۔

"آج میرے دل میں تمہارے لیے رحم آیا ہے۔ میں تمہاری ایک خواہش پوری کر سکتا ہوں تم جو مانگنا چاہتی ہو سوائے اپنی رہائی کے"۔

اس نے کھلے دل سے آفر کی۔ گل ناز کو جیسے یقین نہ آیا۔

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟"۔

وہ تصدیق کرنے کے لیے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں [illegible] کہہ رہا ہوں"۔

وہ پھر سے مسکرایا۔

"میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ ایسا کرو جس سے میں اسے چھو سکوں"۔

اس کی انوکھی فرمائش پہ وہ پہلے تو حیران ہوا اور پھر بولا۔

"اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تم کچھ ایسا مانگو گی تو میں یہ آفر کبھی نہ کرتا بہرحال میں اپنی زبان سے پھرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ تمہاری یہ خواہش پوری کر دوں گا۔ اب کی بار جب وہ آئے گا تو تم یہ کر سکتی ہو۔ بس شرط یہ ہے کہ وہ واپس آئے"۔

"وہ ضرور آئے گا۔ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے میں جانتی ہوں وہ ضرور آئے گا"۔

وہ از حد پر امید تھی۔

"دیکھتے ہیں تمہارے انتظار کی گھڑیاں کب ختم

ہوتی ہیں"۔

وہ طنزاً بولا اور پھر غائب ہو گیا۔

☆......☆......☆

طلحہ بڑے عجلت بھرے انداز میں کنٹرول روم میں داخل ہوا تو ان دونوں کو لڈو کھیلتے پایا۔ اس کی تیوری پہ پڑے بلوں کی تعداد میں کئی گنا اضافہ ہوا۔ وہ بڑے مگن ہو کر کھیل رہے تھے۔ طلحہ نے ایک سرسری نظر ان کی طرف دیکھا اور دراز میں سے کوئی فائل ڈھونڈنے لگا۔

"تم دونوں ڈیوٹی دے رہے ہو یا لڈو کھیل رہے ہو؟"۔ طلحہ فائل نکال کے اب اس میں سے کوئی پیپر ڈھونڈ رہا تھا۔ وہاں فائلوں اور پیپرز کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ ایسے میں مطلوبہ فائل کا ملنا بھی ایک مشکل طلب کام تھا۔ پیپرز اور فائلوں کے علاوہ کمپیوٹرز کی بھی کثیر تعداد تھی۔

"ہم دونوں کام کر رہے ہیں"۔ تیمور نے سر اٹھا کر [illegible] کہا جو اپنے کام میں مصروف تھا۔ اس کے ہاتھ تیزی سے چل رہے تھے۔

"کیا ڈھونڈ رہے ہیں سر جی؟"۔ عمر نے اسے اتنا مگن دیکھ کر پوچھا۔

طلحہ نے آگے سے کوئی جواب نہ دیا۔ شاید اس نے سنا ہی نہیں تھا یا پھر جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ کیونکہ وہ اپنے کام میں اتنا مصروف تھا کہ عمر کے سوال کو نظر انداز کر دیا۔

کچھ دیر خاموشی چھائی رہی۔

"آپ کب واپس جا رہے ہیں؟"۔

تیمور نے لڈو کے دانے کو داہنے ہاتھ سے ہوا میں اچھالتے ہوئے طلحہ سے پوچھا۔

کہاں....؟"۔

وہ ایک دم سے چونکا تھا۔ اس نے فائل سے سر اٹھا کر تیمور کی جانب دیکھا۔

"میں آپریشن کی بات کر رہا ہوں"۔ تیمور نے اس کو یاد دلایا۔

"بس کچھ دیر میں نکلوں گا"۔

"فائل میں سے مطلوبہ پیپرز نکال کے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہی آن بیٹھا۔

"کل سے چھٹیاں شروع ہو رہی ہیں اگر آپ وہاں نہ جاتے تو ہم کہیں گھومنے چلتے"۔ عمر نے اداسی سے کہا۔

"سر جی پلیز آپریشن کو چھوڑیں اور ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ کبھی ہماری بات نہیں مانتے کم از کم آج ہی مان لیں"۔ تیمور نے اداس ہونے کی ایکٹنگ کی تو وہ اسے گھورنے لگا۔

"ہرگز نہیں ---- میرے لیے میرا کام زیادہ ضروری ہے"۔

ہمیشہ کی طرح اس کا وہی نا میں جواب تھا۔ مجال تھی جو کبھی وہ ان لوگوں کی ایموشنل بلیک میلنگ میں آتا۔

وہ دونوں چپ ہو گیے کیونکہ جانتے تھے کہ اب بحث بیکار ہے۔

"تیمور ایک کام کرو یہ پیپرز ایک دفعہ چیک کر کے فوٹو کاپی کر دو میں تھوڑی دیر میں آ کر لیتا ہوں"۔ اس نے اٹھتے ہوئے وہ پیپرز تیمور کو دیے جو وہ کچھ دیر پہلے خود اسٹڈی کر رہا تھا۔

عمر اب کمپیوٹر پہ مصروف ہو گیا تھا۔ تیمور نے وہ پیپرز اس سے لیے اور ان کو دیکھنے لگا۔ وہ خود باہر جا چکا تھا۔

وہ پھر سے واپس آ گیا۔ سب اس کے آنے پہ بہت خوش تھے۔ وہ جتنا مرضی سخت تھا لیکن سب لوگ اس کی دل سے عزت کرتے تھے۔ سب سے زیادہ خوشی کیپٹن احسن کو ہوئی۔ وہ واحد بندہ تھا جو سب سے زیادہ اس سے ڈانٹ کھاتا تھا لیکن پھر بھی اس کے آنے پہ سب سے زیادہ وہ خوش تھا۔

"سر میں نے آپ کو بہت مس کیا؟"۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

طلحہ کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

https://www.urdutubes.com/

Digitized by Google

"اور سر آپ کو پتہ ہے آپ کا پارٹنر اب میرا بھی پارٹنر ہے۔ ہماری دوستی ہوگئی ہے۔ اب وہ مجھے کچھ نہیں کہتا اور آپ کے جانے کے بعد مجھ سے بہت اٹیچ ہوگیا اور سچ بتاؤں تو مجھے اس سے پیار ہوگیا ہے"۔ وہ مزید بولا۔

"ارے واہ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ویسے میرا پارٹنر ہے کہاں؟"۔ طلحہ کو اچانک طوطے کا خیال آیا۔

جب وہ گیا تھا تو طوطا یہیں تھا کیونکہ وہ اسے ساتھ لے کر نہیں جا سکتا تھا۔ اب واپس آتے ہی اسے وہ شدت سے یاد آیا۔ کتنے دن بیت گیے تھے اس کو دیکھے ہوئے۔ طوطے کے خیال کے ساتھ ہی طوطے والی کا خیال بھی آیا۔ ایک گہری مسکراہٹ نے اس کے چہرے کا احاطہ کیا۔ اپنی بدلتی کیفیت پر وہ حیران تھا۔ اس کی حقیقت جانتے ہوئے بھی وہ اس کے لیے جذبات رکھتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں؟

کیپٹن ہارون کے ساتھ کہیں گیا ہوا"۔

"ٹھیک ہے میں اپنے آفس میں جا رہا ہوں ایک اچھی سی اور اسٹرانگ سی چائے بجھوا دیار بہت تھکن ہو رہی ہے"۔ اس نے داہنی کنپٹی کو ہاتھ سے دباتے ہوئے کہا۔

"جی سر ابھی بجھواتا ہوں"۔

ود آوٹ شوگر او کے۔۔۔"۔ طلحہ نے اسے یاد کروایا۔

وہ چائے چینی کے بغیر پیتا تھا۔

"مجھے یاد ہے سر۔۔۔"۔ کیپٹن احسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

طلحہ بھی مسکرا دیا۔

"سر آپ کے بازو کا زخم کیسا ہے اب؟"۔

کیپٹن احسن نے یاد آنے پر پوچھا۔

"پہلے سے بہت بہتر ہے"۔

وہ کہتا ہوا اپنے آفس میں چلا گیا۔

کچھ ہی دیر بعد چائے آ گئی۔ وہ چائے کے سپ لینے لگا۔ آج بہت سردی تھی۔ پچھلے دو دن سے دھوپ نے اپنا چہرہ نہیں دکھایا تھا۔

گرم گرم چائے سکون بخشنے لگی۔ اس کی تھکن چائے کی گرمی میں گھلنے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ کافی فریش محسوس کر رہا تھا۔ کمرے میں گیس کا ہیٹر چل رہا تھا جو کیپٹن احسن نے سپیشل اس کے آرام کے لیے منگوایا تھا۔ چائے پینے کے بعد وہ پچھلے دنوں کا ریکارڈ دیکھنے لگا۔

دو گھنٹے اسی میں گزر گیے۔ اب باہر اندھیرا چھانے لگا تھا۔ وہ فائل بند کر کے اٹھا اور وہیں مغرب کی نماز ادا کی۔ کھانے کی طلب نہیں تھی اس لیے وہ نماز کے بعد پھر سے کام میں مگن ہوگیا۔

سردی کی شدت کتنا بڑھ گئی تھی۔ باہر دھند بھی برس رہی تھی۔ اس نے ہاتھ رگڑے اور فائل بند کر دی۔ بازو میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

تبھی کیپٹن ہارون آفس میں آیا۔ طوطا بھی اس کے ساتھ تھا۔ طلحہ کو دیکھتے ہی وہ اڑ کر اس کے کندھے پر بیٹھ گیا اور اپنی چونچ اس کے گال کے ساتھ مس کرنے لگا۔ یہ اس کی طرف سے خوشی کا اظہار تھا۔

"سر کیسے ہیں آپ؟" کیپٹن ہارون نے [illegible] طوطے کی یہ حرکت [illegible] پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں"۔ وہ طوطے کو دیکھ کر از حد خوش تھا۔

"سر اس نے آپ کو بہت مس کیا دیکھیں ذرا کیسے اظہار کر رہا اپنی فیلنگز کا"۔ کیپٹن ہارون نے شرارت سے کہا تو طوطا مِس مِس کرنے لگا۔ وہ اب ان کی ساری باتیں سمجھنے لگا تھا۔

دونوں ایک دم سے ہنسنے لگے۔

کیپٹن ہارون باہر نکل گیے۔

"کیسے ہو پارٹنر۔۔۔؟"۔ وہ ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا۔

طوطے کو ہاتھوں میں لے کر سامنے ٹیبل پر کھڑا کیا۔ وہ اس کے کف کو اپنی چونچ میں زور سے دبائے ہوئے تھا۔

طلحہ کو اس پر ڈھیروں پیار آیا۔

تبھی اسے کھانے کا بلاوا آ گیا۔ اسے بھوک نہیں تھی مگر پھر بھی تھوڑا سا کھا لیا۔ کھانے کے بعد میڈیسن لے کر وہ سب کے سونے کا انتظار کرنے لگا۔

گیارہ بجے کے قریب سب سو گیے تو وہ طوطے کو ساتھ لیے اوپر آ گیا۔ آج تو خوشی بیان سے باہر تھی۔

تین منٹ کے بعد وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔ گل ناز کو اپنی بصارت پہ یقین نہیں آ رہا تھا وہ پیاسی نگاہوں سے اس کے ایک ایک نقش کو دیکھ رہی تھی۔

محبت تو محبت ہوتی ہے پھر وہ کسی سے بھی ہو کیا فرق پڑتا ہے۔

"تم بہت برے نکلے میجر۔۔۔۔ اتنی جلدی ساتھ چھوڑ جاؤ گے امید نہیں تھی"۔ اس کے گلابی ہونٹوں سے شکوہ ابھرا۔

طلحہ کو اس سے پھر سے محبت ہونے لگی۔ اسے پھر سے اس پر کرش آیا۔

"اگر ساتھ چھوڑنا ہوتا تو واپس نہیں آتا"۔ وہ [illegible]

"میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں پلیز مجھے بتاؤ کے یہ کیسے ممکن ہے"۔ وہ اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"آج وہ بہت بدلی بدلی لگ رہی تھی۔ طلحہ کو شک سا ہونے لگا کہ وہ انسان نہیں تھی۔

بھلا وہ کیسے یقین کر سکتا تھا کہ وہ اس کے سامنے کھڑی اس سے بات کر رہی تھی۔ وہ اسے اتنے قریب سے دیکھ رہا تھا۔

"پلیز ایسی خواہش مت کرنا کیونکہ یہ پوری ہونے میں تمہاری جان چلی جائے گی"۔ وہ بے ساختہ ٹوک گئی۔

"اگر بدلے میں مجھے تمہارا ساتھ ملے گا تو میں ہزار بار مرنے کو تیار ہوں"۔ وہ اس کا دیوانہ تھا۔

"نہیں میجر ایسا سوچنا بھی مت کیونکہ ہم کبھی ایک نہیں ہو سکتے۔ میں کبھی یہاں سے رہا نہیں ہو سکتی"۔

وہ اسے ہاتھ لگانا چاہتی تھی مگر ارادہ ترک کر دیا۔ وہ پہلے ہی اتنا پاگل ہو رہا تھا اگر وہ کچھ ایسا کرتی تو اس کا کیا بھروسہ تھا وہ کیا کر گزرتا۔

"اپنا زخم دکھاؤ مجھے۔۔۔۔۔"۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے وہ پھر بول پڑی۔

"اب بھر چکا ہے"۔ طلحہ نے کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"میں پھر بھی دیکھنا چاہتی ہوں"۔ وہ ضدی انداز میں بولی۔

طلحہ کے لیے انکار کرنا ناممکن ہوگیا۔

محبت میں انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ محبت میں تو انسان صرف محبوب کی باتیں مانتا۔

اس نے اپنے کف کا بٹن کھولا اور شرٹ کا بازو اوپر کیا۔ زخم ابھی ٹھیک سے بھرا نہیں تھا۔ ٹانکوں کے نشان صاف نظر آ رہے تھے۔ گل ناز کے لیے خود پہ قابو پانا مشکل ہوگیا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کے زخم کو چھوا۔

طلحہ کے لیے یہ سب کسی شاک سے کم نہیں تھا۔

وہ ششدر سا اس کو دیکھنے لگا۔ وہ بڑے پیار سے اس کے بازو پر ہاتھ پھیر رہی تھی۔

طلحہ کی ساری تکلیف اس کے پہلے لمس سے ہی دور ہوگئی۔ محبت کا پہلا لمس جادو جیسا تھا۔ خمار اس کے سر چڑھ کر بولنے لگا۔

"میں اس دن تمہیں دیکھنے آنا چاہتی تھی مگر میں بہت مجبور ہوں میں چاہ کر بھی یہاں سے نہیں نکل سکتی۔ اس دن مجھے بہت تکلیف ہوئی تھی شاید اتنے سالوں میں ہونے والی تکلیف سے بھی زیادہ بلکہ شاید مرنے سے بھی زیادہ"۔

وہ گہری نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

تم کیوں اتنی مجبور ہو پلیز مجھے بتاؤ۔ تمہیں یہاں کس نے قید کیا ہے؟ اور کیوں کیا ہے اور اگر تم زندہ نہیں ہو تو پھر یہاں کیسے ہو؟ مجھے تمہاری باتیں سمجھ میں نہیں آتیں پلیز مجھے اپنے بارے میں سب کچھ بتاؤ"۔ طلحہ نے کچھ اس انداز میں کہا کہ گل ناز کو انکار کرنا مشکل ہوگیا۔

https://www.urdutubes.com/

"اگر تم واقعی میری کہانی جاننا چاہتے ہو تو پھر آج میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی۔ آج ہر حقیقت سے پردہ اٹھے گا"۔

وہ رخ موڑتے ہوئے بولی اور اپنی مخصوص کرسی پر جا بیٹھی۔

طلحہ اس سے کچھ فاصلے پر نیچے بیٹھ گیا۔

"میرا تعلق ہندوستان کے شہر امرت سر سے تھا۔ جب دونوں ملکوں کی تقسیم ہوئی تو ہمارے سارے مسلمان گھرانے پاکستان آ گئے لیکن میرے والد کا وہاں بہت اچھا کاروبار تھا تو وہ کسی صورت بھی اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ سب پاکستان آ گئے لیکن ہم نے اپنی دنیا وہیں بسائے رکھی۔ ان دنوں میں اٹھارہ سال کی تھی۔

یہ تین سال بعد کی بات ہے جب میرا پہلی دفعہ پاکستان آنے کا اتفاق ہوا۔ میرے بڑے تایا کے بیٹے کی شادی تھی جس کے لیے انہوں نے ہمیں بھی آنے کا کہا اور زور دیا کے ہم لوگ ضرور آئیں۔

ان دنوں لوگ ذیادہ ٹرین سے آتے جاتے تھے۔ میرے والد نے بھی ٹرین کی ٹکٹیں کروائیں اور ہم دو دن میں پاکستان آ گئے۔ مجھے پاکستان کے پہاڑ دیکھنے کا بہت شوق تھا اور یہ میری خوش قسمتی تھی کہ میرے تایا لوگ کمراٹ کوہستان کے پہاڑوں میں بنے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتے تھے۔

ہمارا پندرہ دن کا قیام تھا اور ابھی شادی میں پورا ہفتہ باقی تھا تو میں نے اپنی کزنز کے ساتھ پہاڑوں کو دیکھنے کا پلان بنایا۔ مجھے بچپن ہی سے قدرت کے نظارے بہت اٹریکٹ کرتے تھے اور پتھروں، پہاڑوں، بہتے چشموں، آبشاروں سے تو مجھے عشق تھا۔ میں پہاڑ کی چوٹی پر جا کر بادلوں کو قریب سے چھونا چاہتی تھی۔ آسمان کو صاف اور شفاف دیکھنا چاہتی تھی۔

یہ اس دن کی بات ہے جب میرے ساتھ وہ خطرناک حادثہ ہوا جس نے میری پوری زندگی تباہ کر دی۔ میرا سب کچھ ختم کر دیا۔ مجھ سے میرا وجود تک چھین لیا۔

اس دن موسم بہت خوشگوار تھا۔ میں اور میری کزنیں گھر سے نکل آئیں۔ میں چونکہ خاص طور پر پہاڑوں کو قریب سے دیکھنے آئی تھی تو میری ضد پر ہم سب اس پہاڑی کے اوپر آ گئے۔ یہ ایک بہت خطرناک سفر تھا لیکن مجھے پروا نہیں تھی۔

اوپر آ کر ہم سب بہت خوش تھے۔ روئی کے گالوں جیسے بادلوں کے ٹکڑے ہم سے بہت نزدیک دکھائی دے رہے تھے۔ ہم لوگ وہاں بہت شرارتیں اور مزے کر رہے تھے۔ تبھی اچانک دیکھتے ہی دیکھتے گھنے سیاہ بادلوں نے آسمان کو ڈھک دیا۔ دن میں ہی اندھیرا چھا گیا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے رات کا سماں ہو گیا ہو۔

ہم سب ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ میں زور زور سے سب کو آوازیں دے رہی تھی لیکن کسی کو نہ تو میری آواز سنائی دے رہی تھی نہ میں کسی کو سن پا رہی تھی۔

"گل۔۔۔۔"

تبھی اچانک مجھے کسی نے پکارا۔

یہ آواز میں نے پہلی بار سنی تھی۔ میں بہت ڈر گئی کہ یہاں اتنی اونچی جگہ پر میرے علاوہ اور کون تھا۔

جب وہ میرے قریب آیا تو میں نے دیکھا وہ بہت خوبصورت تھا بالکل شہزادوں کی طرح۔۔۔۔

اس نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کو کہا لیکن میں اتنی ڈری ہوئی تھی کہ وہاں سے بھاگنا چاہا لیکن پتہ نہیں ایسا کیا ہوا تھا کہ میرے قدم زمین کے ساتھ جکڑے ہوئے تھے اور میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

میں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا تو وہ میرے منہ پر پٹی باندھ کر مجھے اس عمارت میں لے آیا۔

یہاں آ کر اس نے مجھ پر یہ انکشاف کیا کہ وہ پچھلے کافی دنوں سے مجھے دیکھتا آ رہا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن مجھے نا جانے کیوں نفرت سے محسوس ہوتی تھی اس کو دیکھ کر۔۔۔۔

اس نے مجھے بہت فورس کیا تو میں نے خود کو حالات کے حوالے کر دیا اور شادی کے لیے تیار ہو گئی لیکن شادی سے کچھ دیر پہلے ہی مجھ پر ایک جان لیوا

انکشاف ہوا کہ وہ آدمی انسان نہیں تھا۔ وہ جیسا نظر آتا تھا وہ ویسا نہیں تھا۔ وہ ایک ویمپائر تھا جو انسانوں کا خون پیتا تھا اور مجھ سے شادی کا بھی اصل مقصد یہی تھا۔

یہ سب میرے لیے بہت بڑا شاک تھا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کرتی۔ جب میں نے پھر شادی کے لئے انکار کر دیا تو وہ بہت غصہ ہوا اور اسی وقت اس نے مجھے دو آپشن دیے کہ یا تو میں اس سے شادی کر لوں یا پھر اپنی جان دے دوں اور ایک ویمپائر سے شادی کرنے سے بہتر تھا کہ میں اپنی جان دے دیتی اور میں نے وہی کیا لیکن مجھے کیا پتہ تھا کہ وہ مرنے کے بعد بھی میری جان نہیں چھوڑے گا۔

مرنے کے بعد اس نے میری روح کو اپنے قبضے میں کر لیا اور مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے یہاں قید کر دیا اور اسی دن مجھے ایک اور بات پتہ چلی کہ وہ ایک انسان سے شادی اس لیے کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس کے پاس زندہ رہنے کے لیے صرف دو ہی صورتیں تھی ایک تو وہ کسی انسان سے شادی کر لیتا یا پھر کسی کو مار کر قید کر لیتا اور جب میں نے شادی سے انکار کیا تو اس نے دوسرا طریقہ اپنا لیا اور مجھے ہمیشہ کے لیے اس پہاڑی کی قیدی بنا دیا۔

میں یہاں سے باہر نہیں جا سکتی کیوں کہ جس دن سورج کی روشنی کی ایک بھی کرن مجھ پر پڑی وہ دن اس کی زندگی کا آخری ہوگا۔ وہ سب اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہے لیکن وہ مجھے یہاں سے رہا نہیں کر سکتا کیونکہ اگر ایسا ہوا تو وہ جل کر خاک ہو جائے گا کیونکہ اس دن جس چھری سے میں نے اپنا گلا کاٹ کر خود کو ختم کیا تھا وہ جادوئی چھری تھی اور وہ چھری اس کی تھی اور اگر جادوئی چھری کو انسانی خون لگ جائے تو جس کی چھری ہو اس کی جان اس انسان میں آ جاتی ہے اور پھر اس انسان کو سورج کی روشنی سے چھپا دیا جاتا ہے اور اس نے بھی یہی کیا۔ اگر میں یہاں سے باہر گئی تو وہ جل کر خاک ہو جائے گا اور ایسا وہ کبھی ہونے نہیں دے گا۔ اس لیے وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتا اور نہ ہی میں یہاں سے کبھی باہر جا سکتی ہوں۔ سالوں سے میں اسی بند کمرے میں رہتی ہوں۔ میرے پاس سب کچھ کرنے کا اختیار ہے لیکن آزاد ہونے کا نہیں ہے"۔

وہ چپ ہو گئی۔ طلحہ حیران پریشان سا سب سن کر سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایسی باتوں پہ بھلا کون یقین کر سکتا تھا مگر اس کے پاس یقین کرنے کے علاوہ دوسرا راستہ نہیں تھا اور وہ جھوٹ نہیں بول رہی تھی۔

"اگر تم یہاں سے باہر نہیں جا سکتی تو پچھلے دنوں میں نے اکثر کسی لڑکی کا سایہ دیکھا ہے۔ وہ کون تھی؟"۔ طلحہ نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

وہ سب تمہاری آنکھوں کا دھوکا ہے۔ میں تمہیں یہاں تک لانا چاہتی تھی اسی لیے وہ سب کیا تھا"۔

وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پیوست کرتے ہوئے بولی۔ یہ اس کی بے چینی کا عالم تھا۔

"تمہاری یہ کہانی میری سمجھ میں نہیں آئی اور نہ ہی مجھے یقین آ رہا ہے۔ حیرت ہے آج کے دور میں بھلا کون ایسی باتوں پر یقین کرتا ہے۔ ایسی جادو کی باتیں تو میں نے بس کہانیوں میں پڑھی ہیں حقیقی زندگی میں یہ سب نہیں ہوتا"۔

طلحہ نے بے یقینی سے کہا تو وہ اداسی سے مسکرا دی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں کہ تمہارے لیے ان باتوں پر یقین کرنا مشکل ہے مگر یہی سچ ہے۔ تم نے اکثر پرستان کی پریوں کی کہانیاں سنی ہوں گی جن کو ظالم دیو قید کر لیتے ہیں۔ میں بھی ایک ویسی ہی پری ہوں اور مجھے بھی اس نے قید کر رکھا ہے فرق بس اتنا ہے کہ میں پرستان کی نہیں کوہستان کی پری ہوں"۔ وہ بہت اداس لگ رہی تھی۔ طلحہ کو دیکھ کر بہت برا لگا۔

"کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے کہ میں تمہیں یہاں سے باہر نکال سکوں؟"۔ طلحہ نے پوچھا تو وہ مسکرا دی اور پھر بولی۔

"نہیں میجر ایسا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یہ پہاڑ اور یہاں کے دیو بہت ظالم ہیں وہ کبھی مجھے رہا نہیں کریں گے"۔

"لیکن میں تمہیں اس حال میں نہیں دیکھ سکتا مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے تمہیں یہاں دیکھ

https://www.urdutubes.com/
Digitized by Google

کر۔۔۔۔ سالوں سے تم نے کھلی فضا میں سانس نہیں لیا۔ باہر کی روشنی نہیں دیکھی۔ یہ سب سوچ کر مجھے بہت برا لگتا ہے میں تمہارے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں"۔

وہ اس کی نیلی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم اگر میرے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو بس اتنا کرو کہ مجھ سے ملنے آجایا کرو۔ کبھی مجھ سے دور نہ جانا۔ اس کے بدلے مجھے ہمیشہ کی قید بھی منظور ہے بس شرط یہ ہے کہ تمہارا ساتھ ہو"۔

وہ پیار سے اس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"نہیں جاؤں گا"۔

وہ دیوانہ ایک عجیب سا وعدہ کر رہا تھا۔

دونوں بہت خوش تھے۔ وہ لمحے ان کے لیے بہت خوبصورت تھے۔

☆......☆......☆

آج حد سے زیادہ سردی تھی۔ وہ پہاڑی علاقہ تھا اس لیے وہاں برف کا گرنا لازمی تھا۔ جب سے وہ لوگ وہاں آئے تھے کبھی برف نہیں پڑی تھی مگر آج صبح صبح ہی برف باری شروع ہوگئی۔ سب بہت انجوائے کر رہے تھے۔ طلحہ کو برف باری بہت پسند تھی مگر آج پہلی بار اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اپنے آفس کی کھڑکی کے پاس بیٹھا باہر کے منظر دیکھتے ہوئے گل ناز کے ساتھ ہونے والے ظلم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کافی کا ایک کپ تھا جس میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔

تبھی ایک سپاہی اندر آیا۔

"سر آپ سے ملنے کوئی بابا جی آئے ہیں"۔

اس نے آکر طلحہ کو اطلاع دی۔

بابا جی کے نام پر بس ایک ہی شبیہہ ذہن کے پردے پر لہرائی تھی اور پھر وہ کپ وہیں رکھ کر باہر بھاگا تھا۔ قدموں میں اتنی تیزی تھی کہ دل چاہ رہا تھا اڑ کر پہنچ جائے۔ سپاہی نے حیرت سے اپنے سر کو دیکھا اور اس کے پیچھے ہی باہر چلا آیا۔

"بابا جی۔۔۔۔"۔ ان کو دیکھ کر وہ بے قابو سا ان کی طرف بڑھا۔ ان کے دونوں ہاتھ تھام کر نم آنکھوں سے باری باری بوسہ دیا۔ وہ مسکرا دیے اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دل میں ڈھیروں دعائیں دی۔ وہ ان کے بہت خاص دوست کا بیٹا تھا اور ان کی اپنی اولاد نہیں تھی اس لیے وہ اسے اپنا سگا بیٹا ہی مانتے تھے۔ طلحہ کے پاپا کی وفات کے بعد وہ اس کے لیے سگے باپ کی طرح ہی تھے اور طلحہ بھی دل سے ان کی عزت کرتا تھا۔ وہ اس کے والد، استاد اور مرشد سب کچھ تھے۔

"جلد سے چائے لے کر آؤ"۔ اس نے ان کو بازو کے گھیرے میں لیتے ہوئے سپاہی کو آرڈر دیا۔

بابا جی کے ساتھ دو لوگ اور بھی تھے۔ اس نے سپاہی کو ان کا خیال رکھنے کی تلقین کی اور بابا جی کو لے کر اپنے آفس میں آگیا۔

وہاں ان کو کرسی پر بٹھایا۔ وہ اتنی سردی میں اتنی اوپر آئے تھے۔ طلحہ کو بہت برا لگ رہا تھا۔ اس نے ہیٹر آن کیا اور ساری کھڑکیاں دروازے بند کر دیے۔ وہ مسکرا کر اس کی کاروائی دیکھتے رہے۔

"کچھ دیر میں کمرہ گرم [illegible] آگئی۔ انکو چائے پیش کرنے کے بعد وہ ان کے قدموں میں ہی بیٹھ گیا۔

انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"معاف کرنا میں دیر سے آیا۔ تم سے دو تین دن کا وعدہ کیا تھا لیکن آج انتیس دن بعد آرہا ہوں۔ ایک تبلیغی دورے پر جانا پڑ گیا تھا بس، اسی لیے آنے میں دیر ہوگئی"۔

وہ معذرت کر رہے تھے۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟ معاف مانگ کر مجھے شرمندہ تو نہ کریں۔ آپ کو کیا ضرورت تھی اتنی اوپر آنے کی۔ کتنی دقت ہوئی ہوگی یہاں تک آتے ہوئے"۔

طلحہ نے ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"ارے وقت کیسی بیٹا۔۔۔۔ اللہ نے بہت طاقت دی ہے اور کیسے نہ آتا میں۔۔۔۔ میرا بیٹا اتنی

مشکل میں تھا اور میں کیسے نہ آتا"۔

انہوں نے چائے کا کپ میز پہ رکھ دیا۔

ان کی بات پر طلحہ نظریں چرا لیں۔

وہ دیکھ چکے تھے۔

"کیا بات ہے؟"۔ اس کو گھبراہٹ کا شکار دیکھ کر پوچھا تو جواب میں طلحہ نے سارا واقعہ ان کو سنا دیا۔ وہ ان سے جھوٹ نہیں بول سکتا تھا۔

"طلحہ۔۔۔۔۔"۔ وہ شدید صدمے کے زیر اثر تھے۔

یقین نہیں آرہا تھا کہ وہ ایسی کوئی بیوقوفی بھی کر سکتا ہے۔

"سوری بابا جی لیکن میرا خود پہ کوئی کنٹرول نہیں ہے۔ مجھے اس سے محبت ہوگئی ہے اور میں چاہ کر بھی اب اس سے دور نہیں رہ سکتا"۔

وہ شرمندگی سے اظہار کر رہا تھا۔

بابا جی سکتے کے عالم میں اس کو دیکھ رہے تھے۔

"تم [illegible] منع کرنے کے باوجود بھی اندر [illegible] شدید صدمہ پہنچا۔

طلحہ کا سر جھک گیا۔

"میں اس وقت سب بھول گیا تھا"۔

وہ ان سے نظریں ملانے کی ہمت نہیں کر رہا تھا۔

"یہ تم نے اچھا نہیں کیا طلحہ۔۔۔۔ تم سے مجھے یہ امید نہیں تھی"۔ وہ مایوسی سے بولے تو وہ تڑپ اٹھا۔

"مجھے معاف کریں مجھ سے غلطی ہوگئی"۔

"تمہاری غلطی کی کوئی معافی نہیں ہے طلحہ۔۔۔ تم نے گناہ کیا ہے اور میں اتنے گناہگار بندے کے ساتھ ایک منٹ بھی اور نہیں بیٹھ سکتا"۔ وہ غصے سے کرسی سے اٹھے اور دروازے کی طرف بڑھے۔

طلحہ نے فوراً ان کو روکا۔

"آپ مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جاسکتے"۔

اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ان کو رکنا پڑا۔

"آپ جو کہیں گے میں وہ کروں گا بس آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں"۔

وہ ان کا ہاتھ تھام کر دوبارہ کرسی تک لایا۔

وہ ناراضگی سے بیٹھ گئے مگر بولے کچھ نہ۔

"میں آپ کے لیے اور چائے بنواتا ہوں"۔ وہ کہہ کر کمرے سے نکل گیا۔

پیچھے وہ پرسوچ انداز میں بیٹھے رہے۔ چہرے پر پریشانی کے سائے لہرانے لگے۔

اسی دن رات کو ایک عجیب واقعہ ہوا۔ طوطا کہیں غائب ہوگیا۔ طلحہ از حد بے چین تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کہاں جاسکتا ہے۔ اگر طوطا نہ ہوتا تو وہ گل ناز سے ملنے نہیں جاسکتا تھا۔

بابا جی کے لیے ایک کمرہ تیار کیا گیا۔ وہ وہاں بیٹھ کر کوئی عمل کرنے لگے۔ طلحہ چپ چاپ ایک طرف بیٹھا ان کو دیکھ رہا۔ وہ ان کو منع نہیں کرسکتا تھا۔

رات کا دوسرا پہر شروع ہونے کی دیر تھی کہ پوری عمارت میں سے چیخنے اور چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ باہر آسمان کو بادلوں نے ڈھک لیا۔ بجلی چمکنے لگی۔ سارے سپاہی ڈر کے مارے اندر آگئے۔

طلحہ حیران پریشان سا سب دیکھتا رہا۔ بابا جی نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو وہاں بیٹھ جانے کو کہا۔

ابھی بمشکل پچیس منٹ ہی گزرے تھے جب طوطا کھلی کھڑکی سے اندر آیا اور آکر زمین پر گر گیا۔ طلحہ کو لگا جیسے کسی نے جان کھینچ لی۔

"پارٹنر۔۔۔۔"۔ وہ آگے بڑھا مگر بابا جی کے اشارے پر دو سپاہیوں نے اسے راستے میں ہی روک دیا۔

"نہیں طلحہ۔۔۔۔"۔ انہوں نے اشارے سے منع کیا۔

طوطا بہت تکلیف میں تھا اور اس سے زیادہ طلحہ کو تکلیف ہو رہی تھی۔

بابا جی جوں جوں عمل پڑھتے جا رہے تھے طوطے کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔

☆......☆......☆

گل ناز ایک دفعہ پھر اس آدمی کے سامنے کھڑی تھی۔

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com
Digitized by Google

''کیوں بلایا ہے مجھے؟''۔ وہ آج غصے میں نہیں تھا۔

وہ لوگ میرے طوطے کو ماردیں گے پلیز کچھ کرو اگر طوطے کو کچھ ہو گیا تو طلحہ اور میں کبھی نہیں مل پائیں گے پلیز کچھ کرو۔ اور اسے بچاؤ''۔ وہ روتے ہوئے بولی۔

''میں وہاں نہیں جا سکتا اور یہ تم جانتی ہو۔ ہم میں سے کوئی تمہاری مدد نہیں کر سکتا اور اگر کوئی کر سکتا ہے تو وہ خود طلحہ ہے۔ وہ طوطے کو بچا سکتا ہے''۔ وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔

''لیکن وہ ان کو نہیں روک سکتا پلیز تم کوئی راستہ نکالو''۔

اس کی نیلی آنکھوں سے موتی ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

وہ ایک بار پھر سوچ میں پڑ گیا۔

''ایک طریقہ ہے اس بابا جی کو روکنے کا۔۔۔''۔ کچھ دیر بعد وہ بولا تو اس نے بے چینی سے پوچھا۔

کیا۔۔۔؟''۔

''یہ کام بہت تکلیف دہ ہے لیکن اگر تم یہ کرو گی تو بابا جی کا عمل طوطے پر اثر انداز نہیں ہوگا''۔

''میں سب کروں گی۔ بس مجھے بتاؤ کیا کرنا ہے؟''۔ وہ بالکل پاگل لگ رہی تھی۔

''تمہیں آگ میں تب تک کھڑے رہنا ہوگا جب تک اس بابا جی کا عمل کام کرنا بند نہ کر جائے''۔ وہ بولا تو گل ناز پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کو دیکھتی رہی۔

اس کے لیے یہ سب سے تکلیف دہ عمل تھا۔ وہ آگ میں جل کر مر تو نہیں سکتی تھی مگر اس سے ہونے والی تکلیف کا سوچنا بھی محال تھا۔

وہ جانتا تھا کہ گل ناز کبھی یہ نہیں کر پائے گی مگر اس کا یہ خیال خام خیالی میں تب بدلا جب وہ بولی۔

''میں کروں گی۔۔۔''۔

وہ ہر حد پار کرنے کو تیار تھی۔

وہ حیران رہ گیا۔

وہ اسے سمجھانا چاہتا تھا مگر پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔۔۔''۔

اس نے ہاتھ کو اوپر اٹھایا اور کچھ پڑھا تو وہاں آگ کا ایک بڑا سا الاؤ روشن ہو گیا۔

گل ناز نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا اور دوسری نظر دیوار پر نظر آنے والے منظر کو جہاں اس کا جان سے پیارا طوطا بہت تکلیف میں تھا اور اس کے بعد کوئی اور سوچ نہیں آئی تھی۔ وہ آگ میں جا کھڑی ہوئی۔ وہ حیرت سے گل ناز کو دیکھ رہا تھا۔

آگ میں جاتے ہی جان لیوا تکلیف ہونے لگی۔ اس کی چیخوں سے پورا علاقہ گونجنے لگا مگر وہ پھر بھی کھڑی رہی کیونکہ یہ اس کی محبت کا سوال تھا۔

☆......☆......☆

اچانک کمرے میں ہر طرف دھواں پھیلنے لگا۔ سب کا کھانس کھانس کر برا حال ہو گیا۔ بابا جی بھی حیران رہ گئے۔ ان کا کوئی عمل کام نہ کرنے لگا۔ انہوں نے گھبرا کر [illegible] دیا۔ ابھی انہیں [illegible] ٹھیک ہو گیا اور کمرے کی کھڑکی سے اڑ گیا۔

اس کے جاتے ہی سب نارمل ہو گیا۔ ہر کوئی دنگ کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔ ان کی تو سمجھ سے باہر تھا کہ یہ سب ہو کیا رہا تھا۔

بابا جی نے ایک نظر طلحہ کو دیکھا جو ساکت کھڑا تھا۔

وہ اس کے نزدیک آئے۔ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

''وہ تیرے لیے واقعی پاگل ہے مگر یہ نہیں جانتی کہ تو کبھی اسے نہیں مل سکتا''۔

سب حیرت سے بابا جی کی بات کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگے۔

تم سب جاؤ اب سب ٹھیک ہے''۔ انہوں نے سب کو جانے کا مشورہ دیا۔

کچھ ہی دیر میں کمرے میں صرف وہی دونوں رہ گئے۔

''طلحہ مجھے ڈر لگ رہا ہے اس وقت سے جب تم دونوں میں سے کوئی ایک نہیں رہے گا''۔

وہ بہت پریشان دکھائی دے رہے تھے۔

جب کمرے میں دھواں پھیلا تھا تو اس دھویں میں انہوں نے ایک عجیب ہی منظر دیکھا تھا۔ ایک لڑکی آگ میں کھڑی اپنے پیار کا امتحان دے رہی تھی۔ وہ سمجھ گئے کہ وہ کون تھی۔

جاؤ سو جاؤ جا کر۔۔۔''۔ انہوں نے اسے تسلی دینے کے لیے ہاتھ دوبارہ کندھے پر رکھا اور اپنے بستر کی طرف بڑھ گئے۔

طلحہ خاموشی سے اپنے قدموں کو گھسیٹتا اپنے کمرے کی طرف چلا دیا۔

☆......☆......☆

اٹھارہ جنوری کا وہ دن بہت سرد تھا۔ پچھلے تین چار دن سے حالات بہت خراب تھے۔ وقفے وقفے سے دشمن حملہ کر رہا تھا۔ ان کی طرف سے بھی جوابی کاروائی [illegible] نے ہیڈ کوارٹر کو واپس آنے کا [illegible] کیونکہ ان کا وہاں رہنا ٹھیک نہیں تھا۔ وہ جانے کو تیار تو نہیں تھے مگر طلحہ کی ضد کے آگے ہار مان گئے۔

آج ہر طرف از حد سردی تھی۔ ہڈیوں کے گودے کو جما دینے والی سردی۔۔۔

پہاڑوں کی سردی اپنے رنگ دکھا رہی تھی۔ ہر وقت ہونے والی برف باری نے سب کو پریشانی میں ڈال دیا۔ جیسے برف کے اندر دھنس گئے۔ ان کو عمارت کے اندر شفٹ ہونا پڑا۔ آنے جانے کا راستہ تقریباً مسدود ہو کر رہ گیا۔

فوج کی طرف سے ان کو ابھی واپس آنے کے آرڈر نہیں ملے تھے۔ ضرورت کی چیزیں وہاں تک پہنچانا مشکل ہو گیا۔

طلحہ کتنے دن سے ہی گل ناز سے نہیں ملا تھا۔

آج صبح بھی سب سے پہلے اٹھ کر برف ہٹائی گئی۔ طلحہ نے ہیڈ کوارٹر فون کر کے ساری سچویشن کی خبر دی کیونکہ مزید وہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

کرنل مبشر نے شام تک انتظار کا کہا۔

مگر شام سے پہلے ہی اچانک دشمن نے حملہ کر دیا۔ یہ حملہ سامنے سے ہوا تھا۔ وہ لوگ زبردستی اس جگہ پر قبضہ جمانا چاہتے تھے۔

مگر پاک آرمی کے ہوتے ہوئے یہ اتنا آسان نہیں تھا۔

دونوں اب آمنے سامنے جنگ کر رہے تھے۔ پاک آرمی کے تین سپاہی اور کیپٹن ہارون نے اس دن شہادت کا رتبہ حاصل کیا جبکہ دشمن کے کئی لوگ مارے جا چکے تھے۔ ہیلی کاپٹر کے ذریعے ان کے جسدوں کو واپس بھیج دیا گیا۔

آرمی کی طرف سے مدد کے لیے ایک ٹیم روانہ ہو چکی تھی۔

دوپہر کے دو بجے کا وقت تھا۔ طلحہ اپنے آفس میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے سائے واضح دیکھے جا سکتے تھے۔ دشمن اب واپس جا چکا تھا مگر ان کی نیندیں اڑا چکا تھا۔ طلحہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اب مزید چپ نہیں بیٹھیں گے بلکہ سامنے سے جا کر حملہ کریں گے۔

اب صرف کرنل مبشر کی طرف سے بھیجی جانے والی ٹیم کا انتظار تھا۔

وہ اب کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ تبھی اچانک اسے کمرے میں گلابوں کی مہک محسوس ہوئی تو ایک دم اس کا دل دھڑکا۔ اسے تو وہ فراموش ہی کر چکا تھا۔

کمرے میں اس پر گلاب کی پتیاں گرنے لگیں۔ وہ ساکت کھڑا خوشبو کو اپنے اندر اتار رہا تھا۔ تبھی

''میجر میں تم سے ملنا چاہتی ہوں''۔

اسے اپنے بہت قریب ہی گل ناز کی آواز سنائی دی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

وہ صرف اسے سن سکتا تھا۔

''میں رات کو آؤں گا۔۔۔''۔ اس نے دھیرے سے کہا تو اس کی بے چین آواز سنائی دی۔

https://www.urdutubes.com/

"رات تک انتظار نہیں کر سکتی۔۔۔۔ میں تمہارے پارٹنر کو بھیج رہی ہوں پلیز آجاؤ"۔

طلحہ نے ہامی بھری اور تبھی کھلے دروازے میں سے طوطا اندر آیا اور اس کے کندھے پر بیٹھ گیا۔

پچھلے واقعے کے بعد طوطا اس کے پاس نہیں رہتا تھا۔ اسی لیے وہ اب تک اس سے ملا بھی نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں آمنے سامنے تھے۔

"کیا بات ہے؟"۔ طلحہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔ وہ آج بہت پریشان تھا۔ کیپٹن ہارون اور اپنے جوانوں کی شہادت کا دلی صدمہ تھا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے ہم دونوں بچھڑنے والے ہیں"۔

اس نے اپنے خدشات کا اظہار کیا۔

طلحہ خاموش رہا۔

"میجر تم نے وعدہ کیا تھا پلیز وعدہ توڑنا مت۔۔۔۔ میں تمہیں کسی حال میں بھی نہیں کھونا چاہتی۔۔۔۔ حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے"۔

"تمہیں ہماری محبت کی قسم میجر پلیز مجھ سے دور جانے کے بارے میں سوچنا بھی مت۔۔۔۔"۔ وہ ڈر رہی تھی۔ اس کی خاموشی ہولا رہی تھی۔

"گل ناز آج کچھ مت کہنا آج میرے وطن کو میری ضرورت ہے۔ آج میں پیچھے نہیں ہٹوں گا"۔

وہ اس سے کترایا ہوا لگ رہا تھا۔

گل ناز ساکت ہوگئی۔ ایسے جواب کی امید نہیں تھی۔

"اور ہماری محبت کا کیا ہوگا میجر۔۔۔۔؟"۔

نیلی آنکھوں میں پانی آیا۔

طلحہ کا دل دکھا۔

"اگر تمہیں کچھ ہوگیا تو میں کیا کروں گی"۔ وہ اب رونے لگی تھی۔

طلحہ کو مزید تکلیف ہوئی۔

"میں نے تم سے بہت محبت کی ہے گل ناز۔۔۔۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم ایک انسان نہیں ہو۔۔۔۔ میں نے باباجی کا دل دکھایا۔۔۔۔ مجھے محبت پر کبھی یقین نہیں تھا اور مجھے لگتا تھا کہ مجھے کبھی محبت نہیں ہو سکتی مگر جب تمہیں دیکھا تو سب بھول گیا۔۔۔۔ کچھ بھی یاد نہ رہا۔۔۔۔ تم مجھے بہت عزیز ہو لیکن۔۔۔۔"۔

وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔

گل ناز کی سانس تھمی۔ نہ جانے وہ کیا کہنے والا تھا۔ وہ ایک لمحہ صدیوں جیسا لگنے لگا۔

"لیکن میرے وطن سے زیادہ نہیں۔۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔۔"۔

گل ناز نے حیرت سے اس انسان کو دیکھا۔

وہ طلحہ تو تھا ہی نہیں جو اس کا دیوانہ تھا۔ جس کو وہ جانتی تھی۔ جو اس کو دیکھتے ہی مسرائز ہو جاتا۔ یہ تو کوئی بہت سفاک انسان تھا۔

"اگر میں واپس آگیا تو تمہارا ہی رہوں گا مجھے اور اگر نہ آیا تو معاف کر دینا کہ میں نے وعدہ توڑ دیا"۔

اپنی بات کہہ کر وہ جانے لگا مگر گل ناز کی آواز نے قدم ساکت کر دیے۔

"میجر اگر میں نہ [illegible] کل کو۔۔۔۔ میرے پاس بھی آج وہ اختیار ہے جو برسوں پہلے اس کے پاس تھا۔ میں تمہیں مار کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پہاڑی کا قیدی بنا سکتی ہوں اور جانتے ہو اگر ایسا ہوا نہ تو مجھے رہائی مل جائے گی۔۔۔۔ میری روح کو آزادی مل جائے گی۔۔۔۔ میں کھلی فضاؤں میں گھوم سکوں گی اور یہ سب ممکن ہو سکتا اگر میں تمہیں خود مار دوں گی تو۔۔۔۔ اس نے بھی سالوں پہلے اپنی رہائی کے لیے یہ کیا تھا۔۔۔۔ آج سے پہلے میں ایسا اس لیے کرنے کے بارے میں نہیں سوچتی تھی کیونکہ مجھے تم سے محبت تھی اور تم نے میرے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا اور میں تمہیں موت کی تکلیف نہیں دے سکتی تھی مگر آج تم جس موت کی تمنا میں مجھے چھوڑ کر جا رہے ہو وہ ہمیں ہمیشہ کے لیے جدا کر دے گی اور میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی"۔ وہ بولتے ہوئے بہت ظالم لگ رہی تھی۔ طلحہ

ششدر سا اس کو دیکھنے لگا۔

"تم ایسا نہیں کرو گی کیونکہ میں جانتا ہوں کہ تم آج بھی مجھ سے محبت کرتی ہو اور جو محبت کرتے ہیں وہ کبھی محبوب کو تکلیف نہیں دیتے اور ان کی خوشی میں خوش ہوتے ہیں"۔ طلحہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

گل ناز زور زور سے ہنسنے لگی۔

"نہیں میجر میں تمہیں تکلیف میں دیکھ لوں گی مگر تمہیں خود سے دور جاتا نہیں دیکھ پاؤں گی۔۔۔۔ تمہیں آج مرنا ہوگا ہمیشہ کے لیے میرا بننے کے لیے"۔ وہ اس وقت بہت خود غرض دکھائی دے رہی تھی۔

طلحہ کو اس کی حالت پر ترس آیا۔ وہ خود بھی تو اندر سے ویسے ہی ٹوٹ رہا تھا۔ اس سے دور جانا اس کے لیے بھی تکلیف دہ تھا۔

"تو ٹھیک ہے اگر تم مجھے مار کر ہی خوش ہوگی تو مار دو۔۔۔۔ مجھے دو محبتوں میں سے ایک کا قرض چکانا [illegible] ہی ہے"۔ طلحہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"آج میرے پاس آزاد ہونے کا راستہ ہے میجر اور جانتے ہو برسوں انتظار کیا ہے میں نے رہائی کا۔۔۔۔ آج میرے پاس دو ہی راستے ہیں۔۔۔۔ ایک میری محبت جس میں تمہاری خوشی ہے اور دوسرا میری آزادی جس میں میری خود غرضی بھی ہے لیکن تم نہیں ہو"۔

وہ اس کے قریب آئی۔

"تو کس کو چنو گی آج تم۔۔۔۔؟"۔ وہ براہِ راست اس کی کانچ جیسی آنکھوں میں دیکھنے لگا جو اکثر رنگ بدلتی تھیں۔

"اپنی آزادی۔۔۔۔"۔ اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

طلحہ کا دل بری طرح ٹوٹا۔

"تو ٹھیک ہے جاؤ آج خود کو آزاد کروا لو۔۔۔۔ موقع ہے تمہارے پاس۔۔۔۔ اگر اپنی محبت کی قربانی کے لیے مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس پہاڑی کا قیدی بننا پڑے گا تو مجھے وہ بھی منظور ہے۔۔۔۔ لیکن میں دعا کرتا ہوں کہ سالوں بعد یہاں کبھی کوئی اور نہ آئے جس کے لیے مجھے گل ناز جیسا بننا پڑے اور ایک دن اپنی آزادی کے لیے میں کسی بے گناہ کو اپنی خود غرضی کی بھینٹ چڑھاؤں"۔

وہ خود کو موت کے لیے تیار کرتے ہوئے بولا۔

گل ناز نے مجل سے ایک چاقو اٹھایا۔ وہ ایک جادوئی چاقو تھا اور وہ چاقو سے اسے طلحہ کو مارنا تھا۔ طلحہ یک ٹک اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ چاقو لے کر آگے بڑھی۔

طلحہ نے موت کو اپنے قریب آتے دیکھا۔ ایسی موت کی اس نے کبھی خواہش نہیں کی تھی۔ وہ تو دشمن کے ہاتھوں مرنا چاہتا تھا۔

وہ اس کے اتنے قریب آگئی کہ چند انچ کا فاصلہ رہ گیا۔ طلحہ نے آنکھیں بند کر لیں۔

وہ محبت کا بہت کڑا امتحان دینے جا رہا تھا۔

وہ انتظار کرنے لگا کہ کب وہ چاقو اسے مار سکے۔

ایک۔۔۔۔ دو۔۔۔۔ تین کتنے ہی منٹ گزر گئے مگر کچھ نہ ہوا۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ سامنے کھڑی آنسوؤں سے تر چہرہ لیے اسے دیکھ رہی تھی۔

"میں یہ نہیں کر پاؤں گی۔۔۔۔ جاؤ میجر تمہیں آزاد کیا۔۔۔۔ آج میرے پاس میری آزادی کا راستہ تھا مگر میں نے تمہیں چنا۔۔۔۔ اپنی محبت کو چنا۔۔۔۔ مجھے قید منظور ہے لیکن یہ مجھ سے کبھی نہیں ہو گا"۔ وہ کانپ رہی تھی۔

اس نے چاقو پھینک دیا۔

"میری محبت اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی۔۔۔۔ میں تمہیں کھو کر رہ لوں گی۔۔۔۔ ہمیشہ کے لیے اس پہاڑی کی قیدی بن کر بھی رہ لوں گی مگر تمہیں تکلیف پہنچا کر میں کبھی آزاد نہیں رہ پاؤں گی۔۔۔۔ چلے جاؤ یہاں سے میجر اور دوبارہ کبھی مت آنا اگر تم زندہ رہے تو بھی مت آنا۔۔۔۔ تم نے اپنی

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

محبت کو مجھ پر چنا اور میں نے تمہاری محبت کو اپنی آزادی پر چنا۔۔۔۔ہم دونوں نے اپنی سچی محبت چنی۔۔۔۔کوئی بھی بیوفا نہیں ہے۔۔۔۔ہم دونوں نے اپنی اپنی محبت کے ساتھ وفا نبھائی ہے"۔

وہ رخ پھیر گئی۔

طلحہ کا جیسے کسی نے دل چیر لیا۔

گل ناز۔۔۔۔"۔

وہ اس کی طرف بڑھا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر روکا۔

جاؤ یہاں سے میجر۔۔۔۔پلیز جاؤ۔۔۔میرے صبر کا امتحان مت لو۔۔۔۔مجھے کمزور مت کرو"۔

وہ بول پڑی۔

طوطا طلحہ کے کندھے پر جا بیٹھا۔

طلحہ نے ایک نظر اس کی پشت کو دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔

اگر وہ ایک بار گل ناز کی آنکھوں میں دیکھ لیتا تو شاید کبھی وہاں سے نہ جا پاتا اور گل ناز یہ کبھی نہیں چاہتی تھی۔وہ اس پر کسی اور کو چن چکا تھا اور وہ اس کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی تھی۔

وہ باہر آیا تو اچانک طوطا زمین پر گر پڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے دم توڑ دیا۔طلحہ حیران پریشان سا اس کو دیکھنے لگا۔

تبھی کچھ سپاہی وہاں آئے۔طلحہ کو ساکت کھڑا دیکھ کر جب نظر طوطے پڑی تو وہ حیران ہوئے اور پھر ایک نے نیچے زمین پر بیٹھتے ہوئے طوطے کو ہلایا۔

''ارے یہ تو مر گیا۔۔۔۔''

''کیا ہوا اس کو؟''۔ وہ پریشان سا بولا۔

طلحہ کے کانوں میں جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا۔

وہ اتنی ظالم ہوگی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔اس نے دوبارہ اس کا خود سے ملنے کا ہر ذریعہ ہی ختم کر دیا تھا۔اپنے جان سے عزیز طوطے کو خود ہی مار دیا تھا۔

اگر وہ زندہ بھی رہتا تو وہ کبھی اس سے نہیں مل سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد طوطے کو اٹھا کر کچھ سپاہیوں نے پتھروں میں ہی دفن کر دیا۔

طوطے کے ساتھ ہی محبت کی ایک کہانی بھی وہیں پہاڑی پر دفن ہوگئی۔

طلحہ کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا۔

اس کے بعد وہ لوگ جنگ جیت گیے اور طلحہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ گیا کیونکہ اب وہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

اس نے اپنے وطن سے تو وفا کی تھی مگر اپنی محبت سے بے وفائی کی تھی۔

سال گزرتے گے۔آج بھی اکثر طلحہ کو گلاب کے پھولوں کی خوشبو آتی ہے۔گلاب اس کا پسندیدہ پھول ہے۔وہ گلاب کی خوشبو والا پرفیوم استعمال کرتا ہے۔

گلاب کو دیکھتے ہوئے اکثر اس کے کانوں میں گل ناز کا وہ جملہ گونجتا ہے۔

''فکر مت کرو آج کے بعد تمہیں اور کوئی پھول پسند نہیں ہوگا"۔

اس نے بہت سے طوطے پال رکھے ہیں۔

اس نے نہ کبھی کسی لڑکی سے اس کے بعد محبت کی اور نہ ہی شادی کی ہے۔

آج بھی وہ راتوں کو اکثر اٹھ کر اسے یاد کرتا ہے۔

کوہستان کی وہ پری جو آج بھی شاید اس پہاڑی کی قید میں ہے میجر طلحہ کو بہت یاد آتی ہے۔اکثر اسے اس کی موجودگی اپنے آس پاس محسوس ہوتی ہے مگر وہ نہ تو اسے دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس سے بات کر سکتا ہے۔

محبت آج بھی بے چین ملن نہیں ہے۔جدائی کا پنچھی محبت کی اس کہانی میں اکثر اداس رہتا ہے۔

https://www.urdutubes.com/
A HOME OF ENTERTAINMENT
www.urdutubes.com

Digitized by Google